جلد دوم : سلسلۂ چشتیہ

خزینۃ الاصفیاء

مصنّف

مفتی غلام سرور لاہوری ؒ

ترجمہ و ترتیب : پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ ○ لاہور

نام کتاب ــــــــــــــ خزینۃ الاصفیاء

نام مؤلف ــــــــــ مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

مترجم ــــــــــ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

موضوع ــــــــــ تذکرہ خانوادہ چشتیہ

مخزن ــــــــــ

سال تالیف ــــــــــ ۱۲۸۱ھ

سال طباعت ــــــــــ فارسی ۱۸۷۳ء

سالِ طباعت ترجمہ ــــــــــ 2001

طابع ــــــــــ کمیائن پریس لاہور

ناشر ــــــــــ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

صفحات ــــــــــ ۴۹۴

سائز ــــــــــ ۱۸ x ۲۳

قیمت ــــــــــ 135 روپے

کتابت ــــــــــ چوہدری محمد زبیر کاہلوں معصوم گنج لاہور

فہرست مضامین

سلسلۂ چشت اہلِ بہشت

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ:- چشتی سلسلے کے سرخیل اور امام حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ قطب الاقطاب قدوۃ المحققین سراج الطالبین۔ مقتدائے اہل ولائیت اور قبلۂ ارباب ہدایت تھے۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ بعض کتابوں میں ابو سعید بھی لکھی پائی گئی۔ آپ شہنشاہ مرسلین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم تابعین میں سے تھے آپ ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر تھے۔ آپ کو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے خلافت ملی تھی۔ یہ وہی خرقۂ خلافت تھا جو معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔ حضور نے یہ خرقۂ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو دیا اور آپ نے خواجہ حسن بصری کو عطا فرمایا۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بڑے کرامات اور مقامات کے مالک تھے آپ کے فضائل بے شمار کتابوں میں ملتے ہیں۔ آپ نصیحت اور وعظ کے علاوہ کوئی بات نہ کرتے تھے اور حضور کی سُنت پر شب و روز عمل کرتے۔ آپ کا جذبۂ قلب اتنا زیادہ تھا کہ اگر کوئی گنہگار یا کوئی فاجر محفل میں حاضر ہوتا تو توجہ کئے بغیر نہ رہتا۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھی۔ اور آپ کے والد موسیٰ راعی ابن خواجہ اویس قرنی تھے۔

آپ مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ظاہری حسن وجمال کی وجہ سے آپ کو حسن لولوی

(موتی) کہتے آپ نے تجارت میں بڑی دولت حاصل کی۔ اور آپ موتیوں اور مروارید کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ جن دنوں آپ اللہ کی طرف راغب ہوئے تو اپنی ساری دولت مسکینوں غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کر دی حتیٰ کہ آپ کے پاس ایک دن کی روٹی کا خرچ نہ رہا۔ آپ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا دامن پکڑ کر کاملان وقت میں شامل ہو گئے آپ زہد و ریاضت میں اس قدر مشغول رہتے تھے۔ کہ سات سات دن تک کھانا نہ کھاتے اس طرح آپ نے ستر (۷۰) سال باوضو رہ کر اللہ کی عبادت کی۔

جس دن خواجہ حسن بصری پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ جھولی میں لئے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بچے کو دیکھتے ہی حضرت عمر نے فرمایا۔ تسمواہ حسن انہ احسن الوجہہ (اس کا نام حسن رکھو یہ تو بہت ہی خوبصورت بچہ ہے)، آپ شیر خوارگی کی حالت میں اپنی والدہ سے جو گھر کے کام میں مشغول ہوتیں علیحدہ ہوتے تو بعض اوقات بھوک کی وجہ سے روتے۔ حضرت ام سلمہؓ اپنے پستان مبارک کو بچے کے منہ سے لگالتیں تو غیب سے دودھ کے چند قطرے بچے کے منہ میں ٹپکتے اور اس طرح حسن بصری خاموش ہو جاتے۔ حضرت ام سلمہؓ ہمیشہ آپ کے حق میں دعائے خیر کرتیں اور فرماتیں۔ الٰہی اس بچے کو مسلمانوں کا رہنما بنانا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو تیس (۱۳۰) صحابۂ کرام کی زیارت کی تھی۔ جن میں سات وہ صحابی تھے جو میدانِ بدر میں جہاد کرتے رہے۔

حضرت خواجہ حسن بصری ابھی بچے تھے کہ بی بی ام سلمہؓ کے گھر میں اس کوزے سے پانی پی لیتے جو حضور علیہ الصلوٰۃ کے لئے خاص تھا۔ ایک دن حضور گھر تشریف لائے پوچھا کہ ہمارے کوزے سے کس نے پانی پیا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس بچے حسن بصری نے پانی پیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس نے جتنا پانی پیا اسی قدر میرا

علم اس کے وجود میں سرایت کر گیا ہے۔ حضور خواجہ حسن بصری کو نہایت محبت کے ساتھ اپنی گود میں اٹھا کر پیار کرتے۔

ایک رات خواجہ حسن بصری اپنے مکان کی چھت پر اللہ کی عبادت میں مشغول تھے آپ اس قدر روئے کہ آنکھوں کا پانی پرنالے سے نیچے بہنے لگا۔ گلی سے کوئی شخص گزر رہا تھا اُس کے کپڑوں پر قطرے پڑے تو بلند آواز سے کہنے لگا۔ اے اللہ کے بندو یہ پانی پاک ہے یا پلید۔ خواجہ حسن بصری نے بلند آواز سے کہا کہ "اپنے کپڑے دھو لینا یہ ایک نہایت ہی گنہگار کی آنکھوں کے آنسوؤں کا پانی ہے۔"

ایک دن خواجہ حسن بصری نے اپنے ملازم کو کہا کہ میرے لئے بازار سے نان اور مچھلی لاؤ۔ جب وہ نوکر لایا اور سامنے رکھی تو آپ نے فرمایا۔ معاذاللہ گنہگار بندے کو ایسا لذیذ کھانے سے کیا سروکار ہے نوکر نے کہا حضور میں تو آپ کے ارشاد پر نان اور مچھلی لایا تھا۔ آپ نے نعرہ مارا اور رونے لگے۔ چالیس دن تک کوئی چیز نہ کھائی اور فرمایا کہ میں اپنے آپ کو سزا دوں گا کہ میں نے لذیذ طعام کی خواہش کی تھی۔

ایک دفعہ خواجہ حسن بصری ایک قافلے کے ساتھ حج کو جا رہے تھے یہ قافلہ ایسے بیابان سے گزرا جہاں دُور دُور تک پانی کا نام ونشان نہ تھا لوگ تلاش کرتے کرتے ایک جگہ پہنچے جہاں کنواں تو تھا مگر رسی اور ڈول نہ تھا۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ سوچنے لگے اب کیا کیا جائے۔ خواجہ حسن بصری نے کہا تھوڑا سا صبر کرو۔ میں نماز پڑھ لوں تم پھر پانی پی لینا آپ اُٹھے نماز میں کھڑے ہو گئے اُدھر کنواں کے پانی میں جوش آیا اور وہ کناروں تک اچھلنے لگا۔ تمام لوگوں نے پانی پی لیا۔ ایک شخص نے لالچ کرتے ہوئے پانی سے ایک مشکیزہ بھر لیا تو پانی پھر کنویں کی تہ میں چلا گیا۔ خواجہ حسن نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اگر یہ دوست مشکیزہ نہ بھرتا تو کنویں کا پانی کبھی نیچے نہ جاتا۔

حضرت خواجہ حسن بصری کا ایک ہمسایہ تھا جو آتش پرستی کرتا تھا اس کا نام شمعون تھا۔ایک دفعہ وہ ایسا بیمار ہوا کہ موت کے قریب پہنچ گیا حضرت خواجہ کو اُس کی خبر ہوئی تو بیمار پُرسی کے لئے اُس کے گھر تشریف لے گئے۔اور فرمایا اے شمعون تم نے ساری عمر آتش پرستی میں گزار دی ہے اب چند لمحے زندگی باقی رہ گئی ہے اگر تم اللہ کی توحید اور حضور کی رسالت کا اقرار کر لو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ دوزخ کی آگ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ گے۔اس نے کہا بات تو سچی ہے مگر میں چاہتا ہوں دوزخ سے آزادی کا ایک خط لکھ دیں اور اُس پر اپنے دستخط کر دیں پھر میں کلمہ پڑھ لوں گا۔حضرت خواجہ حسن بصری نے اُسی وقت ایک تحریر لکھ دی کہ آج سے تم دوزخ کی آگ سے آزاد ہو اور بہشت کی نعمت سے مالا مال ہو۔شمعون اسلام لے آیا اور وصیت کی کہ یہ رقعہ میرے کفن میں رکھ کر دفنایا جائے۔مرنے کے بعد حضرت خواجہ نے اُسے خواب میں دیکھا کہ وہ شاہی تاج سر پر رکھے ہوئے اور بہشتی لباس پہنے ہوئے ٹہل رہا ہے۔خواجہ نے اس سے حال پوچھا تو کہنے لگا آپ کے خط کی وجہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا اور اپنے انعامات سے مجھے نوازا ہے۔

سیر الاقطاب کے مصنّف نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کی خدمت میں جنّوں کی ایک جماعت حاضر ہوا کرتی تھی۔آپ انہیں دین کی تعلیم دیتے تھے۔حضرت خواجہ کے دوستوں میں سے ایک نے بیان کیا ایک دن سحری کے وقت میں خواجہ حسن بصری کی مسجد میں گیا تو دیکھا کہ مسجد کا دروازہ اندر سے بند ہے میں نے دروازے کی سوراخ سے اندر دیکھا تو ساری مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے اور حضرت خواجہ دُعا مانگ رہے ہیں سب لوگ آمین کہہ رہے ہیں۔میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔حضرت خواجہ محراب سے اُٹھے اور آ کر دروازہ کھولا۔میں نے دیکھا مسجد میں صرف حضرت خواجہ تنہا موجود ہیں۔اور دوسرے سب آدمی غائب ہیں۔میں نے صورت حال دریافت کی تو حضرت

خواجہ نے فرمایا یہ تمام جن تھے جو دینی علم کے لئے میرے پاس آتے ہیں۔ یاد رکھو یہ ایک راز ہے میری زندگی میں کسی کو نہ بتانا۔

حضرت خواجہ حسن کے پانچ کامل خلفاء ہوئے ہیں پہلے خواجہ عبدالواحد بن زید دوسرے ابن زرین تیسرے حبیب عجمی چوتھے شیخ عتبہ بن غلام پانچویں شیخ محمد واسع رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ یہ لوگ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور مختلف سلسلوں میں طریقت کو جاری کرتے رہے بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بھی خواجہ حسن بصری کے خلفاء میں سے تھیں۔

خواجہ حسن بصری چہارم ماہ محرم الحرام ایک سو گیارہ (۱۱۱) ہجری کو فوت ہوئے۔ مخبر الواصلین کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ بروز جمعہ پانچ رجب المرجب ایک سو بارہ (۱۱۲) ہجری میں فوت ہوئے تھے۔ لیکن ہمارے نزدیک پہلا قول درست ہے یہ تاریخ وفات سیر الاقطاب اور سفینۃ الاولیاء اور تذکرۃ العاشقین کے معتبر مصنفین نے بھی لکھی ہے۔

تاریخ وفات :۔

خواجہ دورِ زمن آں محسنِ احسن حسن
زیب بصرہ زینت دین مقتدا و متقی
سال وصلش قطب (۱۱۱) گو اعلیٰ بداں (۱۱۱) سالک نجواں (۱۱۱)
ہم ولی امجد (۱۱۲) ہمایوں (۱۱۲) ہادی (۱۱۱) ملک (۱۱۱) علی (۱۱۱)

خواجہ عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ :۔ آپ حضرت حسن بصری کے خلیفۂ برحق تھے۔ صاحب کشف و کرامات اور جامع البرکات تھے۔ اپنے زمانے کے بہترین شیخ اور اولیاء کے امام مانے جاتے تھے۔ آپ کی کنیت ابوالفضل تھی اور خواجہ حسن بصری سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ اس خلافت

کے علاوہ آپ کو خواجہ کمیل بن زیاد سے بھی خرقۂ تبرک ملا تھا۔ خواجہ عبدالواحد ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات بھر جاگتے۔ تین تین دن کے بعد افطاری کرتے۔ اُس پر بھی تین لقموں سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ آپ کی طبیعت پر تجرید اور تفرید اس قدر غالب تھی کہ انہیں جو کچھ ملتا اللہ کی راہ میں لٹا دیتے تھے۔ اگر کسی وقت کسی فقیر کو روپیہ پیسہ دیتے تو اپنے ہاتھ کو اتنی بار دھوتے کہ روپے کا اثر نہ رہتا۔ حضرت عبدالواحد مرید ہونے سے پہلے چالیس سال تک مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہے۔ آپ نے ظاہری علوم بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے حاصل کئے تھے۔

خواجہ عبدالواحد نے ایک دفعہ ایک غلام خریدا اُسے حکم دیا کہ وہ رات بھر جاگتا رہے اور میری خدمت کرتا رہے۔ رات ہوئی مگر غلام غائب تھا۔ صبح آیا تو حضرت خواجہ کے ہاتھ میں ایک روپیہ لا کر دیا۔ یہ ایسا سکہ تھا جس پر بادشاہ کی مہر کی بجائے سورۃ اخلاص لکھی ہوئی تھی۔ اور ساتھ ہی عرض کی کہ اگر مجھے ہر رات چھٹی دے دیا کریں تو میں ہر رات آپ کو ایسا ہی ایک دینار دیا کروں گا۔ خواجہ عبدالواحد نے یہ بات مان لی۔ ایک عرصہ تک وہ رات کے وقت چلا جاتا اور ایک دینار لا کر دیتا۔ جس پر سورۃ الاخلاص لکھی ہوتی۔ ایک دن حضرت خواجہ کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے بتایا کہ آپ کا یہ غلام رات کو سونا بناتا ہے اور سکوں پر کچھ لکھتا رہتا ہے۔ آپ رات کے وقت اسے چھٹی نہ دیا کریں۔ آپ نے سُن کر فرمایا کہ میں آج رات اِس کا امتحان لوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ رات ہوئی غلام حسبِ معمول خواجہ کے گھر سے نکلا اور روانہ ہو گیا۔ خواجہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے حتیٰ کہ وہ شہر سے باہر جا نکلا۔ تھوڑی دور ایک قبرستان تھا۔ غلام نے اپنے کپڑے اُتار دیئے اور بوریا کا لباس پہن لیا۔ اور اللہ کی بارگاہ میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا ساری رات صبح تک نماز پڑھتا رہا۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھ آسمان

کی طرف اُٹھا کر کہنے لگا۔ کہ میرے خواجہ کی چھٹی کا حق مجھے عطا فرما۔ اُسی وقت ایک دینار ہوا سے اُڑتا ہوا زمین پر گرا جو اس نے اُٹھا لیا اور لباس بدل کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ خواجہ کی نظر سے غائب ہو گیا۔ خواجہ بڑے حیران ہوئے۔ روشنی ہوئی تو لوگوں سے اپنے شہر کا پتہ پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ وہ شہر تو یہاں سے دو سال مسافت پر دُور ہے۔ حضرت خواجہ وہیں بیٹھ گئے اور سارا دن حیرانی اور پریشانی میں گزار دیا۔ رات ہوئی تو مقررہ وقت پر غلام اُسی قبرستان میں حاضر ہوا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ فارغ ہوا تو دینار ہوا سے گرا اُس نے اٹھایا اور خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی یہ دو دینار دو راتوں کا حق خدمت ہے۔ حضرت خواجہ نے کہا جاؤ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ غلام نے زمین سے چند پتھر اٹھلئے اور خواجہ کی جھولی میں ڈال دیئے اور کہا کہ یہ میری آزادی کا صلہ ہے۔ یہ کہہ کر روانہ ہوا آپ بھی اس غلام کے پیچھے چل پڑے اور چند لمحوں میں اپنے شہر میں پہنچ گئے۔ اپنے گھر کے دروازے کے پاس پہنچے تو غلام نظر سے غائب ہو گیا۔ جھولی میں سنگریزے دیکھے تو وہ قیمتی موتی تھے انہیں بازار میں بیچ دیا اور لاکھوں روپے لیکر فقیروں میں تقسیم کر دیئے۔ دنیا کو چھوڑ دیا اور ریاضت ومجاہدہ میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ کاملانِ حق میں شمار ہونے لگے۔ آپ کی تبدیلی کی یہ حالت سیر الاقطاب اور دوسری مشہور کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

ایک دن خواجہ عبدالواحد وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے اعلان کیا جو شخص اپنے مال و دولت سے ہاتھ اٹھا کر سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کر دے گا۔ اُسے جنت میں بڑا بلند درجہ ملے گا۔ وہ جنت میں ایک بلند محل میں رہے گا اور اُس کے نکاح میں ایک ایسی حور آئے گی جس کا نام عین المرقیہ ہو گا۔ وہ زندگی میں ہی اپنے بہشتی محل کو دیکھ لے گا اور اُس حور کو بھی دیکھے گا۔ آپ کا یہ اعلان سُن کر ایک شخص مجلس سے اُٹھا اور کہنے لگا کہ میں اپنا تمام مال و متاع اللہ کے راستے میں قربان کرتا ہوں آپ

نے فرمایا کہ پہلے عمل کرو پھر ہمارے پاس آؤ۔ وہ گھر گیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں لُٹا آیا۔ واپس آیا تو حضرت خواجہ نے اسے اسم اعظم سکھایا اور اُسے مراقبے میں بٹھا دیا اُس نے دیکھا کہ ایک بہت ہی دل کش کھلا باغ ہے اُس میں ایک اونچا محل نظر آ رہا ہے اس کی اینٹیں مروارید کے موتیوں کی بنی ہوئی ہیں۔ محل کے صحن میں ایک خوبصورت حور جلوہ فرما ہے جس کا حسن و جمال تقریر و تحریر میں نہیں آ سکتا۔ وہ شخص دیکھتے ہی اس پر فدا ہو گیا۔ آگے بڑھا اس حور پر ہاتھ لگانا چاہتا تھا۔ مگر اُس نے کہا میں تمہاری ہوں اور تم میرے شوہر لیکن ابھی میرے اور تمہارے درمیان کچھ فاصلہ باقی ہے۔ بے چینی و بے قراری نہیں ہونی چاہیئے یہ بات سنتے ہی اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیوانہ وار لوٹنے لگا! وہ بسمل پرندے کی طرح تڑپنے لگا۔ حضرت خواجہ نے اسے تڑپتے دیکھا تو فرمایا یہ بے قراری اور تڑپ کیوں ہے ابھی تھوڑا سا فاصلہ باقی ہے تسلّی رکھو۔ تمہاری مراد پوری ہو جائے گی۔ انہی دنوں کفار کا ایک لشکر شہر پر حملہ آور ہوا مسلمانوں نے شہر سے باہر نکل کر کافروں سے جنگ کی وہ شخص بھی مسلمانوں کی فوج میں جنگ کرنے کے لئے نکلا اور شہید ہو گیا۔ حضرت خواجہ نے اُس کی شہادت کی خبر سُنی بذاتِ خود تشریف لائے جنازہ پڑھا اور دفن کیا اور اُس کے حق میں دعائے مغفرت کی۔

ایک دن حضرت خواجہ عبد الواحد دریا کے کنارے پر پہنچے۔ لوگ دریا عبور کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہو رہے تھے۔ ملاح اس شخص کو سوار کرتا جو اُسے پہلے اجرت دے دیتا بعض غریب لوگ کرایہ نہ دے سکتے تھے وہ کنارے پر کھڑے رہتے۔ حضرت خواجہ نے اُن غمگین اور شکستہ دلوں کو دیکھا تو فرمایا کہ فکر نہ کرو دریا کو میری طرف سے کہو کہ عبد الواحد کہتا ہے کہ اپنا پانی خشک کر دے کہ ہم نے پار جانا ہے لوگوں نے ایسا ہی کہا اُسی وقت دریا کا پانی کم ہو گیا۔ تمام لوگ دریا عبور کر گئے اور کشتی سے پہلے ہی دوسرے کنارے جا پہنچے۔

ایک بار درویشوں کی ایک جماعت حضرت خواجہ عبدالواحد کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آتے ہی کہا کہ ہمیں حلوہ کھلائیں۔ حضرت خواجہ کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہنے لگے یا اللہ میرے مہمان آگئے ہیں۔ اُسی وقت سونے کے ٹکڑے گرنے لگے حضرت خواجہ نے درویشوں سے کہا کہ جتنی ضرورت ہو حلوہ منگوا لیں زیادہ لالچ نہ کریں۔ درویشوں نے چند ٹکڑے اٹھائے حلوہ منگوایا اور پیٹ بھر کر کھا لیا۔

ایک دن آپ کی خدمت میں چند مفلس اور غریب لوگ حاضر ہوئے اور آکر کہنے لگے کہ ہم اہل وعیال والے ہیں۔ ہمارے پاس خرچ نہیں ہے آپ ہماری امداد فرمائیں آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ آج تمہارے گھروں میں وافر رزق پہنچے گا۔ تسلّی رکھیں۔ وہ غریب لوگ اپنے اپنے گھر پہنچے۔ دیکھا کہ اُن کی عورتیں خوش وخرم رنگا رنگ لذیذ کھانے کھا رہی ہیں اور اپنے بچّوں کو بھی کھلا رہی ہیں اور دسترخوان پر سونے کی تھیلیاں پڑی ہوئی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ نعمت کہاں سے آئی کہنے لگیں کہ کچھ دیر پہلے ایک شخص آیا۔ اور ہمیں بے شمار دینار دیتا گیا اور یہ کہا کہ یہ عبدالواحد بن زید نے بھیجے ہیں انہیں خرچ کرو اور کھانے کی چیزیں منگوا کر کھاؤ۔

یہ بات یاد رکھیں کہ خواجہ عبدالواحد کے تین کامل خلفاء تھے۔ ایک خواجہ فضیل بن عیاض دوسرے خواجہ ابوالفضل بن زرین اور تیسرے خواجہ ابویعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہم تھے شیخ اسمائیل قصری کا سلسلہ جو شیخ ابونجیب سہروردی کے مرید تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کا سلسلہ بھی خواجہ ابویعقوب سوسی سے ملتا ہے۔ خواجہ عبدالواحد نے خواجہ حسن بصری سے خرقۂ خلافت پایا اور حضرت عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم سے خرقۂ تبرک حاصل کیا۔

آخری عمر میں خواجہ عبدالواحد نہایت بیمار ہو گئے۔ آپ کے جسم میں حرکت کی

طاقت بھی نہ رہی۔ ایک دن خادم موجود نہیں تھا جو وضو کرواتا۔ دعا کی۔ اے اللہ! ایسا وقت آگیا ہے کہ نماز کے لئے وضو کرنے کی بھی ہمت نہیں رہی۔ مجھے کم از کم اتنی صحت بخش دے کہ میں وضو کر کے نماز تو پڑھ لیا کروں اس کے بعد جو تیرا حکم ہوگا وہ بجا لاؤں گا۔ آپ اسی وقت اٹھے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے وضو کیا نماز ادا کی نماز سے فارغ ہو کر پھر بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ ستائیس ماہ صفر ایک سو ستر ہجری میں فوت ہوئے۔ سفینۃ الاولیاء اور اخبار الاولیاء کے مصنف نے آپ کی وفات ایک سو ستر لکھی۔ ہمارے نزدیک یہی بات معتبر اور صحیح ہے۔

تاریخ وفات

عبد واحد چوں زدینا رخت بست | سال وصل آں شہ والا مکان
زبدۂ دین عبد واحد کن رقم | ہم امام عبد واحد کن بیان
۱۷۰ھ | ۱۷۰ھ

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ کبار مشائخ مقتدا میں سے تھے۔ ابو علی اور ابو الفیض کنیت تھی کہتے ہیں آپ کے آباؤ اجداد کوفہ میں رہتے تھے لیکن آپ سمرقند یا بخارا میں پیدا ہوئے۔ خرقۂ خلافت خواجہ عبد الواحد بن زید سے حاصل کیا۔ شیخ المشائخ ابی عیاض بن منصور بن محمد سلمی کوفی سے بھی خلافت ملی تھی۔ انہیں محمد بن مسلم سے اور انہیں محمد حلبیب مطعم قرشی سے اور انہیں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خرقۂ فقر ملا تھا۔ خواجہ فضیل ہمیشہ روزہ رکھتے اور پانچ دنوں بعد افطاری کرتے سارے دن میں پانچسو نفل ادا کرتے اور ہر روز قرآن پاک دو بار ختم کرتے۔

تذکرۃ الاولیاء، سیر الاقطاب اور منیر المتقدمین میں لکھا ہے کہ خواجہ فضیل جوانی میں ڈاکے مارا کرتے تھے۔ علاقے کے بہت سے ڈاکو آپ کے پاس جمع رہتے اور

آپ کی نگرانی میں ڈاکے مارتے مسافروں سے لوٹا ہوا مال و متاع آپ کے پاس لاکر جمع کرتے۔ ایک دن ایک قافلے پر حملہ کیا۔ قافلے کو گھیرے میں لیا۔ قافلہ والوں کو قتل کرنا چاہتے تھے کہ ایک شخص نے یہ آیت پڑھی۔

اَلَمْ یَانِ لِلَّذِینَ آمَنُوا اَن تَخْشَعَ قُلُوبُہم لِذِکْرِ اللّٰہ

(ترجمہ کیا ابھی ان لوگوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے کانپ اٹھیں)

یہ آیت سنتے ہی خواجہ فضیل نے محسوس کیا جیسے آسمان سے بجلی چمک کر ان کے دل پر گر پڑی ہے۔ قافلے کو وہیں چھوڑا۔ بیابان کا راستہ لیا اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ راستے میں ایک اور قافلہ ملا انہوں نے فضیل سے پوچھا کہ اس طرف فیضل ڈاکو تو نہیں ہے۔ حضرت فیضل نے فرمایا فکر نہ کرو فضیل ڈاکو نے توبہ کر لی ہے پہلے تم اس سے ڈرا کرتے تھے اب وہ تم سے ڈرتا ہے یہ بات کہہ کر وہ دلی طور پہ تابع ہو گیا اور جان و دل سے اللہ سے محبت کرنے لگا۔

خواجہ فضیل جن دنوں ڈاکہ زنی کرتے تھے تو لوٹا ہوا مال الگ رکھ لیتے اور اس پر قافلے والوں کا نام لکھ لیتے۔ جن دنوں آپ نے توبہ کی جہاں کہیں کسی قافلے والے کے متعلق معلوم ہوا۔ اُس کے پاس جاتے اور اس کا مال واپس دے دیتے اور اُسے راضی کرتے۔ ایک دن ایک ایسے شخص کے پاس گئے جو یہودی تھا۔ وہ اپنا مال واپس لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ کہنے لگا کہ میرے مال میں تو اتنا خالص سونا تھا کہ پہلے وہ لاؤ پھر میں راضی ہوں گا حضرت خواجہ نے قسم کھا کر کہا کہ اِس مال میں سونا نہیں تھا بڑی عاجزی و انکساری کی۔ دوسری طرف یہودی نے کہا کہ میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ جب تک مجھے میرا سونا نہ دو گے۔ میں راضی نہیں ہوں گا۔ میرے گھر کے اندر چلے جاؤ طاقچہ میں سونے کی بھری ایک تھیلی پڑی ہے اُسے اٹھا لاؤ اور مجھے دے دو۔

تاکہ میری قسم پوری ہو جائے۔ پھر میں تم سے راضی ہوں گا۔ خواجہ اُس کے گھر میں گئے تھیلی اٹھائی۔ اُسے لاکر دی جب اُسے کھولا گیا تو اس میں خالص سونا موجود تھا۔ یہودی حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب تو نے سچی توبہ کی ہے۔ اس تھیلی میں میں نے ریت بھری ہوئی تھی۔ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ نبی آخر زمان کے دین میں ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جب وہ توبہ کریں گے۔ اگر وہ مٹی پہ ہاتھ رکھیں گے تو وہ بھی سونا بن جائے گی۔ آج یہ مٹی تمہاری توجہ کی برکت سے سونا بن گئی ہے لہٰذا میں یقین رکھتا ہوں کہ تم نے سچی توبہ کی یہ کہہ کر اس یہودی نے بھی کلمہ پڑھ لیا اور اللہ کا مقبول بندہ بن گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ فضیل کوفہ میں چلے گئے اور حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ وہاں آپ کو بہت سے اولیاء اللہ کی زیارت ہوئی۔ وہاں سے بصرے آئے ان کا ارادہ تھا کہ خواجہ حسن بصری کی خدمت میں پہنچ کر مرید ہو جائیں۔ مگر اُن دنوں خواجہ حسن بصری وفات پا چکے تھے۔ چنانچہ آپ عبدالواحد کی خدمت میں آئے اور مرید ہو گئے۔

جن دنوں ہارون الرشید مکہ میں آیا۔ تو اپنے وزیر کو لے کر مختلف بزرگوں کی زیارت کے لئے نکل پڑا سب سے پہلے عبدالرزاق صنعانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ کے ذمہ کچھ قرضہ ہو مجھے حکم دیں میں ادا کر دوں۔ آپ نے اشارہ کیا تو ہارون الرشید نے آپ کا قرضہ ادا کر دیا۔ اُس کے بعد ہارون الرشید حضرت سفیان بن عیینہ کے پاس گیا اور ان کا قرضہ ادا کر دیا۔ اپنے وزیر کو کہنے لگا ابھی تک میرے دل میں اولیاء اللہ کو دیکھنے کی خواہش ہے۔ وزیر ہارون الرشید کو خواجہ فضیل بن عیاض کی خدمت میں لے آیا۔ آپ اس وقت حجرہ میں بیٹھے چراغ کی روشنی میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ جب کسی کے آنے کی آواز سُنی۔ حجرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور آواز دی

کہ اس اندھیری رات میں کون آرہا ہے۔ وزیر نے بتایا کہ امیر المومنین ہارون الرشید ہیں حضرت خواجہ نے دیا بجھا دیا اور حجرے کا دروازہ کھولا ہارون حجرے کے اندر آیا اور حضرت خواجہ کو ڈھونڈھنے لگا۔ اُس کا ہاتھ حضرت خواجہ کے بدن کو لگا تو خواجہ نے چلا کر کہا ہارون تمہارے ہاتھ بڑے نرم ہیں۔ یہ تو دوزخ کی آگ کی لکڑی بننے والے ہیں۔ ہارون الرشید رونے لگا اور کہنے لگا کہ حضرت مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے والد حضور کے چچا تھے کوشش یہ کرو کہ قیامت کے دن اپنے باپ اور چچا سے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ہارون الرشید نے کہا مجھے اور نصیحت کریں۔ فرمایا اللہ سے ڈرو اور اللہ کی مخلوق پر رحم کرو۔ ادب سیکھو اور آلِ رسول اور صحابۂ رسول کی عزت کیا کرو ہارون الرشید نے کہا کہ اگر آپ پر کوئی قرضہ ہے تو حکم کریں میں ادا کر دوں۔ آپ نے فرمایا مجھ پر قرضہ تو ہے مگر وہ میں ہی ادا کر سکتا ہوں اور وہ اطاعت الہٰی کا قرضہ ہے ہارون الرشید روتا ہوا حضرت خواجہ سے جُدا ہو کر گھر آگیا۔

خواجہ ابو علی رازی فرماتے ہیں کہ میں تیس ۳۰ سال تک خواجہ فضیل کی خدمت میں رہا میں نے خواجہ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔ ہاں اس دن ہنسے جس دن آپ کے بیٹے مبارک علی کا وصال ہوا۔ اِس بیٹے کی وفات کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ خانۂ کعبہ میں زم زم کے کنوؤں کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نے یہ آیت پڑھی۔ وَضَعَ الکتاب فَتری المجرمین مشفقین مِمّا فیہ ویقولون یٰا وَیلَتنا مالھٰذا الکتاب ترجمہ (جن دنوں مجرموں کے سامنے نامۂ اعمال رکھا جائے گا۔ وہ کہیں گے۔ ہائے ہمارا کیا حال ہے! کاش ہمیں یہ نامۂ اعمال نہ ملتا) اُس نے یہ آیت سُنی نعرہ مارا اور جان اللہ کے حوالے کر دی۔

خواجہ فضیل کے پانچ خلفاء تھے۔ پہلے سلطان ابراہیم بن ادھم دوسرے شیخ محمد شیرازی تیسرے خواجہ بشر حافی چوتھے شیخ ابی رجا عطاری اور پانچواں خواجہ عبد الباری

رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ یہ پانچوں مشہور مشائخ اپنے اپنے وقت کے قطب الاقطاب اور یکتائے روزگار ہوئے ہیں۔

خواجہ فضیل سوم ماہ ربیع الاوّل ۱۸۷ھ ہجری میں فوت ہوئے آپ کا مزار پُرانوار مکہ معظمہ میں قبرستان جنت المعلیٰ میں ہے۔ یہ مقام حضرت اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار کے پاس ہے۔ اگرچہ مخزن الوصلین کے مصنّف نے آپ کا سال وصال ایک سو چھیاسی ۱۸۶ لکھا ہے مگر ہمارے نزدیک پہلا قول صحیح ہے سید الاقطاب اور سفینۃ الاولیاء کے مصنّف بھی اسی قول کو معتبر جانتے ہیں

چوں فضیل از دار فانی رخت بست | رفت در عشرتگہ دار القرار
ماہ عالم ۱۸۷ داں وصال آنجناب | سید الاقطاب دو واقف کن شمار

سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ: آپ پیران کبار۔ اولیاء نامدار، مشائخ عظام اور مقتدایان ذو الاحترام میں سے شمار ہوتے تھے۔ کنیت ابو اسحاق تھی۔ آپ کا نسب پانچ واسطوں سے حضرت امیر المومنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے سلطان ابراہیم بن ادھم بن سلیمان بن ناصر بن عبد اللہ بن خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابراہیم نے خرقہ فقر و خلافت خواجہ فضیل بن عیاض سے پایا۔ ان کے علاوہ آپ کو خواجہ عمران بن موسیٰ بن زید راعی۔ شیخ منصور سلمی اور خواجہ اویس قرنی قدس سرہم سے بھی خرقہ تبرک ملا تھا۔ آپ پانچ دنوں بعد افطار کیا کرتے تھے۔ افطار میں بھی سبز کائی استعمال کرتے تھے۔ کم سوتے۔ پیوند شدہ کپڑے پہنتے ننگے پاؤں چلتے تھے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ، کی مجالس میں حاضری دیا کرتے۔ حضرت امام اعظم آپ کو سیدنا وسندنا ابراہیم بن ادھم کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مفتاح العلوم کہا ہے۔ آپ نے ظاہری سلطنت کو اس لئے چھوڑ دیا۔ کہ آپ کے والد بزرگوار

کا نام ادھم تھا وہ تارک الدنیا قلندروں کی مجالس میں شرکت کیا کرتے تھے۔ بلخ شہر کے باہر ایک ایسا کاشانہ بنایا تھا۔ جہاں فقیر اور قلندر ہی آیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے اس کاشانہ کے سامنے سے بادشاہ بلخ کی سواری گزری اس وقت طوفانِ بادِ و باراں تھا۔ شہزادی کی محمل کا پردہ زوردار ہوا سے ہٹا تو اس ماہ پیکر کا چہرہ نظر آیا۔ دیکھتے ہی ادھم کے دل پر عشق کا تیر جا لگا۔ یہ ایسا نشانہ تھا کہ ادھم دل و جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ دوسرے دن بادشاہ کے دربار میں جا پہنچے۔ اور بلا جھجک لڑکی کے نکاح کا مطالبہ کر دیا۔ بادشاہ کو اس مطالبہ سے بڑا دکھ ہوا۔ بدنامی سے بچنے اور قلندر کے روحانی حملہ سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے انکار تو نہ کیا۔ مگر ایک شرط پیش کر دی۔ اور وزیر کے مشورہ سے کہا۔ کہ ہمارے شاہی خزانہ میں ایک بڑا مروارید ہے جسے ہم دُرِ یتیم کہتے ہیں اسے ادھم قلندر کو دکھا کر کہا۔ کہ اگر آپ ایک ایسا ہی موتی لے آئیں تو ہم بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیں گے۔ ورنہ اپنے اس مطالبہ کو خالی خواہش جانتے ہوئے واپس لے لیں۔ اور دوبارہ ہمارے محل کی طرف رُخ نہ کرنا۔ قلندر نے مروارید کو دیکھا اور شرط کو قبول کر لیا اور اس مروارید کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں جا نکلے۔ ایک عرصہ کی تگ و دو کے بعد جب وہ مروارید نہ ملا۔ تو پریشان ہو کر دریا کے کنارے جا پہنچے تاکہ اپنے آپ کو غرق کر لیں۔ ادھم کی اس پریشانی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں آیا۔ حضرت خضر علیہ السلام آگے بڑھے۔ آپ کا ہاتھ پکڑا اور دریا میں چھلانگ لگانے سے بچانے کے لئے آپ کے سامنے ایسے گیارہ مروارید لا رکھے۔ یہ مروارید شاہی خزانے والے مروارید سے کہیں بڑے بھی تھے اور چمکدار بھی خود حضرت خضر علیہ السلام نظروں سے غائب ہو گئے۔ قلندر ادھم یہ سارے مروارید اٹھائے بادشاہ کے پاس جا پہنچے اور اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے اور اس کے وزراء کو حیران کر دیا۔ بادشاہ قلندر کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کو عار جانتے ہوئے۔ مروارید کی

طرف توجہ نہیں دی۔ اور کہنے لگا جاؤ۔ ہمارے وزیر اعظم سے بات کر کے فیصلہ کر لو۔ وزیر نے قلندر سے تمام مروارید لے کر اسے دھکے دے کر دربار سے نکال دیا اور کہا اگر آئندہ یہ مطالبہ لے کر دربار کی طرف آئے نظر آئے تو مروا دیئے جاؤ گے۔

ادھم قہر درویش بر جانِ درویش کی تصویر بنے۔ جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے سامنے کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ بادشاہ کی لڑکی سکتہ کی بیماری میں جاں بلب ہوگئی اطباء اور وید علاج سے مایوس ہوگئے۔ اسے مردہ جان کر دفنا دیا گیا۔

قلندر ادھم نے اپنی محبوبہ کی موت کی خبر سنی۔ تو تڑپ اٹھا وہ بھی جنازے کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ دفن کے بعد لوگ واپس آئے تو وہ قبر سے لپٹ کر رونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھے۔ رات ہوئی۔ تو قبر کے نگران قبر کی حفاظت کو آپہنچے انہوں نے قلندر کو قبر کے پاس دیکھا تو بے فکر ہو کر سو گئے۔ قلندر اپنی بے قراری کے ہاتھوں تنگ آکر اپنی معشوقہ کا آخری دیدار چاہتا تھا۔ اس نے قبر کو کھودا۔ تاکہ ایک نظر دیکھ لے۔ نعش کو قبر سے نکالا۔ قبر کو پُر کر دیا۔ اور نعش کو اٹھا کر وہاں سے چل دیا۔ اور اپنے کاشانہ میں لے گیا۔ لکڑے کے تختے پر لٹا کر شمع روشن کی تاکہ اس کے چہرے کو دیکھ سکے۔ اپنی معشوقہ کو دیکھے جاتا اور زار زار روتا جاتا تھا۔ اسی طرح آدھی رات بیت گئی اتفاق ایسا ہوا۔ کہ یونان سے ایک طبیب اسی رات بلخ پہنچا تھا۔ یہ طبیب ایسی پیچیدہ بیماریوں میں کمال رکھتا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ شہر کے دروازے بند دیکھ کر رات بسر کرنے کی فکر میں تھا۔ اس قلندر کے کاشانے میں روشنی دیکھی تو اُدھر آنکلا۔ اندر آکر دیکھا کہ ایک خوبصورت نعش تختے پر پڑی ہے۔ اور ایک شخص پاس بیٹھے رو رہا ہے۔ اور اپنی بے قراری اور پریشانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ طبیب نے اس صورتِ حال کو دیکھا۔ بڑی مہربانی اور لطف سے قریب آیا ہاتھ میں چراغ اٹھایا صورتحال

ملاحظہ کی۔ اور نبض دیکھ کر قلندر کو کہا۔ کہ غم نہ کرو۔ رونا چھوڑ دو۔ یہ ماہ رو ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔ یہ مری نہیں سکتہ کی بیماری میں بے ہوش ہے۔ یہ کہہ کے ایک نشتر نکالا اور لڑکی کی فصد کاٹ ڈالی۔ خون کے چند قطرے ٹپکے۔ تو نعش میں حرکت آئی۔ لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ دائیں بائیں دیکھا۔ ایک طبیب کو اپنے پاس پایا اور پھر ایک نامحرم کو دیکھ کر چہرے کو چھپا لیا۔ کہنے لگی۔ اے میرے طبیب اے میرے باپ۔ مجھے یہ بتاؤ۔ میں کہاں ہوں۔ کس حالت میں ہوں۔ اور مجھے کفن کیوں پہنایا گیا ہے اور پھر اس تختے پر قلندر کے کاشانے میں کیسے آئی ہوں۔ طبیب اور قلندر دونوں معذرت کرتے ہوئے آگے بڑھے اور تمام واقعات بیان کر دیئے۔ بادشاہ کی بیٹی نے جب صورتحال معلوم کر لی۔ اور یہ جان لیا۔ کہ میری جان کی حفاظت تو اس قلندر کی معرفت ہوئی ہے وہ قلندر سے نکاح کرنے پر راضی ہو گئی طبیب نے نکاح پڑھایا۔ صبح ہوئی۔ قلندر شہر میں گیا اور ایک اچھا سا مکان کرائے پر لیا۔ اپنی معشوقہ کو وہاں لے آیا۔ اور نہایت آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے لگا۔ نو ماہ گزرے تو اللہ کی مہربانی سے خواجہ سلطان ابراہیم پیدا ہوئے۔ وہ شکل وصورت میں اپنی والدہ کے مشابہہ تھے۔ پانچ سال ہوئے۔ تو قلندر نے اپنے اس بیٹے کو شاہی مکتب میں داخل کرایا۔ اس مدرسہ میں بادشاہ کبھی کبھی اس مکتب میں آیا کرتا تھا۔ اور بچوں کا امتحان لمیا تھا۔ اتفاقاً بادشاہ کی نظریں اس بچے پر پڑیں تو بے اختیار اُس کی محبت اور الفت نے جوش مارا۔ اُس نے اس بچے کو گود میں اٹھا لیا اور اپنے محل میں لے گیا۔ بچہ شام کے وقت اپنے گھر نہ پہنچا تو والدہ کو بڑی تشویش ہوئی اپنے قلندر خاوند کو مکتب میں بھیجا کہ بچے کی خیریت دریافت کرے۔ جب وہ قلندر مدرسہ کی طرف آیا تو اسے بتایا گیا کہ بادشاہ بچے کو اٹھا کر اپنے شاہی محل میں لے گیا ہے وہ قلندر بے اختیار ہو کر اُسی طرح دوڑا دوڑا بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے قلندر کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور کہا اے قلندر اللہ نے تمہیں

عجیب لڑکا دیا ہے جو منظورِ اور مقبول خلق ہے۔ میں نے پہلی بار دیکھا تو اُس سے پیار و محبت ہوا اور میں اسے اٹھا کر محل میں لے آیا ہوں۔ قلندر بات سُن کر مسکرایا اور کہا بادشاہ کی محبت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بچہ اُس کی بیٹی کا فرزند ہے پھر اس نے تمام حالات کی تفصیلات بادشاہ کو سنائی۔ جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی اکلوتی بیٹی ابھی تک زندہ ہے تو سجدہ شکر بجا لایا۔ اور نہایت خوشی سے اٹھا اور یہ خوشخبری اپنی بیگم کو سنائی۔ دونوں شاہی سواری پر سوار ہو کر قلندر کے گھر پہنچے۔ بیٹی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی کے لئے بڑا عالی شان محل بنایا۔ چونکہ بادشاہ کا اپنا کوئی بیٹا نہ تھا اُس نے اعلان کیا کہ میرا نواسا سلطان ابراہیم میرا جانشین اور ولی عہد ہوگا۔ بادشاہ خود اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان ابراہیم تختِ شاہی پر بیٹھا اور کئی سال تک نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا۔ دن کو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتا اور رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا تھا۔

ایک رات بادشاہ اپنے شاہی محل میں سویا ہوا تھا کہ چھت پر کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ بیدار ہوا آواز دی کہ چھت پر کون ہے جواب آیا۔ کہ میں ایک مسافر ہوں میرا اونٹ گم ہو گیا تھا۔ اسے تلاش کر رہا ہوں۔ بادشاہ نے کہا ارے بیوقوف گھروں کی چھتوں پر اونٹ بھی ملتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اونٹ گھر کی چھت پر آجائے اُس شخص نے جواب دیا۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ بیوقوف ہو۔ کبھی خدا بھی شاہی محلات میں ملتا ہے۔ تم ریشمی بستر پر آرام کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ تمہیں خدا مل جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ہم خُدا خواہی و ہم دنیائے دوں
این خیال ست و محال است و جنون

اِس بات سے سلطان ابراہیم کی دل کی دنیا بدل گئی صبح اُٹھا اپنے بیٹے کو تخت

نشین کر دیا۔ امورِ سلطنت اُس کے حوالے کیئے۔ شہر چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ جنگل میں پہنچا
تو شاہی لباس اُتار کر ایک گڈریئے کو بخش دیا۔ اور اس کے پھٹے پرانے کپڑے خود پہن
لئے۔ بلخ کو چھوڑ کر نیشاپور آیا اور پہاڑ کی ایک غار میں عبادت کرنے لگا وہ جمعرات
کی رات غار کی چھت پر آتا۔ لکڑیوں کا گٹھا جمع کرتا سر پر اُٹھا کر شہر میں پہنچتا
اور لکڑیاں بیچ کر جو کچھ حاصل ہوتا اس کا نصف اللہ کی راہ میں دے دیتا اور
نصف سے اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کرلے آتا۔ ایک عرصہ تک اس کا یہی کام رہا
وہ غیبی اشارہ سے مکہ معظمہ پہنچا اور خواجہ فضیل بن عیاض کی خدمت میں حاضر ہو کر
مرید ہو گیا۔ اور ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیئے۔

جن دنوں سلطان ابراہیم نے بادشاہی چھوڑ کر جنگل میں قدم رکھا تو غیب سے
ایک بزرگ آئے انہوں نے انہیں اسمِ اعظم سکھایا۔ اسمِ اعظم پڑھتے ہی عرش
سے لے کر فرش تک تمام چیزیں روشن ہو گئیں۔ کچھ دنوں بعد حضرت خضر علیہ السلام
تشریف لائے۔ کہنے لگے اے سلطان وہ میرے بھائی حضرت الیاس تھے جنہوں نے
تمہیں اسمِ اعظم سکھایا ہے میں خضر ہوں۔ میں تیرا دوست بن کر رہوں گا۔ حضرت
ابراہیم ادھم نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی دوسرے دوست کی ضرورت
محسوس نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر حضرت خضر علیہ السلام کو رخصت کر دیا۔

جن دنوں سلطان ابراہیم لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے بازار میں آیا کرتے تھے تو بلخ
کا ایک امیر آدمی بھی وہیں ہی تھا۔ اُس نے سلطان ابراہیم کو پہچان لیا اور بادشاہی
چھوڑ کر لکڑیاں بیچنے پر بڑی ملامت شروع کر دی۔ حضرت سلطان ابراہیم کو اُس
کی باتوں پر بڑا غصہ آیا۔ بیٹھے بیٹھے لکڑیوں کے گٹھے پر ہاتھ مارا تو وہ ساری سونے
کی بن گئیں۔ سلطان ابراہیم نے یہ سارا سونا اُس کو بخش دیا۔ اور کہا کہ آج بلخ کی
سلطنت کی یاد کی نحوست کی وجہ سے میری حلال کی روزی ضائع ہو گئی۔

ایک بار سلطان ابراہیم بلخ کے راستے سے ہوتے ہوئے مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ شاہی امراء اور وزراء کو آپ کی خبر ہوئی انہوں نے آپ کے صاحبزادے کو جو اُس وقت تخت نشین تھا ساتھ لیا اور حاضرِ خدمت ہوئے۔ سب نے مل کر درخواست کی کہ اگر آپ دوبارہ تخت سلطنت پر تشریف لے آئیں تو ہمیں بڑی خوشی ہو گی۔ سلطان ابراہیم نے اپنے بیٹے کو بڑی محبت کے ساتھ اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور باتیں کرنے لگے۔ اسی اثناء میں غیب سے ایک آواز آئی۔ کہ جو لوگ ہمارے حسن و جمال کے عاشق ہوتے ہیں وہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ بات سُنتے ہی سلطان ابراہیم نے رونا شروع کر دیا۔ اور عرض کی اے اللہ! جس کی وجہ سے ابراہیم تجھ سے غافل ہو گیا ہے اُس کو اٹھا لے۔ تاکہ تیری محبت کا رشتہ نہ ٹوٹنے پائے۔ کہتے ہیں کہ صاحب دار سلطنت ابراہیم کے بیٹھے ہی فوت ہو گیا۔

جن دنوں سلطان ابراہیم بلخ کی بادشاہی چھوڑ کر بیابان میں چلے گئے تو چند دن دریا کے کنارے پر قیام کیا۔ وہاں امراء اور وزراء حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ دوبارہ تخت نشین ہو جائیں سلطان ابراہیم اس وقت اپنی گدڑی سی رہے تھے آپ نے سوئی دریا میں پھینک دی اور فرمایا کہ تم بڑے طاقتور حاکم ہو۔ دنیا کے سارے اسباب تمام پاس موجود ہیں دریا سے میری سوئی نکال دو۔ کوئی بھی سوئی نہ نکال سکا۔ آپ نے بلند آواز سے کہا کہ اے دریا کی مچھلیو میری سوئی نکال کر لاؤ۔ اُسی وقت ہزاروں مچھلیاں اپنے منہ میں چاندی کی سوئیاں اٹھائے پانی کی سطح پر تیرنے لگیں۔ ایک مچھلی کے منہ میں حضرت خواجہ کی سوئی بھی تھی۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر اس سے سوئی لی۔ اور تمام مچھلیوں کو رخصت کر دیا۔ امراء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہماری سلطنت تمام جہاں پر ہے اب ہمیں بلخ کی سلطنت کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک دن سلطان ابراہیم ادھم کوہِ ابوقیس پر بیٹھے تھے اپنے دوستوں کے ساتھ

باتیں کر رہے تھے کہنے لگے اللہ کے بندے اگر پہاڑ کو کہہ دیں کہ یہاں سے چل تو وہ چل پڑتے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی پہاڑ میں حرکت ہوئی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں چلنے کو نہیں کہا۔ یہ بات تو میں نے تمثیلاً کہی تھی۔

ایک دن خواجہ شفیق بلخی سلطان ابراہیم بلخ کی خدمت حاضر ہوئے۔ ایک درویش جو صاحب کشفؑ و کرامات تھا وہ بھی مجلس میں بیٹھا تھا۔ آپ نے پوچھا تم گزر اوقات کیسے کرتے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ اگر مل جائے تو کھا لیتا ہوں ورنہ صبر کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کام ہماری گلی کوچے کے کتے بھی کرتے ہیں۔ ہونا یوں چاہیئے "اگر نہ ملے تو صبر کرو۔ اگر مل جائے تو اللہ کی راہ میں قربان کر دو۔"

ایک شخص نے حضرت سلطان ابراہیم ادھم سے پوچھا کہ تم کس کے بندے ہو آپ کانپے اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو یہ آیت پڑھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے (آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کا بندہ نہ ہو) اس شخص نے کہا کہ آپ نے پہلے ہی یہ جواب کیوں نہیں دے دیا فرمایا میں ڈرتا تھا کہ اگر میں اپنے آپ کو اس کا بندہ کہوں تو مجھ سے اُس کی بندگی کا حق ادا نہیں ہوا۔ اگر نہ کہوں تو کافر ہو جاتا ہوں۔"

حضرت خواجہ ایک دن دریا کے کنارے پہنچے اور پار جانا چاہا۔ ملّاح نے کرایہ مانگا۔ آپ نے دریا کی ریت کی مٹھی بھری اور ملاح کی جھولی میں ڈال دی ملّاح نے غور سے دیکھی تو ریت نہیں تھی وہ سونا تھا۔

حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے دو کامل خلفاء تھے ایک خواجہ حذیفۃ المرعشی اور دوسرے خواجہ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے جس دن بادشاہی چھوڑی اس دن سے ایک جگہ پر قیام نہیں کیا۔ کئی جگہ سے ہوتے ہوئے شام میں حضرت لوط علیہ اسلام کے مقبرے کے ساتھ ایک پہاڑ کی غار میں مقیم ہوئے۔

سیر الاقطاب میں آپ کی وفات بروز جمعہ اٹھائیس[۲۸] جمادی الاول ۲۸۰ھ ہجری لکھی ہے۔ مگر سفینۃ الاولیاء میں دو سو اکاسٹھ[۲۶۱] یا باسٹھ ہجری لکھی ہے۔ مخبر الواصلین کے مصنف نے آپ کا سال وصال دو سو پینسٹھ[۲۶۵] لکھا ہے۔ آپ کا مدفن پاک شام میں ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۰۲ سال تھی[۱]۔

تاریخ وفات :۔

شیخ ابراہیم سلطان ولی	شد چو از دنیا بفردوس برین
دل بسالِ وصل آں والا ہمم	قطبِ حق بین قطب ہم قطب یقین
	۲۸۱

حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشی قدس سرہٗ :۔

خانوادہ چشتیہ کے یہ بلند قدر بزرگ سدید الدین لقب رکھتے تھے۔ حضرت سلطان ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہٗ خلافت پایا تھا فقیہ تھے۔ عالم تھے اور عامل تھے۔ آپ کی تصانیف بہت مشہور رہیں تیس سال تک بلا وجہ بے وضو نہیں رہے۔ چھ دنوں بعد افطاری کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ اہل دل کی غذا تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ہے۔ ظاہری علوم سے فارغ ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام کی راہنمائی میں حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے چھ ماہ میں تکمیل سلوک میں کامیاب ہوئے۔

ایک دن حضرت خواجہ المرعشی اللہ کے خوف سے رو رہے تھے۔ ایک شخص آیا۔ پوچھا اس قدر گریہ زاری اور اضطراب کیوں ہے۔ کیا تم اللہ کو رحیم۔ کریم۔ غفور نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔ ایک طبقہ جنت میں ہوگا۔ ایک جہنم کی سختیوں میں رہے گا۔ مجھے یہ

---

[۱] تفصیلی حالات کے لئے تذکرۃ الاولیا۔ سیر الاقطاب اور نفحات الانس کا مطالعہ کریں۔

معلوم نہیں کہ میں کس طبقہ میں ہوں گا۔اس شخص نے کہا۔ اگر آپ کو اپنی عاقبت کی خبر بھی نہیں تو لوگوں سے بعیت کیوں لیتے ہو۔اس طرح دوسروں کو بھی اندھیرے میں رکھتے ہو۔خواجہ سن کر نعرہ زن ہوئے اور بے ہوش ہو گئے۔ہوش میں آئے تو غیب سے آواز آئی۔ حذیفہ! ہم تمہیں اپنا دوست رکھتے ہیں۔اور برگزیدہ قرار دیتے ہیں۔میدان حشر میں اصحاب جنت میں اٹھو گے" یہ آواز تمام حاضرین مجلس نے سُنی۔ اس دن تین سو کافر حلقۂ اسلام میں آئے اور آپ سے بعیت کی۔

ایک دن بزرگان دین کیخلاف چند بیوقوف حضرت خواجہ مرعشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے متعلق سخت گفتگو کرنے لگے۔حضرت خواجہ نے انہیں وعظ و نصیحت کی۔اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔مگر انہوں نے حضرت خواجہ کا ہاتھ پکڑا اور کھینچنا شروع کر دیا جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ کہنے لگے اگر تم ولی اللہ ہو تو ہمارے لئے بددعا کرو۔خواجہ کے منہ سے تین بار آہ آہ نکلا۔اور منہ سے آگ کے شعلے نکلتے دکھائی دیئے وہ تمام کے تمام جل کر راکھ ہو گئے۔ نعوذ باللہ من غضب الاولیاء اللہ۔

تذکرۃ العاشقین کے مصنف نے حضرت خواجہ کی وفات ۲۷۶ھ لکھی ہے۔مگر صاحب سیر الاقطاب نے چوبیس ماہ شوال ۲۵۲ھ لکھی ہے۔ہمارے نزدیک پہلی تاریخ درست ہے تمام تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ حضرت ابراہیم ادہم کی وفات کے بعد نو سال تک زندہ رہے۔رحمۃ اللہ علیہم۔

تاریخ وفات

شہ مرعشی خواجۂ دو جہاں | چو گشت از جہاں سوئے جنت رواں
یکے قطب عالم بگو سال او | دگر رحلتش پر دین شد عیاں

۲۵۲ھ   ۲۷۶ھ

حضرت خواجہ ہبیرہ بصری قدس سرہٗ

آپ حضرت خواجہ مرعشی کے خلیفہ اعظم تھے امین الدین لقب رکھتے تھے۔ مشائخ عصر میں بلند رتبہ اور عالی مقام رکھتے تھے۔ فقر میں بلند درجات اور ارفع مقام حاصل تھا سترہ سال کی عمر میں ظاہری علوم سے فارغ ہو گئے۔ اور ایک کامل دانشور کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ہر روز دو بار ختم قرآن فرمایا کرتے تھے مجاہدہ و ریاضت میں بے مثال تھے۔ ایک دن اللہ کی محبت میں زار و قطار رو رہے تھے۔ آواز آئی۔ ہبیرہ۔ ہم نے تمہیں بخش لیا ہے۔ حصول مقامات کے لئے حذیفیہ مرعشی کے پاس جاؤ آپ خواجہ مرعشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور مرید ہوئے۔ مگر مرید ہونے سے پہلے آپ نے تیس سال ریاضت شاقہ میں گزارے۔ پھر ایک ہفتہ میں ہی مقام قرب نصیب ہو گیا۔ ایک سال بعد خرقۂ خلافت ملا۔ جس دن سے خلافت ملی شکر اور نمک کھانا بند کر دیا لذیذ کھانے ترک کر دیئے۔ اس قدر روتے کہ بعض اوقات حاضرین کو اندیشہ ہوتا کہ آپ فوت ہو جائیں گے۔ آپ کی ساری زندگی ایک صومعہ میں گزری کبھی کسی دنیا دار کے گھر نہیں گئے۔ اور نہ ہی دنیا داروں کو منہ لگایا۔

آپ کا وصال ۲۸۷ھ بتاریخ ہفتم ماہ شوال ہوا۔

شُد چو از دنیا بفردوس بریں	آں ہبیرہ خواجۂ عالی مکان
وصلِ او کامل امین الدین بود ۲۸۷ھ	رحلتش زاہد کریم آمد عیاں ۲۸۷ھ

حضرت خواجہ علو دینوری قدس سرہٗ

آپ کا لقب کریم الدین تھا۔ ریاضت اور مجاہدہ میں عالی مقام رکھتے تھے کلام پاک کے حافظ تھے خرقۂ خلافت وار دات حضرت خواجہ ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے پایا آپ عراق کے صاحب ولائیت و کرامت مشائخ میں مشہور تھے آپ حضرت جنید بغدادی رویم اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ حضرت شیخ معروف کرخی

رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کے پاس بھی حاضری دیتے تھے۔ ان سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ آپ کو سلسلہ معروفی سے بھی اجازت ملی تھی۔ حضرت شیخ معروف کرخی سے چار نسبتوں سے واسطہ تھا۔

خواجہ علو دینوری۔ خلیفہ شیخ عبداللہ بن خفیف وہ خلیفہ شیخ محمد رویم کے تھے اور وہ حضرت جنید بغدادی کے خلیفہ تھے۔ آپ حضرت سری سقطی کے خلیفہ تھے۔ وہ حضرت معروف کرخی کے خلیفہ تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ان حضرات کے علاوہ بھی آپ نے بہت سے بزرگان دین سے فیض پایا تھا۔

خواجہ علو دینوری ابتدائی زندگی میں بڑے صاحب ثروت و دنیادار تھے مگر جب اللہ سے لگاؤ ہوا۔ تو سب کچھ غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ اور کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور فرمایا۔ اے اللہ میں نے اپنے عزیز و اقارب کو تیرے سپرد کر دیا ہے اب انہیں رزق دینا تیرا کام ہے۔ دینور سے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ پہنچے۔ ایک دن دوران سفر ایک شخص کو دیکھا کہ سر پہ کھانا رکھے تیز تیز جا رہا تھا۔ پوچھا۔ تم کون ہو۔ اور کہاں جا رہے ہو۔ اور یہ کھانا کس کے لئے ہے؟ فرمایا۔ میں رجال الغیب سے ہوں۔ یہ کھانا تمہارے اہل و عیال کے لئے ہے۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہر روز انہیں کھانا پہنچاؤں۔

جس دن خواجہ علو دینوری نے خرقہ خلافت پہنا۔ خواجہ ہبیرہ بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا۔ اے علو۔ جاؤ تمہارا کام بھی علو (اعلیٰ) ہو گیا۔ وضو کر کے ہمارے پاس آؤ۔ وضو کر کے آئے تو پیر روشن ضمیر نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا اے اللہ! علو کو درویشی عطا فرما دے یہ بات سنتے ہی خواجہ علو بیہوش ہو کر گر پڑے چند لمحوں کے بعد ہوش میں آئے پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس طرح چالیس بار بے ہوش ہوئے آخر کار پیر روشن ضمیر نے اپنا لعاب دہن منہ میں ڈالا۔ آپ کو ہوش

آیا- قدموں میں گر گئے- فرمایا- علو! تمہیں اپنے مطلب کا دیدار ہو گیا ہے آپ نے عرض کیا کہ میں تیس ۳۰ سال مجاہدہ کرتا رہا ریاضتیں کیں. مگر یہ مقام نہ پا سکا- آج آپ کی وساطت سے ایک لمحہ میں پہنچ گیا ہوں- اور بے پناہ دولت ملی ہے- خواجہ ہبیرہ نے اپنا خرقہ پہنایا- اور اپنے مصلیٰ پر بیٹھا کر ارشاد و سلوک کی اجازت دی-

حضرت خواجہ علو کی عادت تھی کہ اپنی زندگی کے چالیس سالوں میں دن کے وقت کبھی کوئی چیز نہیں کھائی رات کو کچھ نہ کچھ کھا لیتے تھے- بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شیر خوارگی کے زمانہ میں بھی آپ صرف رات کو دودھ پیا کرتے تھے- آپ تولد سے لحد تک صائم الدّہر رہے-

آپ کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی- اور اسی پر تمام وقائع نگاروں کا اتفاق ہے- یاد رہے کہ بزرگان دین کے حالات میں ایک اور بزرگ خواجہ ممشاد دینوری کا نام نامی بھی ملتا ہے- آپ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تھے- اور حضرت خواجہ جنید کے سلسلہ میں سے تھے- بعض تذکرہ نگاروں نے خواجہ علو دینوری- اور خواجہ ممشاد دینوری کو ایک ہی بزرگ لکھا ہے ان دونوں نے دونوں خاندانوں سے فیض پایا تھا- اس لئے یہ تسامح واقعہ ہوا ہے- دارا شکوہ نے اپنی مشہور کتاب سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ خواجہ علو دینوری خانوادہ چشتیہ عالیہ کے بزرگ تھے- اور خواجہ ممشاد دینوری خانوادہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے شائد دارا شکوہ کی یہ تحقیق درست ہی ہو- مگر ایک بات سامنے آتی ہے کہ دونوں بزرگوں کی تاریخ وفات ایک ہی ہے- یعنی ۲۹۸ھ ہوسکتا ہے اس وجہ سے یہ شک پیدا ہوا ہو- اور لوگوں نے ممشاد اور علو کو ایک ہی شخصیت جان لیا ہو-

تاریخ وفات:-

شیخ عالی علو دینوری　　یافت چوں زین جہاں بخلد مکان

سالِ ترحیل آن شہ ذیشاں — شد عیاں آنچہ از دل سرور
۲۹۸ھ

حضرت ابو اسحاق شامی قدس سرہ السامی: آپ سلسلہ چشتیہ کے نامی گرامی بزرگوں میں سے تھے۔ لقب شرف الدین تھا۔ خرقہ خلافت خواجہ علو دینوری رحمۃ اللہ علیہ سے پایا تھا۔ ظاہری اور باطنی علوم میں ممتاز تھے۔ زہد و ریاضت میں بے مثال۔ خلق سے بے نیاز اور خالق سے ہی ہمراز تھے۔ درویشوں سے محبت کرتے اولیاء اللہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے فقراء میں بلند رتبہ تھے۔ سات دن کے بعد افطار کرتے تھے کہ اَلْمِعْرَاجُ الْفُقَرَاءِ جُوْعٌ (بھوک ہی فقراء کی معراج ہے) مرید ہونے سے پہلے چالیس روز تک استخارہ کیا۔ آخر ہاتف غیبی نے آواز دی۔ اے ابو اسحاق جاؤ۔ اور ممشاد دینوری کی خدمت میں حاضری دو۔ آپ خواجہ دینوری کی خدمت میں پہنچے۔ سات سال خدمت میں رہے پھر تکمیل کو پہنچے۔ خرقہ خلافت پایا۔

آپ کی ذات والاصفات خانوادہ چشت میں ممتاز تھی آپ قصبہ چشت میں قیام پذیر تھے جب اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں بغداد پہنچے تو حضرت خواجہ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اور کیا نام ہے؟ کہا میرا نام ابو اسحاق چشتی ہے۔ آپ نے فرمایا تم اہل چشت کے امام بنو گے۔ خلافت پائی تو پیر دستگیر سے رخصت لے کر چشت میں واپس آئے اور خواجہ چشت کے نام سے مشہور ہوئے ان ہی دنوں چشت میں اور بھی کئی بزرگان دین قیام فرما تھے ان میں خواجہ ابو احمد ابدال چشتی۔ خواجہ ابو محمد بن ابو احمد ابدال چشتی۔ ناصر الدین۔ خواجہ ابو یوسف چشتی اور خواجہ مودود چشتی کے اسمائے گرامی مشہور رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چاروں بزرگ دین کے ستون مانے جاتے تھے۔ لاکھوں گناہگاروں نے آپ کی راہنمائی میں توبہ کی۔ اور بے شمار مرید درجۂ ولایت کو پہنچے۔

خواجہ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سماع سنا کرتے تھے۔ جو شخص ایک بار آپ کی مجلس میں حاضر ہو جاتا پھر گناہ سے دُور رہتا۔ آپ کی مجلس کی برکات سے ہر شخص وجد میں رہتا۔ اگر کوئی مریض ایک بار مجلس میں آجاتا تو شفا پاتا۔ دنیا کا پجاری آتا تو تارک الدنیا ہو جاتا تھا۔

ایک بار قحط پڑ گیا۔ بارش کو ایک عرصہ ہوا نہ برسی۔ بادشاہ وقت اور دوسرے ہزاروں لوگ حضرت خواجہ اسحاق کی خدمت میں آئے اور باران رحمت کے لئے دعا طلب کی۔ حضرت خواجہ نے مجلس سماع برپا کی جب آپ وجد میں آئے تو آسمان پر بادل گھر آئے۔ اس قدر بارش ہوتی کہ لوگ اس کے رکنے کی دعائیں مانگنے لگے۔ پھر حضرت کی خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر دل بھر گیا ہے تو بارش رک جائے گی۔

خواجہ ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ کی چہاردہم ماہ ربیع الثانی ۳۲۹ھ کو پیدائش ہوئی۔ آپ کا مزار پُرانوار شہر عکہ شام میں ہے۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ کے وصال سے لے کر آج تک آپ کے مزار پر ایک چراغ روشن ہے جو کبھی نہیں بجھا۔ وہ شام سے صبح تک روشن رہتا ہے۔ باد و باراں کا کئی بار طوفان آیا۔ مگر رات کے وقت اس چراغ کو نہیں بجھا سکا۔ یہ چراغ اس شعر کی عملی تصویر ہے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد — چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

تاریخ وفات:۔

چوں ابو اسحاق شامی پیر چشت — شد ازیں دنیا بہ جنت شاد کام

وصل پاکش ہست قطب الواصلین — ہم ابو اسحاق محبوب انام

۳۲۹ھ — ۳۲۹ھ

آپ حسینی سادات عظام میں
حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی قدس سرہٗ:- سے تھے اور حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ کے خلیفہ اکبر تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ میں بے مثال۔ خوارق و کرامات میں لاثانی تھے۔ آپ کا لقب قدوۃ الدین تھا ظاہری و باطنی حسن و جمال کے پیکر تھے۔ آپ کا منور چہرہ دُور سے روشن نظر آتا جس شخص کی نگاہ آپ کے چہرہ پر پڑتی دل و جاں سے محبت کرنے لگتا تھا۔ آپ کی جبیں نور افشاں سے نور الہٰی کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ رات کو گھر میں روشنی کے بغیر تشریف لاتے تو سارا گھر روشن ہو جاتا تھا آپ اندھیرے میں بیٹھتے تو قرآن پاک کے حروف اعراب سمیت نمایاں نظر آتے تذکرۃ العاشقین اور سیر الاقطاب کے مصنفین نے لکھا ہے کہ خواجہ ابو احمد بادشاہ فرغانہ کے بیٹے تھے۔ جو چشت کے شرفا اور سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت حسن مثنیٰ سے ملتا ہے! ابو احمد بن سلطان فرغانہ سیّد ابراہیم بن سیّد یحیٰی بن سید حسن بن سید مجد المعالی المشہور بہ ابو المعالی بن سید ناصر الدین بن سید عبداللہ بن سید امام حسن مثنیٰ بن امیر المومنین امام المتقین امام حسن بن علی المرتضیٰ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

سلطان فرغانہ کی ایک بہن تھی۔ جو ولیہ عفیفہ اور صالحہ خاتون تھی۔ حضرت ابو اسحاق شامی بسا اوقات ان کے گھر جاتے۔ اور کھانا بھی کھاتے۔ ایک دن آپ نے انہیں فرمایا۔ کہ تمہارے بھائی کو اللہ تعالیٰ ایک بیٹا دے گا۔ اور اس کی تم پرورش کرنا۔ اس کے پیٹ میں مشکوک خوراک نہ جانے دینا۔ سلطان کی ہمشیرہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی بھابھی حاملہ ہے۔ تو اس کی خوراک کی نگرانی کرنے لگی۔ آخر بتاریخ ششم ماہ رمضان ۲۶۰ھ کو یہ بچہ خلیفہ معتصم باللہ کے دَورِ حکومت میں پیدا ہوا۔ جب آپ کی عمر سات سال ہوئی۔ تو حضرت ابو اسحاق کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ ظاہری

باطنی تعلیم لی۔ اور حضرت خواجہ سے مستفیض ہوتے رہے۔ سولہ سال کی عمر میں ظاہری علوم سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت نے بیعت فرمالیا۔ اور خلوت کدہ میں ریاضت میں لگادیا۔ بڑے مجاہدے کئے چنانچہ سات روز بعد کھانا کھاتے۔ وضو کرتے اور تین لقموں سے زیادہ نہ کھاتے۔ چالیس دنوں بعد حاجت انسانی کے لئے باہر جاتے۔

ایک دن خواجہ ابواحمد چشتی اپنے والدگرامی کے ہمراہ پہاڑوں پر شکار کھیلنے چلے گئے اتفاقاً والد اور ان کے ساتھیوں سے جدا ہو گئے اور پہاڑوں میں راستہ بھول گئے۔ رجال الغیب سے چالیس افراد ایک چٹان پر کھڑے تھے اور خواجہ ابواسحاق شامی بھی انہی کے درمیان کھڑے تھے۔ حضرت خواجہ کو پہچان کر گھوڑے سے اُتر آئے۔ قدم بوسی کی اسلحہ اور گھوڑا تن سے علیحدہ کئے اور خواجہ کی رکاب پکڑ کر پیدل چلنے لگے۔ آپ کے باپ نے اور ان کے لشکر نے پہاڑوں میں آپ کو بڑا تلاش کیا۔ مگر نوجوان ابواحمد کا کہیں پتہ نہ چلا۔ چند دنوں بعد خبر ملی کہ ابواحمد فلاں موضع میں حضرت خواجہ ابواسحاق شامی قدس سرہٗ کی خدمت میں موجود ہے۔ بادشاہ نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ انہیں لے آئیں۔ مگر ان کی ساری پند و نصیحت کے باوجود ابواحمد نے حضرت شامی کی مجلس سے جانا پسند نہ کیا آٹھ سال تک محنت شاقہ سے گزرے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ تیس سال تک کبھی بستر پر آرام نہیں کیا۔

حضرت خواجہ ابواحمد جس پر ایک بار نگاہ ڈالتے وہ صاحب کرامت بن جاتا اگر مریض کو ایک بار دیکھ لیتے تو شفایاب ہو جاتا۔ سماع کے وقت آپ کی جبین سے خصوصی نور ظاہر ہوتا۔ جس کی شعاعیں آسمانوں کو چھوتیں۔ حضرت ابواحمد کی کرامات کی شہرت مشرق و مغرب میں پھیلی۔ تو علماء عصر کو آپ سے حسد ہونے لگا۔ آپ کے سماع کی مجالس کے خلاف فتویٰ بازی ہونے لگی۔ ایک محضر نامہ تیار کیا گیا۔ اور امیر نصیر جو حاکم عادل بھی تھا۔ اور آپ کا حقیقی ماموں بھی آپ کی خدمت میں پیش

کیا گیا۔ حضرت خواجہ کی مجلس سماع کی برائیاں بیان کی گئیں۔ امیر نے ملک بھر کے علماء کی ایک مجلس بلائی جس میں کئی ہزار علماء جمع ہوئے۔ خواجہ ابو احمد کو بھی اس مجلس میں پیش کیا گیا۔ حضرت خواجہ یہ خبر سن کر خرقہ خلافت پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر امیر کے دربار میں پہنچے آپ کے ساتھ ایک خادم محمد خدا بندہ نامی تھا۔ جسے سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کے علاوہ قرآن سے کچھ یاد نہیں تھا۔ امیر نصیر کی بارگاہ میں پہنچے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے تمام علماء اور حاسدین کا یہ ارادہ تھا کہ جب خواجہ ابو احمد آئیں تو کوئی شخص نہ استقبال کے لئے جائے۔ اور نہ احترام میں اٹھے۔ مگر ایسا ہوا۔ کہ جب خواجہ مجلس کے پاس آئے تو تمام علماء تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعض نے آگے بڑھ کر استقبال بھی کیا۔ مجلس میں لا کر ایک بلند مسند پر بٹھایا گیا۔ اور مسئلہ سماع پر گفتگو شروع کر دی۔ جب علماء کرام اپنا نکتہ نظر بیان کر چکے اور اپنے اپنے اعتراضات کی تفصیل سنا چکے تو حضرت خواجہ ابو احمد نے اپنے خادم محمد بندہ کو اشارہ فرمایا۔ کہ ان علماء کرام کے اعتراضات کا جواب دو۔ خادم ان پڑھ تھا۔ مگر اسے یوں محسوس ہوا جیسے آج وہ سب سے زیادہ عالم اور فاضل ہے۔ اس نے علماء کے ایک ایک اعتراض کا جواب قرآن و احادیث سے دینا شروع کیا۔ بزرگان سلف کے طریقہ کو بھی بیان کرنے لگا۔ تمام علماء اس کے جوابات سن کر دنگ رہ گئے بعض تو شرمندگی سے سر جھکائے بیٹھے رہے۔

ہر آں کہتر کہ با مہتر ستیزد　　　چناں افتد کہ ہرگز بر نخیزد

حضرت خواجہ ابو احمد کے والد ایک شراب خانہ کے مالک تھے۔ اس میں کئی سال پرانی شراب کا ذخیرہ جمع رہتا تھا۔ حضرت خواجہ بچپن میں ایک دن شراب خانے میں چلے گئے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور تمام شراب کے مٹکے توڑ ڈالے بادشاہ نے چھت پر چڑھ کر بچے کی اس حرکت کو دیکھا تو نہایت غصہ میں چلایا اور ایک پتھر

لے کر دے مارا۔ اگرچہ پتھر خواجہ ابواحمد تک پہنچا۔ مگر قریب جاکر ہوا میں معلق ہو گیا۔ سلطان دیکھ کر حیران رہ گیا۔ شراب خانے میں آیا اور اپنے بیٹے کو اٹھا کر اللہ سے شراب نوشی سے توبہ کی۔ یہ واقعہ ۲۸۰ھ ہجری میں رونما ہوا تھا۔

حضرت خواجہ ابواحمد ایک سفر میں ایسے ملک میں جا پہنچے جہاں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا۔ اور ہر طرف کافر ہی کافر تھے یہ ایسے سخت کافر تھے کہ انہیں کوئی مسلمان نظر آتا تو اسے پکڑ کر آگ میں پھینک دیتے۔ انہوں نے خواجہ ابواحمد کو دیکھا پہچان لیا کہ یہ مسلمان ہے۔ بڑی سختی کرنے لگے۔ خواجہ کو جلانے کے لئے ایک جگہ آگ جلائی گئی۔ اور خواجہ کو اس میں پھینکنے کے لئے تدبیریں کرنے لگے۔ حضرت خواجہ نے انہیں کہا۔ تم لوگ مجھے آگ میں پھینکنے کی تکلیف نہ کریں میں خود ہی آگ میں کود پڑتا ہوں۔ آپ نے مصلّیٰ کندھے پر رکھا۔ اور آگ کے شعلوں میں کود پڑے۔ آگ سرد ہوگئی۔ آپ نے انگاروں پر مصلّیٰ بچھا دیا۔ اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ ان دشمنانِ اسلام نے آپ کی کرامت دیکھی تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور دل و جان سے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ جو شہر کفر آباد تھا آپ کی برکت سے اسلام آباد بن گیا۔

حضرت ابواحمد ابدال رحمۃ اللہ علیہ ششم ماہ رمضان ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے یکم ماہ جمادی الثانی ۳۵۵ھ کو فوت ہوئے۔

سال تولیدش بقول اصفیاء	ہادی حق سید محبوب گو (۲۶۰ھ)
نیز بو احمد فرید آمد بجا (۳۵۵ھ)	وصل او نور الٰہی احمد ست (۳۵۵ھ)

خواجہ ابومحمد بن ابواحمد چشتی قدس سرہٗ: آپ کا لقب نصح الدین اور اپنے وقت کے اولیاء کبراء اور مشائخ نامدار میں سے تھے۔ بڑے عظیم الشان اور بلند رتبہ ولی اللہ تھے آپ نے خرقہ،

خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔

جن دنوں وہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے تو والدہ لا الٰہ الا اللہ کی آواز سنا کرتی تھیں۔ اُس نے یہ واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نیک سیرت بچہ دے گا۔

جب خواجہ ابو محمد محرم کی پہلی رات ۳۳۱ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تو اُسی رات ان کے والد نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا اے ابو احمد اللہ تمہیں ایک بیٹا دے گا۔ جس کا نام میرے نام پر محمد رکھنا۔ خواجہ پیدا ہوئے۔ ابھی وہ دائی کے ہاتھوں میں تھے کہ سات بار لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ زبان پر لائے۔ دس دن تک ایامِ عاشورہ تھے۔ دن کے وقت دودھ نہ پیتے اور روزہ رکھتے اور رات کو دودھ پیتے۔ ڈھائی سال کی عمر میں کم کھاتے اور کم سوتے۔ جس وقت اُن کی عمر ساڑھے چار سال ہوئی انہیں مدرسہ میں داخل کروا دیا گیا اور تختی دے دی گئی۔ اُس تختی پر غیب سے یہ آیت لکھی ہوئی تھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الرحمٰن علم القرآن۔ رب یسر ولا تعسر۔ رب زدنی علماً ط۔ آپ نے تھوڑی مدت میں قرآنِ پاک حافظ کر لیا۔ سات سال کی عمر میں نماز باجماعت ادا کرنے لگے۔ جو بات کرتے وہ پوری ہو جاتی۔ آپ کی عمر جو بیس سال کی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ ان کے مصلیٰ پر جلوہ افروز ہوئے۔ کئی بار کنواں میں لٹک کر نمازِ معکوس ادا کرتے۔ کبھی بھی آپ نے اپنا پہلو زمین پر نہ رکھا اور نہ سوئے۔ سات دن کے بعد ایک کھجور اور پانی کا ایک گھونٹ پیتے تھے۔ آپ کے ظاہری و باطنی علوم کے استاد حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

ایک دن خواجہ ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ مجلس سماع میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاقاً

خواجہ ابو محمد بھی مجلس میں تشریف لائے۔ نعت سنتے ہی رقت طاری ہو گئی اور نہایت ذوق وشوق سے بے دم ہو گئے سات دن تک بے خود پڑے رہے۔ صرف نماز کے وقت ہوش میں آتے نماز ادا کرنے کے بعد پھر بے ہوش ہو جاتے۔ آٹھویں دن آپ کے والد حضرت خواجہ ابو احمد نے سماع موقوف فرمایا اور خواجہ ابو محمد کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ ہوش میں آ گئے۔ اور آنکھیں کھول دیں آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگے۔ پھر پڑھو کچھ پڑھو۔ عالم غیب سے نعت کی آواز آنی شروع ہوئی۔ یہ ایسے اشعار تھے کہ آج تک کسی نے نہ سُنے تھے۔ خواجہ حاضرین کے ساتھ پھر وجد میں آ گئے اور تین روز تک بے خود پڑے رہے۔

ایک دن خواجہ ابو محمد دریا کے کنارے بیٹھے۔ اپنی گودڑی سی رہے تھے اسی اثناء میں اُس ملک کا بادشاہ وہاں سے گزرا اور ایک ہزار کی تھیلی آپ کو پیش کی۔ آپ نے اُسے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہمارے بزرگ بادشاہوں سے نذرانہ نہیں لیا کرتے۔ بادشاہ نے پھر ضد کی اور اصرار کیا کہ آپ یہ رقم لے لیں حضرت خواجہ نے دریا کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہا۔ تو ہزاروں مچھلیاں منہ میں تھیلیاں اٹھائے پانی کی سطح پر تیرنے لگیں حضرت خواجہ نے بادشاہ کو فرمایا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہو اُسے تمہاری تھیلی کی کیا پرواہ ہے۔

خواجہ ابو محمد کی ہمشیرہ مکرمہ بھی ولیہ تھیں۔ وہ ہمیشہ اللہ کی عبادت میں رہتی اور چالیس سال تک شادی کرنے پر راضی نہ ہوئیں۔ ایک دن خواجہ محمد اپنی ہمشیرہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے عزیزہ تقدیر میں لکھا ہے کہ تمہارے بدن سے ایسا بیٹا پیدا ہو گا جو قطب الاقطاب بنے گا۔ لیکن یہ بات شوہر کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ بات سُننے کے باوجود شادی کرنے سے انکار کرتی رہی۔ خواجہ خاموش ہو کر اٹھ آئے۔

اسی رات اس نیک بی بی نے اپنے والد خواجہ ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک سید زادہ محمد سمعان ہے۔ وہ نیکی اور تقوے میں مشہور ہے تمہارے مقدر میں لکھا ہے کہ وہ تمہارا شوہر بنے گا۔ اور ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے نورِ ولایت سے ہمارا خاندان روشن ہوگا۔ دوسری طرف ایسا ہی خواب خواجہ محمد کو آیا۔ دوسری صبح اُٹھے تو خواجہ ابو محمد نے کسی آدمی کو بلایا اور کہا کہ شہر میں ایک سید زادہ سید محمد سمعان رہتا ہے اُسے تلاش کر کے لائیں جب وہ سید زادہ لایا گیا تو اس بی بی کا نکاح پڑھا دیا گیا۔ بی بی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام خواجہ ابو یوسف رکھا گیا وہ ولی مادر زاد تھا اور تھوڑی ہی مدت میں اُسے خرقۂ خلافت ملا۔

خواجہ ابو محمد کا ایک خدمت گزار تھا اس کا نام استاد مردان تھا۔ کئی سال تک وہ آپ کی خدمت میں رہا اور کاملِ اعتقاد کے ساتھ خدمت بجالاتا رہا حتیٰ کہ خواجہ کے استنجاء کرنے کے لئے جو ڈھیلے لاتا اسے پہلے اپنے رخساروں سے صاف کرتا پھر استنجے کی جگہ پر رکھتا۔ حضرت خواجہ نے اُسے اس قدر خدمت گزار پا کر خرقۂ خلافت سے نوازا اور حکم دیا کہ اپنے ملک چلا جا۔ وہ اپنے پیرِ روشن ضمیر کی جدائی پر زار زار روتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے میں آپ کی خدمت سے علیحدہ نہیں رہوں گا۔ حضرت خواجہ نے اُس کی زاری اور بے قراری دیکھی تو فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ بات منوالی ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے۔ جب بھی مجھے دیکھنے کی آرزو کرو گے میں تمہارے سامنے نظر آؤں گا۔ اور کسی غیر کی وساطت کے بغیر ملاقات کر لیا کرو گے۔ اس بات سے اُس کی تسلی ہو گئی۔ اور وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ وہ ساری زندگی جب چاہتا حضرت خواجہ کو دیکھ لیتا۔

یاد رہے کہ خواجہ ابو محمد چشتی کے تین کامل خلفاء تھے۔ ایک خواجہ ابو یوسف۔ دوسرے

خواجہ محمد کاکو تیسرے خواجہ اُستاد مرداں تھے۔ یہ تینوں حضرات خواجہ ابو محمد کی وفات کے بعد مسندِ ہدایت وارشاد پر بیٹھے۔

سیر الاقطاب کے مصنّف نے آپ کی تاریخ وفات چودہ ربیع الاوّل چار سو گیارہ ۴۱۱ھ ہجری لکھی ہے جبکہ سفینۃ الاولیاء میں یکم ماہ رجب چار سو گیارہ ہے۔

تاریخ وفات

بو محمد پیرِ ہر برنا و پیر	محرم حق واقف سرّ خدا
واصلِ صدیق تولیدش بخواں	رحلتش قمر ماہ محمد پیشوا

۴۱۱ھ ۴۳۱ھ

خواجہ ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ: آپ سلسلہ چشتیہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ جمالِ طریقت اور کمال حقیقت کے مالک تھے۔ آپ کی کرامتیں اور کمالات ظاہر و باہر تھیں۔ آپ کو خرقہ خلافت اپنے ماموں خواجہ ابو محمد چشتی سے ملا۔ والد کا اسمِ گرامی سیّد محمد سمعان تھا۔ خواجہ ابو محمد آپ کو اپنا بیٹا ہی جانتے تھے اور آپ نے آپ کی تربیت کی۔ آپ کی عمر چھتیس ۳۶ سال کی تھی۔ کہ آپ کے ماموں کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ ان کی جگہ جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کا نسبِ پاک حضرت امام حسین سے اس طرح جا ملتا ہے۔ سید یوسف چشتی بن محمد سمعان بن سیّد ابراہیم بن سید محمد بن سیّد حسین بن سیّد عبداللہ علی اکبر بن امام حسن اصغری بن امام علی تقی بن امام التقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن امیر المومنین امام حسین رضی اللہ۔ خواجہ ابو محمد کی وفات کے بعد خواجہ ابو یوسف ہرات میں تشریف لے آئے۔ راستے میں ایک گاؤں آیا جس کا نام کنک تھا وہاں ایک ایسا درویش رہتا تھا جو نہایت ہی متقی تھا اس کی ایک بیٹی تھی جو بڑی ہی نیک پارسا اور خوبصورت تھی۔ رات کے وقت اُس لڑکی نے خواب میں دیکھا کہ چودھویں کا چاند آسمان سے اُتر کر میرے پاس آگیا ہے اور وہ

چاند مجھے کہنے لگا کہ تم میری بیوی ہو۔ میں نے تمہیں خدا سے چاہا ہے۔ صبح ہوئی۔ تو لڑکی نے اپنے والد سے خواب بیان کی اور پوچھا کہ اِس کی تعبیر کیا ہے۔
اس کے والد حضرت خواجہ ابو یوسف کی خدمت میں گئے تاکہ خواب کی تعبیر دریافت کریں۔ ابھی انہوں نے کچھ نہ پوچھا تھا تو خواجہ ابو یوسف نے لڑکی کے خواب کا تمام احوال سنا دیا اور درویش کو تسلی دی کہ چودھویں کا چاند میں ہی ہوں اور میں نے تمہاری لڑکی کو خدا سے مانگا ہے۔ درویش اُٹھا اور اپنی لڑکی کا نکاح حضرت خواجہ سے کر دیا حضرت خواجہ اپنی بیوی کو لے کر اپنے گاؤں چشت آ گئے۔ اُس پارسا بی بی کے بطن سے خواجہ مودود چشتی اور خواجہ تاج الدین ابو الفتح پیدا ہوئے۔

ایک دن گرمیوں کے موسم میں خواجہ ابو یوسف اپنے دوستوں کے ساتھ گھر سے نکلے ایک ایسے جنگل میں پہنچے جہاں دُور دُور تک پانی نہ تھا۔ تمام دوستوں کو پیاس نے تنگ کیا آپ سے پانی کی التجاء کی حضرت خواجہ ابو یوسف نے اپنا عصاء ایک پتھر پر مارا جس سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ آپ نے سب سے پہلے خود پانی پیا۔ پھر تمام لوگ سیراب ہوئے۔ یہ چشمہ اب تک جاری ہے اُس کی خاصیت یہ ہے کہ سردیوں میں اُس کا پانی گرم ہوتا ہے اور گرمیوں میں یخ ٹھنڈا۔ اگر کوئی بخار میں مبتلاء شخص وہ پانی پی لے تو اُسی وقت صحت یاب ہو جاتا ہے۔

خواجہ یوسف کے گھر میں ایک بہت بڑا پتھر تھا آپ اکثر اوقات اس پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت خواجہ نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر سے نکلے آپ نے دیکھا کہ وہ پتھر بھی آپ کے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ گاؤں کے سارے لوگ پتھر کو چلتا دیکھ کر جمع ہو گئے۔ اور یہ تماشا دیکھنے لگے۔ حضرت خواجہ نے لوگوں کو شور مچاتے اور تالیاں بجاتے دیکھا تو پتھر کو دیکھ کر فرمایا یہاں رُک جاؤ۔ اس دن کے بعد کئی اولیاء اللہ نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اُس پتھر پہ بیٹھے نظر آتے ہیں۔

اندھیری راتوں میں اُس پتھر سے نور کی شعاعیں نکلتی ہیں جس سے تمام گاؤں روشن ہو جاتا ہے۔

حضرت خواجہ یوسف رحمۃ اللہ علیہ سماع کے بڑے شوقین تھے۔ سماع کے وقت آپ کی پیشانی سے ایسا نور نکلتا جو آسمان کی بلندیوں کو چھوتا۔ خواجہ ابوبکر شبلی اکثر آپ کی مجلس سماع میں شامل ہوتے تھے۔ ایک شخص نے خواجہ سے پوچھا اگر سماع اللہ کے رازوں سے ایک راز ہے تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسے سُننے سے کیوں منع فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ خواجہ جنید بغدادی کے دوست اور خلیفہ شبلی ہماری محفل میں آنے والے ہیں اُن سے پوچھ لینا ابوبکر شبلی نے کہا کہ اگر سماع سُننا مشکل ہو تو اس سے توبہ کر لو جو شخص سماع سُننا نہیں جانتا اُسے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اگر آج خواجہ جنید بغدادی ہماری مجلس میں ہوتے تو توبہ کرتے۔

ایک دن حضرت خواجہ کہیں جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ مسجد بنا رہے ہیں ایک لکڑی کا شہتیر مسجد کی چھت پر رکھنا چاہتے ہیں مگر وہ ایک گز چھوٹا ہے۔ دیواروں پر پورا نہیں آتا۔ حضرت خواجہ نے دیکھا تو گھوڑے سے اُترے شہتیر کو اٹھا کر دیوار پر رکھا لوگوں نے دیکھا کہ وہ شہتیر ایک گز بڑا ہے۔

حضرت خواجہ یوسف کو قرآن پاک کا پہلا حصہ یاد تھا۔ وہ دل میں سوچتے کہ اگر مجھے سارا یاد ہوتا تو پورا ثواب ملتا۔ رات خواجہ ابو محمد خواب میں تشریف لائے فرمایا ابو یوسف سو بار سورۃ فاتحہ پڑھو۔ تمہیں قرآن یاد ہو جائے گا۔ آپ نے ایسا ہی کیا سارا قرآن یاد ہو گیا۔ آپ ہر روز پانچ بار قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ پچاس سال کی عمر میں حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ حضرت خواجہ حاجی کے مقبرہ کے پاس ایک ایسا حجرہ بنایا جس میں آپ اعتکاف بیٹھ سکیں۔ یہ اعتکاف کدہ ایک تہہ خانہ میں بنایا گیا۔ آپ تقریباً

بارہ سال وہاں معتکف رہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت خواجہ کو ملنے حاضر ہوا کرتے تھے۔ رات کو رجال الغیب بھی آتے تھے۔ پریاں اور جن بھی حاضری دیا کرتے تھے ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ حضرت خواجہ کے مریدوں میں سے دو جن ایسے بھی تھے۔ جو سانپ کی شکل میں حجرے کے سامنے رہا کرتے تھے اور عام آدمیوں کو حجرے کے نزدیک نہیں آنے دیتے تھے۔

آپ کی وفات سوم رجب المرجب ۴۵۹ھ کو ہوئی تھی۔

خواجہ وقت یوسف ثانی — مثل او مادر زمانہ نزاد

صاحب حسن یوسف است بداں — سالِ تولید آں شہِ اوتاد

۳۷۵ھ

رحلتش شد عیاں زعارف حق — نیز یوسف ولی مادر زاد

۴۵۹ھ — ۴۵۹ھ

حضرت خواجہ مودود چشتی قدس سرہٗ

آپ مادر زاد ولی تھے قطب الاقطاب اور قطب الدین لقب پایا تھا۔ شمع صوفیاء اور چراغ چشتیہ کے خطابات سے نوازے گئے تھے۔ یگانۂ روزگار محبوب پروردگار۔ صاحب الاسرار اور مخزن الانوار تھے۔ خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔ وہ اکثر ہوا میں پرواز کر کے جہاں چاہتے چلے جایا کرتے تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور سولہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو گئے۔ آپ کی تصانیف میں سے منہاج العارفین اور خلاصۃ الشرعیہ بہت مشہور ہیں۔ آپ کی عمر انتیس سال تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آپ سجادہ نشین بنے اور مخلوق کی ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ بیت المقدس سے چشت تک اور بلخ و بخارا کے علاقوں کی سیر کی۔ آپ کے ایک ہزار خلفاء مشہور

ہوئے۔ اور آپ کے مریدوں کی تعداد کا کوئی شمار نہیں۔ دنیا کے کسی حصّے پر آپ کے کسی مرید کو کوئی مشکل پیش آتی آپ مدد کے لئے وہاں پہنچتے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی جو شخص آپ کے مزار پر تین دن کے لئے حاضر ہوتا اور دعا کرتا تو اُس کی مشکل حل ہو جاتی۔ آپ کے بہت بیٹے تھے۔ چنانچہ خطہ پاک چشت سے آپ کی اولاد کی کئی شاخیں دنیا میں پھیلیں۔

خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو کعبہ کے طواف کرنے کا شوق پیدا ہوتا تو وہ ہوا میں اُڑ کر فوراً مکہ شریف پہنچ جاتے۔ طواف کرتے اور اسی دن واپس آجاتے۔ حضرت شیخ احمد جام زندہ پیل بڑے مشہور ولیوں میں ہوئے ہیں انہوں نے جب خواجہ ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سُنی۔ تو آپ خواجہ مودود کے پاس چشت کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے دشمنوں نے آپ کے خلاف حضرت مودود چشتی کو یہ خبر پہنچائی کہ خواجہ احمد جام آپ کی ولایت پر قبضہ کرنے آرہے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی خواجہ مودود چشتی نے مراقبہ کیا اور چند لمحوں کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ شیخ احمد جام تو محبت و خلوص سے آرہے ہیں چنانچہ خواجہ نے فوری طور پر ایک دیوار کو حکم دیا کہ وہ گھوڑے کی طرح تیز دوڑ کر شیخ احمد جام کا استقبال کرے اور انہیں لائے۔ شیخ مودود چشتی چار ہزار اولیاء اور خلفاء کو لے کر استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ شیخ احمد جام شیر پر سوار ہو کر دریائے نوتنک کے کنارے پر کھڑے تھے۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ دونوں اپنی سواریوں سے نیچے آگئے اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ دیر تک بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ وہاں سے خواجہ علی حکیم جو خواجہ مودود چشتی کا معتقد تھا کے گھر تشریف لے گئے۔ تین دن تک مجلس سماع منعقد رہی۔ دونوں حضرات وجد میں جھومتے رہے۔ بے غیرت دشمنوں نے شیخ احمد کی تشریف آوری کی خبر دوسرے

اندازمیں پیش کی تھی۔ اب یہ لوگ موقع غنیمت جان کر مجلسِ سماع میں چلے آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ شیخ احمد جام کو تلوار سے ہلاک کر دیں۔ مگر اسی اثناء میں خواجہ مودود چشتی کی نگاہِ غضب ان پر ایسی پڑی کہ تمام بے ہوش ہو کر تڑپنے لگے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو شیخ احمد جام نے ان بے ہوشوں کی حالت دریافت کی تو حضرت خواجہ مودود نے سارا واقعہ سُنا دیا۔ شیخ احمد جام نے ان کا جرم معاف کر دیا۔ اُن کی پشت پر دستِ شفقت پھیرا تو اُن کو ہوش آیا۔ دونوں بزرگوں کے پاؤں پر گر پڑے۔ شیخ احمد جام حضرت خواجہ مودود دونوں خلوت میں رہے۔ دونوں حضرات نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ کچھ دنوں بعد اپنی اپنی خانقاہ کی طرف تشریف لے گئے۔

ہم یہاں بتا دینا چاہتے ہیں کہ نفحات الانس کے مصنف نے اس واقعہ کو دوسری طرح نقل کیا ہے۔ لیکن ہم نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ جب شیخ احمد جام سے رخصت لے کر چشت کی طرف لوٹے۔ تو راستے میں پہاڑ کے دامن میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو یا مودود کا ورد کر رہا تھا۔ اُس سے پُوچھا گیا تو اُس نے بتایا کہ میں ایک عرصہ سے نابینا تھا۔ ایک دن میں نے اللہ کی بارگاہ میں بینائی کے لئے دعا کی تو مجھے غیب سے آواز آئی کہ خواجہ مودود میرے محبوب ہیں اُن کے نام کا ورد کیا کرو۔ ایک وقت آئے گا کہ ان کی برکت سے بینائی مل جائے گی حضرت خواجہ مودود نے جب یہ بات سُنی۔ تو اپنا لعاب دہن اس کی آنکھوں پہ ملا۔ وہ اُسی وقت بینا ہو گیا۔

حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ جب بلخ میں پہنچے تو وہاں کے علماء نے آپ کی بڑی مخالفت کی۔ مسئلہ سماع پر مناظرہ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان اجلاس کیا۔

اس مجلس میں علمائے بلخ نے جتنے سوالات اُٹھائے حضرت خواجہ مودود نے اُن کے جواب دیئے۔ اور فرمایا ہم خواجہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی سنت پر قائم ہیں وہ ہمارے پیر تھے اور سماع سُنا کرتے تھے۔ علماء نے جواب میں کہا کہ خواجہ ابراہیم ادھم پیر کامل تھے۔ وہ ہوا میں اُڑا کرتے تھے۔ ان کا سماع سُننا جائز ہے مگر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ حضرت خواجہ مودود چشتی اُسی وقت مجلس سے اُٹھے اور تیز پرندے کی طرح ہوا میں پرواز کرنے لگے۔ علماء کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد واپس آئے اور مجلس میں آکر یوں بیٹھ گئے کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی اہل مجلس میں شور برپا ہو گیا۔ اِس مجلس میں دو ہزار لوگ موجود تھے تمام کے تمام آپ کے مرید ہو گئے۔ مگر اِس کے باوجود بعض ضدی علماء اصرار کرتے رہے کہ ہمیں اِس پرواز پر اعتبار نہیں۔ ایسا کام تو بعض جوگی بھی کر لیتے ہیں۔ ہم اس وقت مانے گے جب جامع مسجد کے حوض پر پڑا ہوا بڑا پتھر آپ کی ولایت کی گواہی دے۔ پھر ہم آپ کے مرید ہو جائیں گے۔ حضرت خواجہ نے انگشت شہادت سے پتھر کی طرف اشارہ کیا وہ پتھر اپنی جگہ سے ہلا اور لیٹے لیٹے حضرت خواجہ کے پاس آکر رُک گیا۔ پتھر سے آواز آئی۔ اے خواجہ مودود آپ کی ولایت پر کوئی شک نہیں۔ آپ کے اقوال شرع پیغمبر کے مطابق ہیں۔ بلخ کے علماء نے جب یہ کرامت دیکھی تو حضرت خواجہ مودود کے قدموں میں گر پڑے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔

یاد رکھیں کہ خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہزار مشہور خلفاء تھے۔ جن میں اکثر اولیاء کبار اور مشائخ والا تبار تھے۔ اگر ان کے اسماء گرامی لکھیں جائیں تو ایک علیحدہ کتاب درکار ہو گی۔ ہم تبرکاً یہاں صرف آٹھ بزرگوں کے نام لکھتے ہیں۔ پہلے آنجناب کے فرزند ارجمند خواجہ ابو احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین بنے اور طلباء حق کو تربیت کرتے رہے۔ دوسرے خواجہ حاجی شریف

زندنی رحمۃ اللہ علیہ تھے آپ قطب الوقت بھی تھے اور غوث زمانہ بھی تیسرے شاہ سنجان تھے جن کا پہلے نام خواجہ سنجان تھا پھر انہیں خواجہ بزرگوار کا خطاب ملا۔ چوتھے ابونصیر شکیبان زاہد تھے آپ سیطستان کے اکابر مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ پانچواں شیخ حسن تبتی ہیں جو پانچویں کو تبت میں سکونت رکھتے تھے چھٹے احمد بدرون تھے جو موضع بدرون میں سکونت پذیر تھے۔ ساتواں خواجہ سبز پوش آذربائیجانی تھے آٹھویں عثمان روحی تھے۔ آپ کو حضرت بایزید بسطامی کے سلسلۂ عالیہ سے بھی خلافت ملی تھی نویں خواجہ ابوالحسن بانی تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

جب حضرت خواجہ مودود رحمۃ اللہ علیہ مرض موت میں صاحب فراش ہوئے۔ روز بروز مرض بڑھتا جاتا تھا۔ وفات کے دن بار بار اپنے دروازے کی طرف دیکھتے تھے ہر بار سرہانے سے سر اُٹھاتے جیسے کسی بڑے پیارے کے آنے کا انتظار ہو۔ اسی اثناء میں ایک شخص نورانی چہرے اور پاکیزہ لباس کے ساتھ اندر آیا۔ سلام ادا کرنے کے بعد ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔ جس پر سبز خط سے چند سطریں لکھی ہوئی تھیں حضرت خواجہ نے اس کپڑے کو ایک نظر دیکھا اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور جان اللہ کے حوالے کردی۔ تجہیز و تکفین کے بعد لوگ نماز جنازہ ادا کرنے لگے تو ایک ہیبت ناک آواز آئی جس کی دہشت سے لوگ درہم برہم ہو گئے۔ بہت سے رجال الغیب پہنچے۔ پہلے انہوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ ان کے بعد جنّ اور دیو آنے لگے۔ پھر ہزاروں پری زاد پہنچنے شروع ہوئے۔ وہ نماز جنازہ پڑھتے جاتے اس کے بعد آپ کے بے شمار مرید خلفاء چھوٹے بڑے نماز جنازہ ادا کرتے رہے۔ جب سب لوگ فارغ ہوئے تو جنازے کا تابوت خود بخود اٹھا اور قبر تک جا پہنچا۔ اس کرامت کو دیکھ کر دس ہزار ایسے لوگ جو اسلام سے بیگانہ تھے مشرف با سلام ہوئے۔ حضرت خواجہ مودود چار سو تیس ۴۳۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور آپ یکم رجب المرجب ۵۲۵ھ

میں فوت ہوئے۔

صاحبِ مودود والی پیشوا ہم شہِ محمود دین مودود خواں

۵۲۷ھ ۵۲۷ھ

انتقال از سرور والا دعا رحلت آں بادشاہ اتقیاء

خواجہ احمد بن مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ اپنے والد خواجہ مودود کے خلیفہ تھے۔ بہت بڑے بزرگ اور قطب الوقت تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر تھے۔ آپ نے ایک بار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اے احمد تم ہمارے مشتاق ہیں ہو ہم تمہارے مشتاق ہیں۔ صبح ہوئی آپ نے تین چار دوستوں کو ساتھ لیا اور اس طرح گھر سے باہر نکلے جیسے انہیں کوئی جانتا ہی نہیں۔ اِس طرح حرمین شریف کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ پہلے مکہ معظمہ پہنچے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے چھ ماہ تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پہ بیٹھے رہے آپ کا اس طرح بیٹھنا وہاں کے مجاوروں کو گراں گزرا۔ انہوں نے چاہا ان کو تنگ کر کے حضور کے روضے سے دُور کر دیا جائے روضۂ منورہ سے آواز آئی کہ اس شخص کو تنگ نہ کیا جائے۔ یہ ہمارا مشتاق ہے اور ہم اس کے مشتاق ہیں۔ یہ آوازیں حاضرین نے سُنی۔ تو سب خاموش ہو گئے۔ بارگاہِ رسالت سے اجازت لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بغداد پہنچے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ نے آپ کی بڑی عزت و تکریم کی۔

شیخ احمد پانچ سو سات (۵۰۷) ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور پانچ سو ستر (۵۷۰) ہجری میں انتقال فرمایا آپ کا مزار گوہربار موضع چشت میں موجود ہے۔

شیخ دین احمد کہ در میراں چشت	بود کامل اہل حال و اہل قال
مہربان قطب زماں تولید اوست	عاشق احمد ولی داں انتقال

۵۰۷ — ۵۷۰ھ

خواجہ شاہ محمود سنجان قدس سرہٗ: آپ کا اسم گرامی محمود اور کنیت رکن الدین تھی آپ موضع سنجان خواف سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ کو شاہ اس لیئے کہا جاتا تھا کہ آپ کو اپنے پیر روشن ضمیر سے یہ لقب عطا ہوا تھا۔ کہتے ہیں۔ جب تک حضرت شاہ سنجان چشت میں قیام پذیر رہے۔ پیشاب تک نہیں کیا۔ اگر وضو توڑنے کی ضرورت پیش آتی۔ تو چشت کے حدود سے باہر نکل جایا کرتے تھے۔ وہاں ہی تازہ وضو کر کے حدود چشت میں داخل ہوا کرتے۔

آپ کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔

بجنت رفت چوں ازیں دیر خانی	معلّٰی شاہ عالی جاہ محمود
عیاں شد سال ترحیلش بسرور	زعالی زبدۂ دیں شاہ محمود

۵۹۷ھ

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ: آپ بڑے احوال عجبہ اور مقامات غریبہ کے مالک تھے آپ مقتدائے مشائخ اور پیشوائے ابدال تھے۔ آپ کا لقب نیر الدین تھا۔ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ چودہ سال کی عمر سے باوضو رہنے لگے۔ کپڑے پرانے اور پیوند شدہ پہنتے تھے۔ فقر و تجرید پر کاربند رہے۔ آپ کا روزہ بھی مسلسل روزہ تھا۔ تین روز کے بعد بے نمک سبزی سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اس سبزی میں یہ کمال تھا۔ کہ آپ کا تبرک کوئی اور کھاتا تو مجذوب ہو جاتا۔ اگر سماع سن لیتا تو اس قدر

روتا کہ بے ہوش ہو جاتا۔ اگر دنیا پرست ایک بار مجلس سماع میں شریک ہوتا۔ تو تارک الدنیا ہو جاتا تھا۔

ایک فکر مند فقیر جس کی سات بیٹیاں تھیں۔ اور غربت و افلاس کی وجہ سے سخت پریشان تھا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی۔ اگر آپ کی نگاہ فیضان سے میرے رزق میں کشادگی ہو جائے اور بیٹیوں کے نکاح سے فارغ ہو جاؤں تو ساری عمر دُعاگو رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تم کل آنا۔ کوئی تدبیر سوچیں گے۔ درویش چلا گیا۔ جاتے ہوئے راستہ میں اسے ایک یہودی سے ملاقات ہوئی۔ یہودی نے درویش سے پوچھا کہ تم کہاں گئے تھے۔ اس نے اپنی پریشانی۔ مشکلات کا مسئلہ حضرت حاجی صاحب کے کل آنے کا حکم اور دوسرے حالات سنائے۔ یہودی کہنے لگا۔ حاجی شریف تو خود محتاج اور تہی دست ہیں تمہاری کیا مدد کریں گے۔ تم حاجی صاحب کے پاس واپس جاؤ۔ اور انہیں کہو کہ فلاں یہودی نے کہا ہے کہ اگر خواجہ شریف سات سال میری خدمت کا وعدہ کریں تو میں آج ہی سات ہزار سرخ دینار دینے کو تیار ہوں وہ درویش واپس حاضر خدمت ہوا سارا واقعہ سنایا۔ حضرت حاجی صاحب نے سنتے ہی فرمایا مجھے منظور ہے۔ اور اُسی وقت اٹھ کر اس کے ساتھ یہودی کے پاس چلے گئے۔ سات ہزار دینار اس درویش کو دلا دیئے اور خود خدمت گزاری پر آمادہ ہو گئے۔ بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے حضرت خواجہ کی خدمت میں سات ہزار دینار بھیجے تاکہ یہودی کا قرضہ دے کر فارغ ہو جائیں۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ سات ہزار بھی غریبوں میں تقسیم کر کے فرمایا۔ میں نے یہودی کی سات سالہ نوکری کا عہد کیا ہے اب اس عہد سے پھرنا مناسب نہیں یہودی نے حضرت حاجی صاحب کی استقامت سُن کر اپنا قرضہ معاف کر دیا اور حضرت کو آزاد کر دیا۔ آپ نے یہودی کو فرمایا۔ کہ تم نے مجھے آزاد کیا ہے۔ میرا اللہ تمہیں آتش دوزخ سے آزاد کرے۔ یہودی یہ دعا سن کر مسلمان ہو گیا اور مقبولان

خُدا سے ہو گیا۔

سفینۃ الاولیاء کے مصنّف نے لکھا ہے کہ کسی شخص نے شہنشاہ سنجر کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا سنجر نے بتایا مجھے حکم دیا گیا کہ دوزخ کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے۔ عذاب کے فرشتے لیئے جا رہے تھے کہ آواز آئی شاہ سنجر کو چھوڑ دو۔ اس نے ایک دن حضرت خواجہ شریف زندنی کی مجلس میں نیازمندانہ حاضری دی تھی۔ اس مجلس کی برکت سے اسے بخش دیا گیا ہے۔ چنانچہ مجھے رہائی مل گئی۔

آپ کی وفات دس رجب المرجب چھ سو بارہ (۶۱۲) ہجری کو ہوئی۔ آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی۔

چون شریف از عالم دنیا برفت	سال وصل آں شہ والا حنیف
کن رقم مہتاب دین اہل دین	نیز کن تحریر حاجی شریف
۶۱۲ھ	۶۱۲ھ

خواجہ عثمانی ہارونی قدس سرہٗ

آپ کی ابونور کنیت تھی۔ طریقت اور شریعت کے علوم میں امام العصر تھے اشراف سے انقطاب اور مقتدائے اقطاب مانے جاتے تھے۔ آپ کو خواجہ حاجی شریف زندنی فقر و خلافت کا خرقہ پہنچا۔ آپ ہارون کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں نیشاپور کے نزدیک ہے آپ نے اپنی زندگی کے ستر سال ریاضت میں گزارے۔ ساری عمر طعام اور پانی پیٹ بھر کر نہ پیا۔ کئی کئی راتیں نہ سوتے۔ ان کی دعا بارگاہِ رب العزت سے کبھی رد نہ ہوئی تھی۔ کلامِ ربانی کے حافظ تھے۔ ہر روز ایک بار قرآنِ پاک ختم کرتے۔ اور سماع ذوق و شوق سے سُنتے۔

جس دن حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کو خرقہ خلافت ملا۔ تو آپ کے پیر

مرشد خواجہ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کلاہ چار ترکی بھی آپ کے سر پر رکھا اور فرمایا کہ اِس چار ترکی کلاہ سے مُراد چار چیزوں کو ترک کرنا ہے۔ پہلے ترک دینا دوسرے ترک عقبیٰ (اللہ کی ذات کے سوا کوئی بھی مقصود نہ ہوگا) تیسرے ترک کھانا اور سونا (مگر اتنا جس سے زندگی باقی رہے) چوتھا ترکِ خواہشِ نفس (یعنی جو کچھ نفس کہے اُس کے خلاف کیا جائے) جو شخص اِن چار چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اُسے ہی چار ترکی کلاہ پہننا ترتیب دیتا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے اپنے پیر کی اجازت سے دنیا کی بڑی سیر و سیاحت کی۔ ایک دن ایسے علاقے میں جا پہنچے۔ جہاں کے تمام لوگ آتش پرست تھے۔ اُنہوں نے ایک بہت بڑا آتش کدہ روشن کیا ہوا تھا۔ آپ اُسی شہر میں ٹھہر گئے اور اپنے خادم فخرالدین کو کہا کہ کہیں سے تھوڑی سی آگ لے آؤ تاکہ کھانا پکالیں۔ فخرالدین آتش پرستوں کے پاس گیا اور تھوڑی سی آگ مانگی۔ لیکن انہوں نے آگ دینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ آتش تو ہمارا معبود ہے۔ اِس آگ سے آگ دینا ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔ خادم نے وہیں آکر حضرت خواجہ کی خدمت میں صورتِ حال پیش کی حضرت خواجہ بذاتِ خود تشریف لے گئے۔ اور آتش پرستوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ معبود حقیقی تو اللہ کی ذات ہے آگ اس کی مخلوق ہے اور اُسی نے بنائی ہے۔ اس کی عبادت کرنا درست نہیں۔ اگر تم آتش پرستی سے توبہ کر لو۔ تو دوزخ کی آگ سے رہائی پاؤ گے۔ انہوں نے کہا اگر آتش پرستی سے توبہ کرنا آگ سے رہائی کی دلیل ہے تو پہلے تم آگ میں چلے آؤ۔ اگر آگ نے تم پر اثر نہ کیا تو ہم توبہ کر لیں گے۔ حضرت خواجہ نے یہ بات سن کر وضو کیا۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ اور آتش پرستوں کا ایک سات سالہ بچہ اٹھا کر بڑی تیزی سے آگ میں داخل ہو گئے۔ دو گھنٹے تک آگ میں رہے لیکن آگ نے حضرت خواجہ اور اُس چھوٹے بچے پر اثر نہ

کیا۔ اور صحیح سلامت باہر آ گئے۔ آتش پرستوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور حضرت خواجہ کے مرید بن گئے۔ حضرت خواجہ نے ان آتش پرستوں کے سردار کا نام عبداللہ رکھا اور چھوٹے بچے کا نام ابراہیم رکھا۔ اور انہیں مدارجِ اعلیٰ تک پہنچا دیا۔

ایک بار بادشاہِ وقت نے حضرت خواجہ کو سماع سننے سے منع کر دیا بلکہ شہر کے تمام قوالوں کو حکم دیا کہ اگر کوئی قوال کسی مجلس میں سماع کرے گا۔ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت خواجہ نے بادشاہ کو کہا کہ سماع ایسی چیز ہے جو ہمارے پیروں کی سُنت ہے۔ ہمیں سماع سے کوئی نہیں روک سکتا۔ سلطان نے کہا کہ پہلے سماع کے جواز میں علماء کرام کے ساتھ مناظرہ کریں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ چنانچہ شہر کے علماء کی ایک مجلس برپا کی گئی جس میں بادشاہ بھی شریک ہوا۔ حضرت خواجہ اُس محفل میں تشریف لائے۔ علماء نے چاہا کہ سماع کے متعلق حضرت خواجہ سے بات کریں۔ مگر وہ تمام کے تمام اپنے آپ کو بے علم محسوس کرنے لگے۔ جو کچھ وہ جانتے تھے۔ ان کے حافظے سے محو ہو چکا تھا حتیٰ کہ الف سے لے کر یا تک تمام حروف بھول گئے۔ بادشاہ نے بڑا زور لگایا۔ کہ علماء بات کریں۔ مگر وہ گفتگو سے عاجز نظر آتے تھے۔ آخر اس کے بغیر چارۂ کار نہ تھا انہیں اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑا۔ وہ آہ و زاری کرنے لگے۔ خدارا ہماری عمر کا حاصل شدہ علم برباد نہ کیا جائے آپ بزرگ ہیں اور سخی ہیں ہمارے حال پر رحم کریں اور اپنی نظرِ عنایت سے ہمارے علوم کو زندہ کر دیں۔ حضرت خواجہ نے ان کے گم شدہ علوم کو تو لوٹا دیا بلکہ ان پر باطنی علوم کے دروازے کھول دیئے اس واقعہ کو دیکھ کر تمام علماء حضرت خواجہ کے مرید ہو گئے۔ بادشاہ بھی پشیماں ہوا اور معذرت کرنے لگا۔ اور اُس کے بعد کبھی سماع کی ممانعت نہ کی۔

خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں کہ ایک دن اپنے پیر و مرشد خواجہ

عثمان ہارونی کے ہمرقاب ہو کر دریا کے کنارے پہنچا۔ اتفاقاً اس وقت کوئی کشتی نہ تھی حضرت خواجہ نے مجھے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو۔ پھر ایک لحظے کے بعد فرمایا کہ اب کھول لو۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں میں اور حضرت خواجہ دریا کے دوسرے کنارے کھڑے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اتنا عرصہ ہوا کہ میرا لڑکا گم ہو گیا ہے۔ مجھے کوئی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے مہربانی فرما کر توجہ فرمائیں۔ حضرت خواجہ نے یہ بات سُنی اور مراقبے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور فرمایا کہ تمہارا لڑکا گھر پہنچ گیا ہے۔ وہ شخص گھر گیا لڑکے کو گھر پر موجود پایا۔ وہ خوشی میں لڑکے کو ساتھ لے کر اُسی وقت حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکریہ ادا کیا۔ حاضرین نے لڑکے سے دریافت کیا کہ تم کیسے گھر پہنچ گئے۔ اس نے کہا میں جزائر الہند کے ایک جزیرے میں موجود تھا۔ آج ایک ایسے بزرگ جن کی صورت حضرت خواجہ سے ملتی جلتی ہے میرے پاس تشریف لائے مجھے کہا اُٹھو۔ میرے پاؤں پر پاؤں رکھو اور آنکھیں بند کر لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میری آنکھیں کھلیں میں گھر میں موجود تھا۔

ایک دن آدھی رات کے وقت شہر کے چار جاہل آدمی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور خواجہ عثمان ہارونی کی کرامت کا ذکر کر رہے تھے۔ سب یہ کہنے لگے کہ ہم ابھی خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاتے ہیں اور کسی کرامت کا مطالبہ کرتے ہیں اگر انہوں نے کرامت دکھا دی تو ہم مرید ہو جائیں گے۔ چلتے وقت ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ کھانے کی خواہش دل میں رکھی جو رات کے وقت تیار نہ ہو سکے حضرت خواجہ کی مجلس میں جا پہنچے آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ راہ راست کی ہدایت دیتا ہے تمام کو اپنے سامنے بیٹھا لیا۔ اور بسم اللہ پڑھ کر

اپنے ہاتھ اٹھائے۔ اُسی وقت کھانے کا ایک خوان آسمان سے اُترا جس میں ستّر قسم کے کھانے موجود تھے۔ آپ نے ہر ایک کو جُدا جُدا کھانا تقسیم کیا۔ جو ان کی دلی خواہش کے عین مطابق تھا۔ اِن جاہلوں نے آپ کی کرامت دیکھی تو دل و جان سے معتقد ہو گئے اور مرید بن گئے۔

یاد رہے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے چار خلفاء تھے۔ پہلے خواجہ معین الحق والدین سنجری۔ دوسرے خواجہ نجم الدین صغریٰ۔ تیسرے شیخ سعدی لنگوی۔ چوتھے خواجہ محمد ترک رحمۃ اللہ علیہم۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی پنجم ماہِ شوال چھ سو سترہ ہجری ٦١٧ میں فوت ہوئے۔ جب آپ کی عمر اکانویں ٩١ سال تھی۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں	شیخ عثمان مقتدائے اولیا
سال وصلش قطب وقت آمد عیاں	جلوہ گر شد نیز تاج الاصفیاء
٦١٧ھ	٦١٧ھ

خواجہ خواجگان معین الحق والدین حسن السجزی اجمیری قدس سرہٗ

آپ مشائخ چشت کے اعلیٰ مشائخ اور اولیاء میں مانے جاتے ہیں۔ ریاضت اور کرامت میں شہرۂ آفاق ہوئے اور ولائیت کے اوصاف میں موصوف تھے عظیم الشان اور رفیع المقام تھے۔ صحیح النسب سادات میں سے تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ عثمانی ہارونی قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت ملا تھا۔ اور سلسلہ چشتیہ کو برصغیر پاک و ہند میں امام الطریقت کی حیثیت سے رائج کیا۔ آپ کی تشریف آوری سے اس ملک میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو بعض مفکرین اسلام نے ہند النبی اور ہند الولی کے خطابات سے یاد کیا تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ساٹھ سال تک یہی معمول رہا۔ آپ کی جس پر نگاہ لطف

پڑتی خدا رسیدہ بنا دیتی تھی۔ سات دن بعد خشک روٹی کو پانی میں بھگو کر افطار فرمایا کرتے تھے۔ اور اپنا لباس دوہرا بخیہ شدہ پہنا کرتے تھے۔ اگر پھٹ جاتا تو پیوند لگا لیتے تھے۔

آپ کا اصلی وطن سجستان تھا۔ اور آپ کا سلسلہ نسب پدری یوں ہے خواجہ معین الدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن امام علی رضا۔ بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کے والد گرامی سید غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ عراق میں فوت ہوئے تھے۔ اور ان کا مزار وہاں ہی ہے۔ آپ کی والدہ کا اسم گرامی خاص الملکہ تھا۔ جو اصفہان کی رہنے والی تھیں۔ مگر آپ نے خراسان میں پرورش پائی۔ جب آپ کی عمر گیارہ سال ہوئی۔ تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔

سید غیاث الدین قدس سرہٗ کے تین بیٹے تھے۔ تینوں کو والد کا ورثہ ملا تھا حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کو ورثہ میں ایک وسیع باغ ملا تھا۔ آپ باغ میں تشریف فرما تھے۔ کہ آپ کے پاس قلندر ابراہیم نامی مجذوب آ پہنچا۔ حضرت خواجہ نے اس کی بڑی تعظیم کی۔ اور اُٹھ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور ایک درخت کے سایہ میں بٹھایا انگور کا ایک خوشہ پیش کیا قلندر نے انگور کی طرف تو رغبت نہیں کی۔ مگر اس نے اپنے تھیلے سے تھوڑا کنجارہ نکال کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور دانتوں سے چبا کر حضرت خواجہ کے منہ میں رکھا۔ حضرت خواجہ نے اسے چکھا ہی تھا۔ کہ آپ کے دل میں انوار الہٰیہ اترنے لگے۔ اور دنیا کی خواہشات دل سے ختم ہونے لگیں۔ تھوڑے دنوں میں باغ کو بیچا۔ اور رقم غریبوں میں تقسیم کر دی۔ اور طلب خداوندی کے لئے اپنے شہر کو چھوڑ کر سفر کو روانہ ہوئے اور سمرقند جا پہنچے۔ وہاں قرآن پاک حفظ کیا۔ ظاہری علوم حاصل کئے۔ فراغت علوم کے لئے عراق کو روانہ ہوئے اور قصبہ ہارون میں جا پہنچے۔ یہ قصبہ نیشاپور کے قریب

تھا۔ ان دنوں وہاں خواجہ عثمان قدس سرہٗ روحانی تربیت میں مشغول تھے آپ مرید ہوئے۔ اور کئی سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ اور خدمت روحانی سرانجام دیتے رہے۔ باطنی امور کی تکمیل کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا اور پھر بغداد کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں قصبہ سنجان آتا ہے۔ ان دنوں وہاں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ تشریف فرما تھے۔ ان کی صحبت سے فیض یاب ہو کر کوہ جودی (جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی) پر گئے۔ کوہ جودی سے بغداد جاتے ہوئے جیلان کا قصبہ آتا ہے۔ ان دنوں جیلان میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی جلوہ فرما تھے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کچھ دن حضرت غوث الاعظم کی مجالس میں رہے۔ پھر آپ کے ہمرکاب بغداد پہنچے۔ ان دنوں بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے پیرومرشد شیخ ضیاء الدین قدس سرہٗ موجود تھے۔ حضرت خواجہ نے ان کی مجالس میں کچھ وقت گزارا۔ اسی مقام پہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات ہوئی اسی سفر میں حضرت خواجہ محبوب سبحانی خواجہ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ملاقات ہوا۔ پھر خرقہ خلافت بھی ملا۔ وہاں سے رخصت ہو کر ہمدان آئے۔ ہمدان میں حضرت خواجہ ابویوسف ہمدانی قدس سرہٗ سے استفادہ کیا۔

ہمدان سے نکل کر آپ نے تبریز کا رُخ کیا۔ تبریز میں ان دنوں حضرت ابوسعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ جلال الدین تبریزی کے پیرومرشد تھے۔ جلوہ فرما تھے۔ حضرت خواجہ نے ان کی صحبت سے فائدہ حاصل کیا۔ وہاں سے اصفہان پہنچے کچھ عرصہ حضرت محمود اصفہانی قدس سرہٗ کی صحبت سے استفادہ کرتے رہے۔ اس روحانی سفر اور نورانی بزرگوں کی ملاقات کے بعد آپ کو ہندوستان کی طرف جانے کا خیال آیا۔ راستہ میں آپ کی ملاقات خواجہ ابوسعید مہندی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ وہاں سے استرآباد آ کر حضرت خواجہ ناصر الدین استرآبادی کی مجالس میں قیام فرماتے رہے۔

خواجہ ناصر الدین اپنے وقت کے عظیم القدر شیخ اور کامل الولایت بزرگ تھے۔ آپ خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ ان دنوں آپ کی عمر ایک سو ستائیس سال ہو چکی تھی یہ وہ بزرگ تھے۔ جن کی صحبت میں حضرت ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہما جیسے نامدار بزرگ بھی استفادہ کرتے رہے تھے وہاں سے چل کر غزنین میں تشریف لائے۔ وہاں شیخ العارفین شیخ عبدالواحد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس سے استفادہ کیا۔ شیخ عبدالواحد غزنوی پیر شیخ نظام الدین ابوالموید کی صحبت سے مستفیض ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین ان سفروں میں مختلف اولیائے وقت سے استفادہ کرتے رہے۔ ان ممالک کے اولیائے کبار کی مجالس سے مستفیض ہونے کے بعد آپ نے ہندوستان کا رُخ کیا۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر اجودھنی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جن دنوں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اصفہان میں تشریف لائے۔ تو خواجہ محمود اصفہانی کو ملے۔ انہی دنوں قطب الاقطاب بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت قطب الاقطاب کی خواہش تھی کہ خواجہ محمود اصفہانی سے بیعت ہوں۔ مگر جب خواجہ معین الدین کو دیکھا۔ تو بیعت کے لئے استدعا کی اور مرید بن گئے۔ وہاں سے دونوں بزرگ ہرات پہنچے۔ ہرات میں ان دنوں یادگار نامی حاکم حکومت کر رہا تھا۔ وہ اعتقادی طور پر امامیہ شیعہ تھا۔ وہ نہایت اہتمام کے ساتھ صحابۂ رسول کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ وہ یہاں تک سخت شیعہ تھا کہ اس کی رعایا میں اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام ابوبکر یا عثمان یا عمر رکھ لیتا۔ تو وہ اُسے قتل کر دیتا تھا۔ حضرت خواجہ وہاں پہنچے تو اتفاق سے محمد یادگار کے خاص باغ میں قیام پذیر ہوئے۔ اندر ایک حوض تھا۔ آپ اس حوض کے کنارے رہنے لگے۔ ایک دن محمد یادگار اپنی سیر کو آیا۔ تو حضرت خواجہ کو حوض کے کنارے دیکھ کر غضب ناک ہو گیا۔ ابھی وہ آپ کو وہاں

سے نکالنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت خواجہ کی نگاہیں اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ فوراً ہی آپ کے پاؤں پر آگرا اور بے ہوش ہو کر تڑپنے لگا۔ حضرت خواجہ نے اُسے اِس حالت میں دیکھا تو حوض سے پانی لے کر اس کے چہرے پر چھینٹیں ماریں تو وہ ہوش میں آگیا۔ حضرت خواجہ کی نگاہ اور پانی کی چھینٹوں کا یہ اثر ہوا کہ اُس کے دل سے صحابۂ کرام کے بغض دُھل گئے۔ اور مذہب شیعہ کے عقیدے سے تائب ہو گیا اور اپنے دربار کے امراء اور اراکین کو لے کر حضرت خواجہ کا مرید بن گیا۔ اپنا تمام مال اور خزانہ حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا یہ سارا مال تمہارا ہے۔ بلکہ ان لوگوں کا ہے جن سے تم نے ظلم و ستم کر کے چھینا ہے۔ بہتر یہی ہے یہ سارا مال ان کو واپس کر دیا جائے۔ اپنے ملک غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کر دو۔ تاکہ تمہیں خداشناسی کا موقعہ ملے۔ وہ کچھ دنوں حضرت خواجہ کے زیرِ تربیت رہا اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے اسے ہرات کی ظاہری اور باطنی خلافت پر مامور فرما دیا۔

ہرات سے چل کر حضرت خواجہ بلخ پہنچے۔ چند دن شیخ احمد خضرویہ کے پاس ٹھہرے وہاں ایک ضیاء الدین نامی حکیم تھا۔ جو بڑا ہی مغرور اور حکمت میں مشہور تھا۔ وہ اولیاء اللہ اور درویشوں کا منکر تھا۔ ایک دن حضرت خواجہ دامن کوہ کی ایک وادی میں جا پہنچے۔ اور ایک کلنگ کو اپنے تیر کا نشانہ بنا کر آگ میں کباب بنا رہے تھے کہ حکیم ضیاالدین بھی اتفاقاً اِدھر آنکلا۔ وہ حضرت خواجہ کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے بھنے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا حکیم کو بھی دیا۔ وہ کھاتے ہی زمین پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد نہایت اخلاص کے ساتھ مرید ہو گیا اور حکمت کی ساری کتابیں دریا میں پھینک دیں۔ بلخ سے دو بار غزنین آئے۔

ہم اس سے پہلے شمس العارفین کی شہرت کا ذکر کر چکے ہیں۔ آپ وہاں سے چلے تو لاہور پہنچے۔ لاہور میں دس ماہ تک مخدوم علی ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے

مزار پُر انوار پر اعتکاف فرمایا۔ آپ کے مزار سے آپ نے بے پناہ باطنی فوائد حاصل کئے۔ لاہور سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے۔ کچھ دن دہلی قیام فرما کر دسویں محرم پانچسو اکسٹھ ہجری کو دارالخیر اجمیر میں رونق افزاء ہوئے۔

اجمیر میں سب سے پہلے جس شخص نے شرفِ ارادت حاصل کیا وہ میر سید حسین خنگ سوار تھے آپ پہلے شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں تائب ہو کر آپ کے مرید ہو گئے اور اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔ میر سید حسین کے مرید ہونے کے بعد ہزاروں چھوٹے بڑے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہونے لگے۔ ان میں سے اکثر لوگ غیر مسلم تھے جو اسلام سے مشرف ہو کر حضور کے مرید بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرزمین ہندوستان میں اسلام کی شمع اسی خاندانِ عالی شان کے طفیل روشن ہوئی۔

اجمیر میں ایک شخص حضرت خواجہ معین الدین کی خدمت میں رہتا ہوا حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ اس علاقے کے ظالم حاکم نے میرے بیٹے کو بغیر کسی گناہ اور جرم کے قتل کر دیا ہے۔ میں آپ سے امداد کا خواستگار ہوں اور انصاف کا امیدوار ہوں حضرت خواجہ نے جب یہ بات سُنی تو اپنی جگہ سے اُٹھے۔ مقتول کی لاش کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اے نوجوان اگر ظالم حاکم نے تجھے ناحق قتل کر دیا ہے تو اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاؤ۔ مقتول نے اُسی وقت حرکت کی اور زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھا۔

حضرت خواجہ معین الدین پہلی بار اجمیر پہنچے تو شہر کے باہر ایک ایسے درخت کے نیچے قیام فرما ہوئے جہاں اجمیر کے راجے کے اونٹ بیٹھا کرتے تھے۔ رات کو اجمیر کے راجہ کے اونٹ آئے۔ ساربانوں نے حضرت خواجہ کو بتایا کہ یہ جگہ راجہ کے سرکاری اونٹوں کے لئے مقرر ہے۔ آپ کہیں اور تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا ہم تو چلے جاتے ہیں۔ تم لوگ اونٹوں کو بٹھالو۔ آپ وہاں سے اُٹھ کر اناساگر کے حوض کے کنارے جا بیٹھے۔ اِس حوض کے اِرد گرد کئی بُت خانے بنائے گئے

تھے۔ رات گزر گئی۔ صبح ساربانوں نے کوشش کی کہ اونٹوں کو اٹھائیں مگر کوئی اونٹ اُٹھنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے سینے زمین کے ساتھ پیوست ہو چکے تھے۔ ساربانوں نے جان لیا کہ یہ اُس فقیر کی بددعا کا نتیجہ ہے جسے ہم نے اٹھا دیا ہے وہ تمام حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سارا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا کہ جاؤ اب اللہ تعالیٰ نے اونٹوں کو اُٹھنے کا حکم دے دیا ہے۔

ساربان جب واپس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سارے اونٹ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ اسلام کے دشمن جمع ہوئے اور اجمیر کے راجے کے پاس شکایت کی۔ اور کہا۔ یہ ایک بیگانہ آدمی ہمارے بُت خانے کے پاس سکونت بنائے بیٹھا ہے۔ چونکہ اس کا مذہب غیر مذہب ہے ہم وہاں نہیں جا سکتے اُس کو وہاں سے جانے کا حکم صادر فرمائیں۔ اجمیر کے راجہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس فقیر کو تالاب کے کنارے سے اُٹھ کر ملک سے باہر کر دیا جائے۔ راجہ کے سپاہی خاصی تعداد میں پہنچے۔ حضرت خواجہ کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ نے مٹی کی مٹھی اٹھائی اور آیت الکرسی پڑھ کر ان کی طرف پھینکی۔ اُن لوگوں کے جسم خشک ہو گئے۔ اور جہاں جہاں وہ تھے وہاں ہی پتھر بن گئے۔ جو دُور تھے وہ دیکھ کر بھاگ گئے۔

دوسرے دن اجمیر کے ہندو اپنے بت خانے کی پوجا کے لئے تالاب کے کنارے پر پہنچے۔ ان کا مہنت رام دیو بڑی تعداد لے کر وہاں پہنچا اور حضرت خواجہ کی طرف آگے بڑھا۔ یونہی وہ نزدیک آیا کانپنے لگا۔ اس کے دل میں اتنی دہشت پھیلی کہ وہ اپنی زبان سے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے آپ کا مرید ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ میں جو لکڑی یا پتھر آیا اُسے اُٹھا کر ہندوؤں کی طرف پھینکا اور انہیں پریشان کر کے بھگا دیا۔ حضرت خواجہ نے رام دیو کی یہ خدمت دیکھی تو پانی کا ایک پیالہ بھر

کر اُسے پینے کو کہا۔ پانی پیتے ہی اُس کے دل کا شیشہ صاف ہو گیا اور اس کا چہرہ چمکنے لگا اور صدقِ دل سے آپ کا مرید بن گیا۔ حضرت خواجہ نے اُس کا نام شادی دیو رکھا اور اپنی تربیت میں لے لیا۔ شادی دیو ہندی زبان میں مسرت بخش کو کہتے ہیں۔ اِس کرامت کے واقعہ ہونے کے بعد اجمیر کے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ یہ شخص بہت بڑا جادوگر ہے اور اس کے مقابلے میں کسی بڑے جادوگر کو بلانا چاہیئے راجہ اجمیر نے جوگی جے پال کو جو جادوگری کے فن میں سارے ہندوستان میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا بلایا۔ اور حکم دیا کہ اپنے جادو کے زور سے اس شخص کو شکست دی جائے۔

جے پال ایک ہزار پانچ سو جادوگروں کو لے کر اجمیر پہنچا۔ اور راجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اب ہم اُس سے مقابلہ کریں گے۔ جے پال کی قیادت میں اتنے جادوگر حضرت خواجہ معین الدین کے پاس پہنچے آپ اٹھے۔ تازہ وضو کیا اپنی لاٹھی کے ساتھ اپنے تمام ساتھیوں کے اِرد گرد ایک لکیر کھینچی اور اعلان کیا کہ انشاءاللہ اس لکیر کے اندر ہمارے کسی دشمن کو آنے کی جراُت نہ ہو گی۔ چنانچہ جونہی کسی نے اُس لکیر سے آگے بڑھنے کی جراُت کی وہ منہ کے بل گر پڑا۔ ناچار وہ لوگ واپس ہو گئے اور اناساگر کے حوض کے کنارے پر بیٹھ گئے اُن کی اس حرکت کا مطلب یہ تھا کہ حضرت خواجہ کا کوئی ساتھی حوض سے پانی نہ لے سکے۔ چنانچہ پانی کو بند کر دیا گیا۔ حضرت خواجہ نے شادی دیو نومسلم کو حکم دیا کہ وہ آگے جا کر کسی طرح حوض کے پانی سے ایک پیالہ بھر لائے۔ وہ اُٹھا اور حوض کے پانی سے ایک پیالہ بھر لایا۔ اس پانی کے پیالے میں سارے حوض کا پانی سمٹ گیا۔ اور حوض خالی ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اِس حوض میں کبھی پانی تھا ہی نہیں۔ حضرت خواجہ کے تمام مرید اسی پیالے سے پانی پیتے وضو کرتے لیکن پانی کم نہ ہوتا۔ دوسری طرف حوض کو پانی سے خالی پا کر تمام جادوگر تنگ

آ گئے۔ بعض تو پیاس کی وجہ سے ہلکان ہو گئے۔ جے پال خود اٹھا اور اس لکیر کے کنارے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہنے لگا۔ کہ اللہ کی مخلوق پیاس سے مر رہی ہے تم اپنے آپ کو فقیر کہتے ہو۔ فقیر تو رحم دل اور سخی ہوتا ہے۔ اب دادرسی کا تقاضا ہے کہ بندوں کے لئے پانی کھول دیا جائے۔ حضرت خواجہ نے جے پال کی یہ بات سنی اور شادی دیو کو حکم دیا کہ یہ پانی کا پیالہ تالاب میں انڈیل دیا جائے۔ جونہی پیالہ تالاب میں ڈالا زمین میں جوش آیا اور تالاب لبالب بھر گیا۔

اب جادوگروں نے اکٹھے ہو کر جادوگری کا آغاز کر دیا۔ خواجہ صاحب کے ساتھیوں کو یوں دکھائی دیتا تھا کہ پہاڑ کی چوٹیوں سے ہزاروں اور لاکھوں سانپ اُس لکیر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جونہی کوئی سانپ لکیر تک پہنچتا تو اپنا سر لکیر پر رکھ دیتا جے پال یہ دیکھ کر بڑا پریشان ہوا۔ اب اُس نے جادوگروں کو کہا کہ آسمانوں سے آگ برسا دو۔ دیکھتے ہی دیکھتے اتنی آگ برسی کہ سارا جنگل انگاروں اور شعلوں سے بھر گیا۔ ہزاروں درخت آگ میں جلنے لگے۔ لیکن اللہ کی مہربانی سے اس دائرے کے اندر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جادوگروں نے جب یہ بات دیکھی کہ اُن کے اردگرد کا سارا علاقہ جل گیا ہے۔ مگر حضرت خواجہ کے دوستوں کو آنچ تک نہیں آئی تو جے پال کو کہنے لگے کوئی اور کام کرنا چاہیئے۔ جے پال کے سر پر ہرن کے چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہوا میں پھینکا اور چھلانگ لگا کر اُس میں سوار ہو گیا اور آسمان کی طرف پرواز کرتا نظر آنے لگا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ حضرتِ خواجہ نے جے پال کو اس طرح اُڑتے ہوئے دیکھا تو فوراً اپنے جوتوں کی طرف نگاہ کی اور فرمایا کہ جاؤ اور جے پال کو بدترین حالت میں واپس لاؤ۔ دونوں جوتے ہوا میں اُڑے اور جے پال کے سر پر کھڑکنے لگے۔ جے پال کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔ نڈھال ہو کر رونے لگا اور اپنا سر حضرت خواجہ کے قدموں میں رکھ دیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور مرید

ہو گیا۔ اس نے التجاء کی کہ میں قیامت تک زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے دعا کی اور فرمایا جاؤ تمہیں دائمی زندگی مل گئی ہے۔ لیکن لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہو گے۔ یہ بات مشہور ہے کہ جے پال ابھی تک اجمیر کے پہاڑوں میں چھپا ہوا ہے جو ہر جمعرات حضرت خواجہ کے روضئے کی زیارت کو آتا ہے۔

اجمیر کے راجہ نے جے پال کو شکست خوردہ دیکھ کر شادی دیو کی طرح اس سے بھی مایوس ہو گیا۔ تو شہر میں واپس چلا آیا اور دل میں عہد کر لیا کہ اب حضرت خواجہ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ کچھ دنوں بعد حضرت خواجہ بھی اجمیر شہر کے اندر تشریف لے آئے اور ایک مکان میں رہنے لگے۔ یہ مکان اسی جگہ واقع تھا۔ جہاں ان دنوں آپ کا مزار ہے۔ ایک دن خواجہ اجمیری نے اجمیر کے راجہ کو پندو نصایح کی اور ترغیب دی کہ راجہ اسلام قبول کر لے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس کے اسلام لانے سے مایوس ہو کر فرمایا۔ ؎

گلیم بخت کسے را کہ با فتند سیاہ
بہ آب کوثر ہر گز سفید نتواں کرد

آپ نے اعلان کیا کہ تم نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اب لشکر اسلام آئے گا اور اجمیر پہ حملہ کرے گا۔ کچھ دن گزرے ہی تھے کہ سلطان شہاب الدین غوری مختصر سا لشکر لے کر ہندوستان پہ حملہ آور ہوا۔ اس نے اجمیر پہ زبردست یلغار کی اور اس جنگ میں راجہ اجمیر کو قتل کر دیا گیا۔ مگر راجہ پتھورا کو زندہ گرفتار کر لیا۔ راجہ پتھورا ان دنوں دہلی کا حکمران تھا۔ اور راجہ اجمیر اس کے ماتحت اجمیر کا حکمران تھا

یہ بات عام مشہور ہے۔ کہ جن دنوں لشکر اسلام کی ہندوستان میں آمد ہوئی تو ان دنوں رائے پتھورا اجمیر میں آیا ہوا تھا۔ رائے پتھورا کے ملازموں نے ایک مسلمان کو تنگ کیا۔ یہ مسلمان حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مرید خاص تھا۔ وہ فریادی

بن کر حضرت خواجہ کے حضور آیا۔ حضرت خواجہ نے راجہ پتھورا کو سفارش کی اس غریب کی داد رسی کی جائے۔ مگر راجہ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ حضرت خواجہ اس بات پر سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا۔ ہم نے راجہ پتھورا کو زندہ گرفتار کرا دیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سلطان قطب الدین بیگ ۶۰۲ھ میں دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اور اسی سال راجہ پتھورا کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ایک دن حضرت خواجہ اجمیر کے نواح میں جا رہے تھے۔ شیخ علی نامی مرید آپ کے ہم کاب تھا وہاں ایک شخص آیا۔ اس نے آتے ہی شیخ علی کو پکڑ لیا۔ اور کہا کہ میرا قرضہ ادا کرو ورنہ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا یہ صورت حال دیکھی تو حضرت خواجہ نے بڑی انکساری اور نرمی سے قرض خواہ کو کہا۔ کہ تم اسے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ یہ قرض ادا کر دے گا حضرت خواجہ کی اس نرمی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ شخص نہایت بے ادبی سے بولا۔ اگر اس کی سفارش اتنی ہی اچھی لگتی ہے تو مجھے اپنی جیب سے قرض دے دو اس کی یہ بات سن کر حضرت خواجہ کو غصہ آ گیا۔ اور اپنی چادر زمین پر بچھا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس چادر پر درہم و دینار برسنے لگے۔ آپ نے اس بے ادب قرض خواہ کو کہا۔ تم اپنا قرضہ اٹھا لو۔ مگر اپنے حق سے زیادہ نہ لینا۔ وہ شخص آگے بڑھا۔ اور لالچ کرتے ہوئے اپنے حق سے مزید رقم اٹھانے لگا۔ مگر اس کا ہاتھ اسی وقت خشک ہو گیا اب چلانے لگا توبہ کر کے حضرت خواجہ کے قدموں میں گر پڑا۔ حضرت نے دست شفقت پھیرتے ہوئے اسے معاف کر دیا اور اس کا ہاتھ تندرست ہو گیا۔

یہ بات از روئے تحقیق درست قرار دی گئی ہے کہ حضرت خواجہ کی دو اہلیہ تھیں۔ ایک تو سید وجیہہ الدین جو حضرت خنگ سوار کے ماموں تھے۔ کی بیٹی تھیں۔ ان کے والد بزرگوار نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے باطنی حکم سے آپ

سے نکاح کر دیا تھا۔ اس بی بی کا اسم گرامی بی بی عصمت تھا۔ ان کے بطن سے تین بیٹے ہوئے تھے۔ خواجہ ابو سعید خواجہ فخر الدین خواجہ حسام الدین قدس سرہم۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت لاولد تھے۔ ان کی بات قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ حضرت سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ فرید قدس سرہٗ اپنے دادا کی زبانی لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلام کو مخاطب کر کے فرمایا۔ حمید الدین جن دنوں میں جوان اور توانا تھا۔ اور ابھی میری اولاد نہیں تھی۔ میں اپنے اللہ سے جو کچھ طلب کیا کرتا تھا۔ بلا تکلف مل جایا کرتا تھا۔ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور مجھے اللہ نے اولاد (فرزند) بھی عطا فرمائے ہیں میرا مقصد دعاؤں اور نداؤں سے حاصل ہو جاتا ہے حمید الدین نے عرض کیا۔ حضور آپ پر یہ بات تو واضح ہے کہ جب تک حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت مریم کے بطن سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ آپ کو بے موسم میوئے میسّر آیا کرتے تھے۔ یہ میوے بے تکلف اور بلا استدعا ملا کرتے تھے۔ جب حضرت عیسٰی علیہ اسلام پیدا ہوئے تو حضرت مریم رزق کا انتظار فرمایا کرتی تھیں۔ اور حکم ہوتا تھا۔ کہ ان کھجوروں کی شاخوں کو ہلائیں تاکہ تازہ کھجوریں گریں۔ تو آپ شاخوں کو ہلاتیں تو تازہ کھجوریں گرتی تھیں آپ کے ساتھ بھی سابقہ ایام زندگی اور آج کے حالات میں اتنا فرق ہے حضرت خواجہ معین الدین نے یہ جواب سُن کر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔

تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے بیٹے ابو سعید کی عمر پچاس سال ہوئی تھی کہ اللہ نے انہیں دو بیٹے عنایت فرمائے۔ آپ کے دوسرے بیٹے فخر الدین بڑے بزرگ اور صاحب نعمت بزرگ تھے وہ حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے بیس سال بعد تک زندہ رہے اور ستر

سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ان کے پانچ بیٹے تھے۔ وہ قصبہ سروار جو اجمیر سے سولہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ فوت ہوئے تھے۔ آپ کا مزار بھی وہاں ہی ہے۔

خواجہ حسام الدین حضرت خواجہ کے بیٹے کہیں گم ہو گئے تھے۔ وہ ابدالوں کی مجالس میں مل گئے تھے اس وقت آپ کی عمر تینتالیس سال تھی۔ ان کے سات بیٹے تھے ان میں سے خواجہ حسام الدین سوختہ بڑے صاحب کرامت بزرگ ہوئے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بدایونی آپ کے احباب میں سے تھے۔ آپ کی قبر اجمیر سے مغرب کی طرف قصبۂ سائرہ میں ہے۔

حضرت خواجہ کی دوسری بیوی ہندوستان کے راجاؤں میں سے ایک راجہ کی بیٹی تھی قلعہ بٹیلی کا حاکم جس کا نام ملک خطاب تھا نے ہندوؤں کے ایک علاقہ پہ حملہ کیا۔ بہت سے ہندو مارے گئے اور راجہ کی بیٹی کو گرفتار کر لیا اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی۔ آپ نے اسے قبول فرماتے ہوئے اس سے نکاح کر لیا۔ اور اس کا اسلامی نام امۃ اللہ رکھا۔ اس عفت مآب بی بی کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام حافظہ جمال تھا۔ یہ بڑی عابدہ، زاہدہ اور پارسا تھی۔ آپ کو اپنے والد سے بڑی ارادت تھی۔ آپ نے اسے روحانی تربیت دی اور خرقہ خلافت سے بھی نوازا۔ اور اسے مستورات کی ہدایت اور تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔ چنانچہ ہندوستان میں ہزاروں عورتیں آپ کی کوششوں سے قرب الٰہی کے درجہ کو پہنچیں۔ حافظہ جمال کے خاوند کا اسم گرامی شیخ نقی الدین تھا۔ بی بی حافظہ جمال کا مزار حضرت خواجہ کے مزار کے پہلو میں ہے۔ اس بیٹی کے علاوہ آپ کی اس بیوی امۃ اللہ کے دو بیٹے بھی پیدا ہوئے۔ مگر دونوں شیر خوارگی کی حالت میں فوت ہو گئے۔

یاد رہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بے شمار خلفاء

تھے۔ اور لاکھوں لوگ فیض یاب ہوئے۔ ہم تبرکاً چند خلفائے معروف کے اسمائے گرامی لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اوّل قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ۔ دوم خواجہ فخر الدین (حضرت کے بیٹے) تیسرے شیخ حمید الدین ناگوری صوفی۔ چہارم شیخ وجیہ الدین۔ پنجم شیخ حمید الدین صوفی (آپ کا لقب سعد بن زید تھا اور آپ کا نسب عشرہ مبشرہ سے جا ملتا ہے) ششم خواجہ برہان الدین عرف بدو۔ ہفتم شیخ احمد ہشتم شیخ محسن نہم خواجہ سلیمان غازی۔ دہم شیخ شمس الدین یازدہم خواجہ حسن خیاط دوازدہم جے پال جوگی المعروف عبداللہ (آپ کو حضرت خواجہ کی دعا سے جاودانی زندگی ملی تھی) سیزدہم شیخ صدر الدین کرمانی چہاردہم بی بی حافظہ جمال (حضرت خواجہ کی بیٹی) پانزدہم شیخ محمد ترک نارنولی شانزدہم شیخ علی سجزی ہفتدہم خواجہ یادگار سبزواری۔ ہژدہم خواجہ عبداللہ بیابانی نوزدہم شیخ متا (حضرت خواجہ نے آپ کے لئے دعا فرمائی۔ تو آپ لوگوں کے لئے ہر دلعزیز بن گئے۔ عام لوگ آپ کا بول وبزار بطور تبرک لے جایا کرتے تھے ان سے عطر اور عنبر کی خوشبو آیا کرتی تھی) بستم شیخ وحید برادر شیخ احمد بست و یکم سلطان مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یاد رہے کہ یہ سلطان مسعود غازی سلطان سالار مسعود غازی شہید کے علاوہ ہیں۔ ان کا مزار قصبہ بڑائچ میں ہے جن حضرات نے سالار مسعود غازی شہید کو آپ کے خلفاء میں لکھا ہے انہیں غلطی ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ کی وفات اور سالار شہید کی وفات میں دو سو سال کا فاصلہ ہے۔

سیر الاقطاب کے مؤلف لکھتے ہیں کہ جس دن حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا آپ نے نماز عشاء کے بعد اپنے حجرے کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے خاص احباب کو بھی اندر آنے سے روک دیا۔ حجرے کے دروازے پر

بیٹھنے والے محربان راز ساری رات آنے جانے والوں کے قدموں کی آوازیں سنتے رہے ۔انہوں نے سوچا حضرت خواجہ وجد میں ہیں۔ مگر علی الصبح آوازیں رک گئیں بنماز کا وقت ہوا۔ دروازے پر دستک دی گئی ۔آوازیں دیں۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ دروانہ کھولا گیا۔ دیکھا کہ حضرت خواجہ فوت ہو چکے ہیں ۔آپ کی پیشانی پر نور کی روشنائی سے لکھا ہوا دکھائی دیتا تھا حَبِیبُ اللّٰہ مات فی حُبّ اللّٰہ (یہ اللہ کے حبیب تھے۔ وہ اللہ کی محبت میں فوت ہوئے)

حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہٗ کی ولادت ۵۳۷ھ میں ہوئی تھی۔ اور تمام تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے۔ آپ کا وصال پیر ششم ماہ رجب المرجب ۶۳۳ھ میں ہوا ۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کا عہد حکومت تھا۔ آپ کا روضہ منورہ دارالخیر اجمیر شریف میں ہے پہلے آپ کا مزار سادہ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد پتھروں سے عمارت بنائی گئی۔ آپ کا مزار ایک عرصہ تک عام قبروں کی طرح رہا۔ سب سے پہلے خواجہ حسین ناگوری نے مزار کی تعمیر کی تھی اس کے بعد بادشاہان ہندوستان آتے رہے اور آپ کے مزار کو شاندار عمارت کی صورت میں تعمیر کراتے رہے خصوصاً شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی نے آپ کے روضہ کی عمارت کو بنایا اور ساتھ ہی ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ اس مزار پُرانوار کے فیض و برکت کے آثار آج تک ظاہر ہو رہے ہیں۔ دعاؤں کی قبولیت اور حاجات براری کے ہزاروں واقعات سامنے آئے ہیں۔

اجمیر شہر کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے جسے اخبار الاخیار کے مصنف نے لکھا ہے کہ پرانے زمانہ میں ہندوستان پر ایک راجہ حکمران تھا۔ جس کی سلطنت برہما سے لے کر غزنی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس راجہ کا نام آجا تھا جسے ہندی زبان میں آفتاب کہا جاتا ہے۔ میر کو پہاڑ کے معنوں میں لکھا جاتا ہے۔ اس طرح اس

شہر کا نام اجامیر رکھا گیا۔ چنانچہ ہندی میں اس شہر کا نام آج میر یا آجامیر رکھا گیا۔ مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ زبان میں تبدیلی آئی تو اسے اجمیر مشہور کر دیا گیا۔ لاہور کا پرانا نام لوہو پور تھا۔ پھر ایک وقت آیا تو مسلمانوں نے اسے لوہا ور اور لہانور کہنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ نام لاہور کے نام سے مشہور ہو گیا حضرت کی وفات پر سب سے پہلے کہی جانے والی تاریخ وفات یہ ہے[1]

خواجہ والا معین الدین کہ از انوار او — گشت روشن در دو عالم ماہتاب ملک ہند

محو شد در نور حق چوں آں مہر چرخ نشیں — شد ندا از چرخ چارم آفتاب ملک ہند

۶۳۳ھ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ:

آپ وقت کے اکابر اولیا اور اجل اصفیاء میں سے شمار ہوتے تھے۔ بڑے عظیم الشان ولی اللہ اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتا تھا۔ آپ کو خرقۂ ارادت و خلافت حضرت خواجہ معین الدین سجزی اجمیری قدس سرہٗ نے عطا فرمایا تھا۔ آپ سادات اوش میں سے تھے۔ اوش ماوراالنہر میں ایک قصبہ ہے۔ آپ حسینی سید تھے۔ آپ کا نسب حضرت امام جعفر صادق تک یوں پہنچتا ہے۔ خواجہ قطب الدین

---

[1] :۔ فاضل مولف مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ نے ان الفاظ میں تاریخ ہائے ولادت و وصال کہی ہیں

امام مجتبیٰ + نیر اکبر معلیٰ + بدر المنیر + عارف صوفی + عمدۂ دین زندہ دل بدر الدجیٰ

۵۳۷ھ ۔ ۶۳۳ھ ۔ ۵۳۷ھ ۔ ۵۳۷ھ ۔ ۵۳۷ھ

قطب الواصلین + قطب الاصفیا میر جہاں + میر مکرم زیب دل

۵۳۷ھ ۔ ۶۳۳ھ ۔ ۶۳۳ھ

بختیار اوشی۔ سید کمال الدین بن سید موسیٰ۔ بن سید احمد اوشی۔ بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحاق بن سید احسن بن سید معروف بن سید احمد حسینی بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید امام جعفر رضی اللہ عنہم

حضرت خواجہ قطب الدین ابھی ایک سال چھ ماہ کے تھے کہ آپ کے والد ماجد انتقال فرما گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے اسے اپنے سایۂ عاطفت میں پرورش کی۔ پانچ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے اپنی ایک نیک سیرت ہمسائی کے زیر تربیت کر دیا۔ اور تھوڑی سی شیرینی بھی دے دی۔ اور فرمایا میرے بیٹے کو ایسے معلّم کے حوالے کرنا جو ظاہری اور باطنی علوم سے واقف ہو۔ وہ عورت آپ کو لے کر اوش سے روانہ ہوئی۔ راستہ میں ایک پیر روشن ضمیر سے ملاقات ہوئی انہوں نے اس بی بی سے دریافت کیا کہ اس بچے کو کہاں لے جا رہی ہو۔ بتایا کہ کسی اچھے سے مکتب میں داخل کرانے جا رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا اسے میرے سُپرد کر دو۔ میں خود ہی اسے معلّم کے پاس لے جاؤں گا جو اسے علوم میں درجۂ کمال تک پہنچا دے گا۔ وہ بزرگ اس بچے کو حضرت شیخ ابو حفص اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی مجھے احکم الحاکمین کا حکم ہوا ہے۔ کہ آپ اس بچے کی تعلیم و تربیت فرمائیں۔ حضرت خواجہ شیخ ابو حفص نے بچے کے سر پر دست شفقت رکھا۔ اور اس بزرگ کو رخصت کر دیا بچے کو فرمایا۔ بیٹا! تم بڑے صاحب بخت (بختیار) ہو۔ کہ خضر علیہ السلام نے خود آکر میرے حوالے کیا ہے۔ اور اللہ کا حکم سنایا ہے کہ تمہاری تربیت کی جائے۔ حضرت خواجہ چار دنوں میں قرآن پاک حفظ کر گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں علوم ظاہری میں کمال حاصل کر لیا۔ آپ بالغ ہوئے تو باطنی علوم کی تلاش ہوئی۔ اور حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت خواجہ نے سترہ سال کی عمر میں خرقۂ خلافت عنایت فرما دیا

اور آپ اپنے پیر روشن ضمیر کے ارشاد پہ دہلی کی قطبیت پہ فائز ہو گئے۔ آپ دہلی پہنچے مخلوق کی اصلاح میں مشغول ہو گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین اوشی نے مصروفیت کی بنا پر رات کو سونا ترک کر دیا پانچ دنوں بعد ایک بار افطار کرتے چونکہ خلق محمدی کا پیکر تھے۔ دہلی کے لوگ جوق در جوق مجلس میں حاضر ہونے لگے۔ آپ بھی ہر ادنیٰ اعلیٰ پہ توجہ فرماتے اور اس طرح ہزاروں لوگ راہ ہدایت پہ چلنے لگے۔

حضرت خواجہ بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا شیخ محمد نامی تھا۔ سات سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس کی والدہ اس بیٹے کی وفات پہ بڑی دردناک آواز میں رو رہی تھی۔ حضرت خواجہ نے آواز سنی تو لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ جانگداز آواز کس کی ہے؟ بتایا گیا۔ حضور آپ کا سات سالہ بیٹا شیخ محمد انتقال کر گیا ہے اس کی والدہ رو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کاش مجھے اس بیٹے کی بیماری کی پہلے اطلاع ہوتی۔ تو میں اپنے اللہ سے اس کی صحت کی دعا کرتا۔

جن دنوں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سجستان سے برصغیر ہندوستان تشریف لائے۔ تو اتفاقاً حضرت خواجہ بختیار اوشی اور شیخ جلال الدین تبریزی دونوں ایران سے چل کر حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کو برصغیر میں آئے ہوئے تھے ایک دن یہ تینوں روحانی بزرگ ایک مجلس میں بیٹھے تھے کہ حاکم ملتان قباچہ خان مجلس میں آیا۔ اور عرض کی حضور تاتاری مغلوں کا ایک لشکر ملتان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور شہر کو تاخت و تاراج کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ تاتاریوں کا لشکر بڑا زبردست ہے مجھے مقابلہ کی تاب نہیں آپ حضرات توجہ فرمائیں تاکہ ملتان بچ جائے۔ حضرت قطب الدین بختیار کے ہاتھ

میں ایک تیر تھا۔ فرمایا یہ تیر لے لو۔ اور مقابلہ کے وقت تاتاریوں کے لشکر کی طرف پھینکنا۔ قباچہ نے وہ تیر لیا اور تاتاریوں کے لشکر کی طرف پھینکا کہتے ہیں دوسرے دن تاتاریوں کے لشکر سے ایک بھی سپاہی ایسا نہ بچا تھا۔ جو تیر کے زخم سے زخمی نہ ہوا ہو۔ وہ ملتان کا محاصرہ چھوڑ کر واپس آ گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار دہلی پہنچے تو آپ نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ مجھے اجمیر میں حاضری کی اجازت دی جائے جواب میں ارشاد ہوا۔ کہ آپ کو دہلی کی قطبیت دی گئی ہے وہاں رہ کر کام کیا جائے۔ ہم انشاء اللہ خود دہلی آئیں گے۔ حضرت خواجہ ابتدائی طور پر ایک نانبائی کے ہاں رہائش پذیر ہوئے مگر کچھ دنوں بعد حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کی استدعا پر ان کے گھر منتقل ہو گئے۔ ہزاروں طالبان حق جوق در جوق حاضر ہونے لگے اور سلسلۂ ارشاد جاری ہوا۔

حضرت خواجہ کا معمول تھا۔ کہ آپ کسی سے نذرانہ قبول نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے گھر کے قریب ہی ایک سبزی فروش تھا۔ اس سے قرض لے کر خرچ کر لیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے دل میں خیال آیا۔ کہ آئندہ کسی سے قرض بھی نہیں لینا چاہیئے یہ بات بھی توکل کے خلاف ہے اس دن سے ہر روز آپ کے مصلّے کے نیچے سے ایک بڑی اور گرم روٹی برآمد ہوتی آپ خود بھی کھاتے اور دوسرے احباب کو بھی اسی روٹی سے کھلاتے سبزی فروش سے قرضہ لینا بند ہوا۔ تو اسے تشویش ہوئی۔ شائد حضرت خواجہ مجھ سے ناراض ہیں اس نے اپنی بیوی کو حضرت کے گھر بھیجا۔ اس نے ساری صورتحال دیکھی تو واپس آ کر تمام واقعہ سنا دیا۔ اس دن سے دہلی میں آپ کا کی (روٹی والا) مشہور ہو گئے۔

ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی حوض شمسی کے کنارے تشریف فرما تھے دوستوں نے روٹی کھانے کی درخواست کی۔ آپ نے حوض کے پانی میں ہاتھ ڈالا اور گرم روٹی باہر نکال کر دے دی۔ اور دوستوں کو خوش کر دیا۔

ایک دن بادشاہ دہلی حضرت سلطان شمس الدین نے (جو آپ کا مرید بھی تھا) حضرت کی کرامت دیکھنے کے لئے روٹی کی گزارش کی۔ آپ نے اپنی آستین جھاڑی اور چند گرم گرم روٹیاں نکال کر دے دیں۔

ایک دن حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے گھر مجلس سماع ہوئی۔ مجلس ختم ہوئی تو ایک خادم نے کہا۔ مجلس کے بعد طعام نہایت ضروری ہے اس وقت خواجہ حمید الدین کے پاس کھانا موجود نہیں تھا۔ بڑی تشویش ہوئی۔ مگر حضرت خواجہ قطب الدین نے فرمایا۔ تمام مہمانوں کو صفوں میں بٹھا دیں۔ خواجہ خود ہر مہمان کے قریب جا کر اپنے آستین سے دو دو گرم روٹیاں اور حلوہ رکھ دیتے۔ تمام اہل مجلس سیر ہو گئے۔ کھانا کھانے کے بعد اہل مجلس نے شربت طلب کیا۔ فرمایا جس نے آپ لوگوں کو روٹیاں دیں ہیں۔ شربت بھی دے گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ناواقف شخص آیا۔ اور اس نے دو سیر شکر پیش کی۔ آپ نے فرمایا۔ اس شکر کا شربت بنایا جائے اور تمام مہمانوں کو پلایا جائے۔ آپ خود اٹھے ہر ایک مہمان کو شربت پلاتے جاتے تمام سیر ہو گئے شربت کا کوزہ ابھی تک بھرا ہوا تھا۔

ایک زمانہ آیا کہ دہلی قحط کی زد میں آ گیا گندم کے دانے موتیوں کے بھاؤ بکنے لگے شاہزادہ سعد الدین نے اپنے سرکاری کارندوں کو چند سیر آٹا دے کر کہا کہ تنور سے روٹیاں تیار کرا لاؤ۔ دربار کے سپاہی آئے اور اس نانبائی کو روٹیاں پکانے کو کہا۔ نانبائی نے تنور میں روٹیاں تو لگا دیں مگر خود کسی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ حتیٰ کہ تمام روٹیاں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ سپاہی غصے سے لال ہو گئے

نانبائی کو پکڑا۔اس کی پگڑی گردن میں ڈالی۔دونوں بازو باندھ دیئے۔اور شاہزادے کے پاس لے چلے۔اتفاقًا اسی راستہ سے حضرت خواجہ قطب الدین کا گزر ہوا۔نانبائی کو اس حالت میں دیکھا تو سپاہیوں کو کہنے لگے۔اس بیچارے کو چھوڑ دو۔تمہاری روٹیاں تیار ہو جاتی ہیں۔آپ کی یہ بات سن کر سپاہی ہنس دیئے اور کہنے لگے یہ شخص دیوانہ ہے جلی ہوئی روٹیاں کو ان درست کرتا ہے۔آپ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا۔مجھے وہ تنور دکھاؤ تنور پر پہنچے۔آپ نے تنور میں ہاتھ ڈال کر تمام روٹیاں نکال دیں۔جب اس واقعہ کی اطلاع شاہزادہ سعد الدین کو ملی۔دوڑا دوڑا آیا۔اور مرید ہو کر کمالات روحانی پر فائز ہو گیا

قاضی صادق اور قاضی عماد دہلی کے مشہور علماء تھے۔ابھی انہیں منصب قضا نہیں ملا تھا۔انہوں نے بادشاہ دہلی کو بتایا۔کہ اس شہر میں شیخ قطب الدین بختیار اور شیخ حمید الدین ناگوری نے سماع کو اتنا رواج دیا ہے کہ عنقریب تمام دہلی کے مسلمان اسی کام میں لگ جائیں گے۔اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اس سماع کو بند کر دیں۔بادشاہ نے کہا شرعی معاملات میں اجازت کی ضرورت نہیں۔لیکن میرا خیال ہے تم دونوں حضرات اس معاملہ میں پشیمان ہو گئے۔ایک دن دونوں قاضیان شہر حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے گھر پہنچے دیکھا۔کہ مجلس سماع گرم ہے حمید الدین وجد کی حالت میں ہیں قطب الاقطاب دست بستہ کھڑے ہیں۔ان دنوں دونوں حضرات کی داڑھی نہیں آئی تھی۔ان قاضی حضرات نے آگے بڑھ کر کہا۔اہل تصوف کے ہاں بے ریش لڑکوں کو مجلس سماع میں نہیں آنا چاہیئے دونوں خواجگان نے اپنا دست مبارک منہ پر پھیرتے ہوئے کہا ہم لڑکے نہیں داڑھی والے ہیں۔قاضیوں نے دیکھا تو چہروں پر داڑھیاں تھیں۔دونوں اس کرامت کو دیکھ کر شرمسار ہوئے اور واپس آ گئے۔

دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہو کر کہنے لگے کہ اگر بادشاہ ہمیں قاضی شرع محتسب مقرر کر دے تو ہم دونوں کو ایوان قضا میں طلب کر کے سماع کے مسئلہ پر مباحثہ کر کے شکست دے سکتے ہیں۔ بادشاہ نے ملّا صادق کو قاضی شرع مقرر کر دیا اور عماد کو صدر جہاں کے عہدہ پر مقرر کر دیا۔ دونوں کو اپنی مرضی کے مطابق عہدے مل گئے اب وہ سیاسی قوت کے ساتھ مضبوط ہو گئے دونوں کو پابند کر دیا گیا کہ محل کے دیوان قضا میں پیش ہو کر مسئلہ سماع پر مباحثہ کریں۔ حضرت قطب الاقطاب نے فرمایا کل تو ہمارے خواجہ عثمان ہارونی کا سالانہ عرس ہے ہم اس سے غیر حاضر نہیں رہ سکتے۔ عرس کی مجالس میں مجالس سماع بھی منعقد ہوں گی۔ اگر کوئی اور دن مقرر کر لیا جائے تو ہم مباحثہ کرنے کو تیار ہیں۔ قاضی نے اس شرط پر مہلت دی کہ عرس کی تقریبات پر مجالس سماع منعقد نہیں کی جائیں گے۔ اور لوگوں کا اجتماع نہ ہونے پائے صرف آپ دونوں یعنی خواجہ قطب الدین بختیار اور خواجہ حمید الدین ایک مجلس میں بیٹھ کر سماع کر لیں۔ ان دنوں دہلی کے قلعہ مشرقی اور جنوبی دروازے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے گھر ان ہی دروازوں میں واقع تھے۔ قاضی نے ان دونوں دروازوں پہ تندخو اور سخت گیر سپاہیوں کا پہرہ بٹھا دیا۔ کہ کوئی شخص اندر نہ آنے پائے خواہ کتنا ہی قریب اور عزیز ہو۔ ادھر حضرت خواجہ قطب الدین نے بھی سارے شہر میں اعلان کروا دیا۔ کہ ہمارے تمام خادم اور دوست مجلس سماع میں شرکت کریں۔ بلکہ اپنے اپنے احباب کو بھی دعوتِ شرکت دیں۔ دوسری طرف حضرت خواجہ نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ عام تقریبات عرس کے برعکس کھانے کا زیادہ اہتمام کریں اور کسی پہرے دار یا پاسبان کی پرواہ نہ کریں۔ انشاءاللہ ان پہرے داروں کی آنکھیں کسی آنے والے کو دیکھ نہیں سکیں گی۔ عرس کے دن دہلی کے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ سپاہی کھڑے رہے مگر کسی کو نہ روکا گیا۔ ہزاروں مرید۔ طالب اور

خادم مجلس سماع میں شریک ہوئے۔ اتفاقاً اسی دن حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال الدین تبریزی ملتان سے چل کر دہلی پہنچے تھے۔ ان دونوں حضرات کی تشریف آواری سے مجلس کی رونق دوبالا ہو گئی۔ قوالوں کے کلام اور وجد کرنے والوں کی رقت سے سارا قلعہ گونج اُٹھا۔ دونوں قاضی اس غلغلہ اور ہنگامہ کی آواز سے چونک اُٹھے۔ دروازے کے نگہبانوں کو طلب کر کے ڈانٹا۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے قسم کھا کر کہا کہ ہم نے کسی کو اندر جاتے نہیں دیکھا۔ ہم نہیں جانتے اتنا ہجوم کدھر سے آ گیا۔

قاضیوں نے ایوان صدر میں مقدمہ کرنے کی بجائے یہ خیال کیا کہ آج بہت بڑا اجتماع ہے اس میں پہنچ کر مباحثہ کر لیا جائے اور حرمتِ سماع پر فیصلہ ہو جائے چنانچہ دونوں قاضی حضرت خواجہ کی مجلس میں جا پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین تو وجد کر رہے ہیں اور خواجہ حمید الدین دست بستہ سامنے کھڑے ہیں۔ اچانک خواجہ حمید الدین کی نگاہ دونوں پر پڑی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ مجلس سماع تم جیسے منکرانِ سماع اور دشمنانِ درویشاں نہیں ہے۔ تم وہاں ہی کھڑے رہو۔ اگرچہ ان دونوں قاضیوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ مگر ان کے قدم نہ اٹھ سکے۔ چنانچہ ساری مجلسِ سماع کھڑے کھڑے سنتے رہے۔ جب حضرت قطب الدین وجد سے رُکے۔ اور مجلس میں خاموشی چھا گئی تو آپ نے قاضی عماد اور قاضی صادق کو مخاطب کیا اور فرمایا۔ آؤ۔ اے بھائیو! آگے بڑھو آج تمہاری الوداعی تقریب ہے۔ تم سفرِ آخرت پر جانے والے ہو۔ آخری بار سماع کی لذت حاصل کر لو۔ تمہیں حسرت اور افسوس نہ رہے۔ دونوں حضراتِ خواجہ کے کہنے پر مجلس میں آئے قوالوں کے اشعار اور بزرگانِ دین کے تصرف سے دونوں مدہوش ہو گئے۔ محفل ختم ہوئی۔ تو دونوں نے معذرت کی اور اپنے اعمال پر پشیمان ہو کر خواجگان چشت کے قدم بوس ہو گئے۔ اور

معافی کے خواستگار ہو گئے۔حضرت خواجہ نے فرمایا۔ اب تیر کمان سے نکل گیا ہے "تیر جستہ باز کے آید نراہ" اب تم لوگ سفرِ آخرت کی تیاری کرو۔ دونوں اس مجلس سے پریشان و پشیمان اٹھے۔ اور سیدھے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور رات کی ساری سرگزشت سنادی بادشاہ نے اِن کی باتیں سن کر انہیں سرزنش کی۔ اور بڑے غصّے سے صدر جہاں اور عہدۂ قضا سے معطل کر دیا۔ اسی رات دونوں صدمہ سے مر گئے۔

اخبار الاخیار اور سیر الاقطاب میں درج ہے۔ کہ حضرت خواجہ بختیار کے ایک مرید رئیس نامی نے ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ ایک عالی شان درگاہ ہے اور اس میں بے پناہ مخلوق جمع ہے۔ ایک شخص پست قد بار بار بارگاہ کے اندر جاتا ہے اور پھر باہر آجاتا ہے اور بادشاہ کے فرمان و پیغام لالاکر لوگوں تک پہنچاتا ہے رئیس نے اس بارگاہ۔ مجلس اور صاحب دربار اور اندر باہر آنے جانے والے شخص کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا۔ یہ سرکار دوعالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ کی بارگاہ ہے یہ کوتاہ قد حضرت عبداللہ مسعود (رضی اللہ عنہ) ہیں لوگوں کے پیغامات اندر لے جاتے ہیں۔ اور حضور کا فرمان باہر لاکر پہنچاتے ہیں رئیس آگے بڑھے۔ حضرت عبداللہ مسعود کو کہا برائے مہربانی۔ حضور کی خدمت میں گزارش کریں کہ آپ کا ایک امتی رئیس جو خواجہ قطب الدین بختیار کا خادم ہے زیارت کا خواہاں ہے۔ وہ دروازے پہ حاضر ہے آپ کرم فرمائیں۔ حضرت عبداللہ مسعود نے تھوڑی دیر باہر آکر فرمایا۔ حضور فرماتے ہیں کہ تمہیں ابھی تک زیارت کی اہلیت نہیں ہوئی ہمارا اسلام خواجہ قطب الدین کو پہنچانا۔ اور کہنا کہ تم ہر رات ہمیں تحفہ پہنچایا کرتے تھے۔ تین راتیں گزر گئی ہیں۔ تمہاری طرف سے تحفہ نہیں پہنچا۔ خدا خیر کرے کونسی چیز مانع ہے رئیس صبح اٹھے دوڑے دوڑے حضرت خواجہ کی خدمت

میں حاضر ہو کر بادیدۂ پرآب پیغام پہنچایا۔ حضرت خواجہ اسی وقت اٹھے۔ تازہ وضو کیا۔ تین ہزار بار درود پاک پڑھا حضور کی بارگاہ میں ہدیہ کیا۔ آپ نے تین روز قبل درود نہیں پڑھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت خواجہ نے شادی کر لی تھی۔ تین راتیں اسی شادی میں مصروف رہے۔ درود پاک ترک رہا۔ اس درود پاک میں تاخیر اور تعطل اس شادی کی وجہ سے تھا حضرت خواجہ اٹھے۔ اور اپنی بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دیا۔ اور ہمہ تن درود پاک میں مشغول ہو گئے۔

فوائد الفواد میں لکھا ہے۔ کہ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی بسا اوقات غیاث پور سے چلتے اور حضرت خواجہ بختیار کے روضہ کی زیارت کے لئے دہلی جاتے ایک دن آپ کے دل میں خیال آیا۔ خدا معلوم میری حاضری سے حضرت خواجہ آگاہ بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ آپ حضرت کے مزار پر انوار کے نزدیک پہنچے دیکھا۔ کہ حضرت خواجہ مزار کے تعویذ پر تشریف فرما ہیں اور تبسم فرماتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

ع مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر بیائی بہ تن

جن دنوں حضرت خواجہ دہلی میں قیام فرما تھے۔ مرید اور طالب جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ان لوگوں میں روساء مملکت۔ اعیان سلطنت اور سپہ سالاران افواج بھی ہوتے تھے۔ انہی دنوں خواجہ نجم الدین صغری۔ جو خواجہ عثمان ہارونی کے خلیفہ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے خواجہ تاش تھے۔ آپ کو اس رونق اور ہجوم پر سخت حسد ہوا۔ وہ پریشان تھے کہ سارے لوگ حضرت خواجہ قطب الدین کے پاس ہی جاتے ہیں کچھ دنوں بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری دہلی میں رونق افروز ہوئے تو خواجہ نجم الدین صغریٰ نے اپنے تاثرات سے آگاہ کیا اور کہا۔ حضور

آپ نے اپنے مرید خاص قطب الدین کو دہلی میں چھوڑ دیا ہے۔ شہر کے تمام لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں ہمیں تو برگ سبز کی بھی حیثیت نہیں دی جاتی۔ حضرت خواجہ معین الدین کو خواجہ نجم الدین کی بات اچھی نہ لگی اور خواجہ قطب الدین کو فرمایا۔ بابا تم ہمارے ساتھ اجمیر چلے چلو۔ بعض لوگوں کو دہلی کے قیام سے تکلیف ہے۔ خواجہ قطب الدین حضرت خواجہ بزرگ کا حکم سنتے ہی فوراً تیار ہو گئے۔ اور دوسرے دن ساتھ چل پڑے۔ دہلی کے اکابر و اصاغر عورت و مرد اس صورت حال سے آگاہ ہوئے۔ تو وہ قافلے کے پیچھے بھاگے۔ اور حضرت خواجہ کی خدمت میں فریاد کرنے لگے۔ کہ خدا کے لئے خواجہ قطب الدین کو دہلی سے نہ لے جائیں۔ ہم غریب لوگ انہی کے سہارے زندہ ہیں۔ ہمیں خواجہ کی جدائی کی تاب نہیں ہے۔ آپ نے لوگوں کا خلوص اور بے چینی دیکھ کر فرمایا۔ بابا قطب الدین! تم یہاں ہی رہو۔ دہلی کے لوگ تمہیں نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ خواجہ قطب الدین پھر دہلی میں رہ گئے۔

چند سال اسی طریقے پر گزرے تو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے خواجہ قطب الدین کو اجمیر بلایا اور دستار اور کلاہ عنائیت فرمائے۔ شیخ عثمانی ہارونی کا عصاء مبارک دیا۔ قرآن پاک کا ایک نسخہ اور مصلّی عنائیت فرماتے ہوئے خرقہ خلافت عطاء فرمایا۔ اور فرمایا۔ یہ امانتیں سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہی ہمیں پہنچیں تھیں۔ ہم نے ان امانتوں کو تمہارے حوالے کر کے اپنا حق ادا کر دیا ہے تم بھی ان کا حق ایسا ادا کرنا کہ قیامت کے دن مجھے سید الانبیاء کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے۔ ان تبرکات کے سپرد کرنے کے بعد آپ کو دہلی جانے کی رخصت دی کہتے ہیں اس دن سے آٹھ روز بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا وصال ہو گیا۔

ایک شاعر ناصر تخلص کیا کرتا تھا۔ وہ ماوراء النہر سے چل کر دہلی آیا۔ سلطان

شمس الدین التمش کے لئے ایک قصیدہ لکھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی۔ حضور میرے لئے دعا کریں کہ یہ قصیدہ بادشاہ کو پسند آجائے مجھے جس قدر انعام ملے گا آدھا خانقاہ کے درویشوں کے اخراجات کے لئے پیش کروں گا۔ حضرت خواجہ نے دعا کی۔ ناصر شاعر نے بادشاہ کے حضور قصیدہ پڑھا تو اسے اشعار کی تعداد اٹھاون پر اٹھاون ہزار روپیہ انعام دیا گیا۔ ناصر انعام پاکر دربار میں حاضر ہوا۔ اور نصف انعام خدمت میں نذر کیا۔ آپ نے قبول نہ کیا اور ارشاد فرمایا یہ سارا تم ہی لے جاؤ۔

یاد رہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے اعلیٰ و اکبر خلیفہ حضرت خواجہ مسعود شکر گنج ہیں۔ ان کے بعد دہلی کے شہنشاہ سلطان شمس الدین التمش۔ شیخ بابا سنجری بحر دریا۔ مولانا فخر الدین حلوائی شیخ احمد حاجی۔ شیخ حسین۔ شیخ فیروزنہ شیخ بدر الدین مرتاب برادر شیخ شاہی موتاب۔ شاہ خضر قلندر۔ شیخ نجم الدین قلندر خواجہ تسیرو۔ شیخ سعد الدین۔ شیخ محمود بہاری۔ مولانا جار خبری۔ سلطان نصیر الدین غازی قاضی حمید الدین ناگوری۔ مولانا شیخ محمد۔ مولانا برہان الدین حلوائی۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر۔ مولانا خضر معین۔ مولانا سید۔ شیخ صوفی بدہنی۔ شیخ جلال الدین۔ ابوالقاسم تبریزی (آپ نے ابوسعید تبریزی سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا) شیخ نظام الدین ابوالموید۔ شیخ تاج الدین منور اوشی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ان تمام بزرگوں کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت ملا پھر انہوں نے سلسلہ چشتیہ کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین ایک بہیلی پہ بیٹھے شہر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ جب اس جگہ پہنچے جہاں ان دنوں آپ کا روضۂ منورہ ہے۔ بہیلی کو کھڑا کیا۔ دیر تک مراقبہ میں رہے فرمایا۔ اس جگہ سے مجھے بوئے محبت آرہی

ہے۔ زمین کے مالک کو بلایا۔ اور بہت سی قیمت اور انعام ادا کر کے زمین خرید لی فرمایا۔ ہماری قبر اس زمین میں ہو گی۔ انشاء اللہ۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے۔ کہ حضرت خواجہ کا وصال خاص حالات میں ہوا تھا۔ آپ اپنی خانقاہ میں مجلس سماع میں تشریف فرما تھے۔ ہنگامہ سماع زوروں پر تھا۔ قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

عاشق روئیت کجا بلند بجس
خستۂ مو یت کجا یابد خلاص

حضرت خواجہ یہ شعر سن کر وجد میں آ گئے۔ قوالوں کو اپنے سامنے بلایا پھر وجد کرنے لگے۔ اسی دوران صلاح الدین پسر کریم الدین۔ نصیر الدین غزل خواں بھی موجود تھے۔ انہوں نے یہ شعر اٹھایا۔

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

یہ شعر سننا تھا کہ آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ تمام مجلس پر رقت طاری ہو گئی۔ بہت سے وجد کرنے لگے۔ حضرت قطب الاقطاب اس وجد کی حالت میں جست لگاتے تھے۔ تو دس دس گز اوپر کو اچھلتے۔ یہ معاملہ تین دن رات تک جاری رہا۔ حضرت خواجہ کے بال بال سے اسم ذات کی تسبیح جاری تھی۔ خون کے قطرے بہنے لگے۔ ان قطرات میں سے ایک قطرہ زمین پر ٹپکتا تو اللہ کے نام کا نقش بن جاتا۔ چوتھے دن آپ کے انگ انگ سے سبحان اللہ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ خون کے قطروں سے بھی کلمہ سبحان اللہ کی آواز آتی۔ جس وقت غزل خواں یہ شعر پڑھتے۔

؎ کشتگانِ خنجرِ تسلیم را۔

تو یوں محسوس ہوتا کہ حضرت خواجہ اس جہاں سے چلے گئے ہیں۔ مگر جب قوال

ہر زمان از غیب جان دیگر است

پڑھتے تو پھر زندہ ہو کر جست لگاتے اور مرغ بسمل کی طرح فرش پر تڑپتے آخر کار مورخہ چودہ[۱۴] ربیع الاول کو جب کہ سماع کا پانچواں دن تھا۔ قوالوں کو مصرع ثانی پڑھنے پر منع کر دیا گیا۔ آپ نے نعرہ مارا۔ اور واصل بحق ہو گئے۔ حاضرین میں شور مچا۔ لوگ مجلس سے اٹھے۔ آپ کا جنازہ تیار ہوا۔ ہندوستان کا بادشاہ سلطان شمس الدین التمش خود حاضر ہوا۔ آپ کے خلفاء مرید اور مشائخ۔ شاہی خواتین اور عوام الناس جمع ہو گئے۔ سارا دہلی شہر ٹوٹ پڑا۔

خواجہ ابو سعید نے اٹھ کر اعلان کیا کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب قطب الدین بختیار نے وصیت کی تھی۔ کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے۔ جس نے ساری عمر اپنے آپ کو زنا سے محفوظ رکھا ہو۔ بلوغت سے لے کر آج تک عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں۔ فرائض نماز کی تکبیر اولیٰ سے محروم نہ ہوا ہو۔ یہ اعلان سنتے ہی تمام حاضرین دنگ رہ گئے۔ اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر حضرت سلطان التمش آگے بڑھے اور فرمایا۔ میں چاہتا تھا کہ میرے ان مشاغل سے کسی کو خبر نہ ہو۔ مگر آج میرے پیر و مرشد کی وصیت نے مجھے آشکارا کر دیا۔ آپ نے نماز جنازہ کی امامت کرائی۔ نماز جنازہ کے بعد ایک طرف خود کندھا دیا۔ باقی تین پائیوں کو اس وقت کے نامور اولیاء اللہ نے اٹھایا اور آپ کے مدفن تک لے گئے۔

قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بتاریخ چودہ ماہ ربیع الاول ۶۳۴ھ کو ہوئی۔ یہ تاریخ سفینۃ الاولیاء اخبار الاولیاء۔ معراج الولایت اور دوسرے تذکروں میں لکھی پائی گئی۔ وفات

کے وقت آپ کی عمر باون سال تھی۔ مخزالواصلین میں آپ کا سن وصال ۶۳۳ھ لکھا ہوا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔

جناب شیخ قطب الدین اوشی
کہ بود او مقتدائے شیخ وہم شاب
عجب تاریخ وصلش یافت سرور
زقطب الدین مقدس قطب الاقطاب[۱]

۶۳۴ھ

شاہ شمس الدین التمش بادشاہ ہندوستان قدس سرہٗ:-

آپ ایک رحم دل بادشاہ عادل سلطان کامل تھے۔ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر تھے۔ مگر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کے مرید خاص اور خلیفہ اعظم تھے۔ حضرات اہل چشت سے بڑی ارادت رکھتے تھے۔ اگرچہ ظاہری فرمانروائے سلطنت ہندوستان تھے۔ مگر باطنی طور پر فقیروں اور درویشوں کے زمرے میں تھے۔ کم کھاتے تھوڑا سوتے۔ لمبی راتیں جاگ کر گزارتے۔ چند لمحے سوتے تو فوراً بیدار ہو جاتے کسی کام کے لئے ملازمین کو تکلیف نہ دیتے تھے۔ رات کے جس حصہ میں بیدار ہوتے کسی کو کہنے کی بجائے خود کنوئیں سے پانی کھینچتے اور وضو فرما لیتے انہیں یہ بات گوارا نہ تھی کہ ان کے کسی کام کے لئے کسی دوسرے کو تکلیف ہو آدھی رات ہوتی

۱۔ حضرت مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ نے اس تاریخ وصال کے علاوہ مندرجہ ذیل تواریخ بھی کہی ہیں۔ جنت مقام (۶۳۴ھ) + دوبارہ عالم الاسرار (۶۳۴ھ) + نور علی نور (۶۳۴ھ) + خلد (۶۳۴ھ) + قطب الدین (۶۳۴ھ)

تو شاہی لباس اتار کر گدڑی پہن لیتے۔ اور رعایا کی خبر گیری کے لئے نکل پڑتے۔ علماء صلحاء اور صوفیا کو بے پناہ دولت بخشتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا۔ کہ مٹی کے برتن میں سونا رکھ کر اوپر گندم کے دانے رکھ کر بند کر دیتے۔ اور مسافروں کو بخش دیتے تھے تاکہ سخاوت کی شہرت نہ ہو۔

ایک بار آپ نے حوض بنانے کا ارادہ کیا۔ دہلی میں حوض شمسی کلاں آپ نے ہی تعمیر کیا تھا۔ یہ حوض بنانے سے پہلے انہیں بڑی فکر تھی۔ رات کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے دیکھا۔ کہ حضور حوض کی جگہ گھوڑے پر سوار جلوہ فرمائیں۔ اور مخاطب کر کے فرما رہے ہیں! شمس الدین یہاں حوض بناؤ۔ اس وقت حضور کے گھوڑے نے اپنے پاؤں زمین پر مارے جس سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ حضور نے الملک الاکبر کہہ کر فرمایا۔ اس جگہ سے اچھا پانی سارے دہلی میں کہیں بھی نہیں ہو گا۔ صبح ہوئی۔ بادشاہ التمش اٹھے۔ اور اس مقررہ جگہ پر جا پہنچے دیکھا کہ جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے سُم لگے تھے۔ پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ بادشاہ اپنے گھوڑے سے اُترا۔ تھوڑا سا پانی پیا اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا اور اسی وقت اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ حوض کھودنا شروع کر دیں۔

یاد رہے۔ کہ حضرت سلطان شمس الدین ترکی بزرگان دین کی اولاد میں سے تھے۔ حوادث زمانہ کے پیش نظر گرفتار ہو کر ہندوستان پہنچے۔ صدر جہاں نے انہیں خرید کر اپنے غلاموں میں رکھ لیا۔ پھر سلطان شہاب الدین غوری کو دے دیا وہاں ہی قطب الدین ایبک سے جو خود بھی ایک غلام کی حیثیت سے بادشاہ کے پاس رہتے تھے ملاقات ہوئی۔ قطب الدین ایبک جن دنوں دہلی کے حکمران مقرر کئے گئے تو آپ نے حضرت سلطان التمش کو بدایون کا گورنر لگا دیا۔ آپ ایک

عرصہ تک گورنر رہے۔ جب سلطان قطب الدین ایبک لاہور میں پولو کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہوئے آرام شاہ قطب الدین کا بیٹا ہندوستان کا حکمران بنا دیا گیا۔ ان دنوں امیر علی اسماعیل افواج ہند کا سپہ سالار تھا۔ اور امیر داود دیلمی رکن سلطنت تھا۔ یہ دونوں آرام شاہ سے ناراض ہو گئے۔ اور سلطان شمس الدین کو بداؤں سے دہلی طلب کر لیا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ آپ ۶۰۷ھ میں تخت نشین ہوئے۔ تخت نشینی کے بعد آپ کو پے درپے فتوحات حاصل ہوئیں۔ آپ کو تخت نشین ہوئے ابھی دس سال گزرے تھے۔ کہ شاہ خوارزم چنگیز خان تاتاری کے حملوں سے تنگ آکر ہندوستان آ پہنچا تھا۔ اور ہندوستان کے کئی علاقے فتح کرتا ہوا۔ آگے بڑھا۔ مگر التمش کے ہاتھوں شکست کھا گیا۔ حضرت التمش نے تعاقب میں آنے والے تاتاری لشکر کو بھی مار کر بھگا دیا۔

حضرت سلطان التمش نے گوالیار کو فتح کیا۔ پھر اوجین شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور بت خانہ مہاکل کو جو ایک ہزار دو سو سال سے آباد چلا آرہا تھا۔ ویران کر کے رکھ دیا۔ یہاں سے بے شمار خزانہ اور مال غنیمت ملا۔ راجہ بکرماجیت کا ایک بڑا بت دہلی لایا گیا۔ اسے توڑ پھوڑ کر اپنی مسجد قوت الاسلام کے دروازے کے سامنے لا کر اوندھا پھینک دیا۔

فخر الملک بغدادی اور نظام الملک سلطان التمش کے نامور وزراء تھے ان کی خدمات تاریخ کے صفحات پر نمایاں نظر آتی ہیں۔ سلطان التمش رحمۃ اللہ علیہ بتاریخ بستم (۲۰) ماہ شعبان ۶۳۴ھ کو فوت ہو گئے[۱]۔ مراۃ ہند کے مولف نے آپ کا سال وصال ۶۳۳ھ لکھا ہے۔ آپ پورے ستائیس سال تخت ہندوستان پر جلوہ فرما رہے۔ آپ کا مزار مسجد قوت الاسلام دہلی کے عقب میں ہے۔

---

[۱]:۔ اسی سال آپ کے پیرو مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کا وصال ہوا تھا۔

شمس دین آں بادشاہ ملک ہند
شد جو از دنیا با قلیم جناں
شمس دین حق گو بگو تاریخ او
ہم بفرما شمس دین قطب جہاں[۱]
۶۳۴ھ

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہٗ:- آپ نے خانوادہ چشت میں ایک عظیم شیخ ہیں آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے روحانی فیض ملا۔ بعض مشائخ آپ کو سلسلہ سہروردیہ کے مشائخ سے تصور کرتے ہیں۔ کشف و کرامات میں بے نظیر تھے۔ ترک و تجرد میں بے مثال تھے۔ ابتدائی سلوک کے سات سال شیخ الشیوخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے (غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات آپ کو سہروردیوں میں شمار کرتے ہیں) اگرچہ شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ ابو سعید تبریزی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ مگر ابو سعید کی وفات کے بعد آپ شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کمال کو پہنچے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کی ملاقات حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہٗ سے ہوئی وہاں ہی آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین اوشی کو دیکھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے آپ کو اپنی روحانی تربیت سے درجۂ کمال تک پہنچادیا۔ اور اس طرح ان کے خلیفہ خاص بنے۔ اور خانوادہ چشت میں معروف ہوئے۔

۱؎ فاضل مولف نے یہ تواریخ وفات بھی لکھی ہیں = ماہ زیب جمال شمس الدین + یار حق ولی دیندار
۶۳۴ھ ۶۳۴ھ

حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردی حج پہ جاتے تو شیخ جلال الدین تبریزی آپ کے ہم رکاب ہوتے تھے۔ آپ ایک دیگدان تیار کر کے سر پر رکھ لیا کرتے تھے۔ اور سر پہ اس طرح رکھ لیتے کہ سر کو گرمی بھی نہ لگے۔ مگر ایک دیگ میں رکھا ہوا کھانا ٹھنڈا بھی نہ ہونے پائے۔ یہ حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت سفر کا ایک مجاہدہ تھا۔ حضرت شیخ الشیوخ جس وقت بھی کھانا طلب فرماتے۔ آپ کو گرما گرم اور تازہ کھانا پیش کیا جاتا تھا۔

حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی قدس السرہٗ السامی نے لکھا ہے کہ ایک بار میں بھی اس قافلہ میں موجود تھا جو سفر حج پہ رواں تھا۔ شیخ جلال الدین تبریزی حسب معمول دیگدان سر پر رکھے قافلہ میں موجود تھے۔ ہم لوگ صحرائے بنی لام میں پہنچے یہ بڑی دشوار گزار وادی تھی۔ چلنا دشوار ہوا جا رہا تھا۔ اسی اثنا میں اونٹوں کے تاجر اپنے اونٹ بیچنے کے لئے آپہنچے۔ اور انہوں نے ہر اونٹ کی بیس اشرفی قیمت مانگی۔ قافلہ میں امیر اور روساء حضرات نے تو اونٹ خرید لئے۔ مگر ہم جیسے درویش پا پیادہ موت کے سفر کو روانہ تھے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے ہماری یہ حالت دیکھی تو انہیں ہماری ناتوانی پر بڑا ترس آیا۔ آپ نے طعام والی دیگ کو خالی کیا۔ اور اپنے سامنے لا رکھی۔ اس دیگ میں ایک اشرفی ڈالتے اور اس پہ چادر اوڑھا دیتے اور منہ سے یا لطیف کہتے۔ اور دیگ میں ہاتھ ڈال کر بیس اشرفی نکال کر ایک درویش کو دیتے۔ اس طرح آپ نے پانچ اونٹوں کی قیمت نکال کر الگ کر دی۔ اور قافلے کے تمام غریب درویشوں کو اونٹ خرید دیئے۔ قافلے کے سارے لوگ شتر سوار ہو گئے۔ مگر خود پا پیادہ چلتے رہے۔

حضرت جلال الدین تبریزی دہلی پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش آپ کے استقبال کو باہر آئے ان دنوں دہلی کے شیخ الاسلام حضرت خواجہ نجم الدین صغریٰ

تھے۔ آپ بھی بادشاہ کے ساتھ استقبال کو آئے سلطان نے شیخ جلال الدین کو دیکھا گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور پیادہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پیدل چل کر ہی شہر میں پہنچے۔ سلطان نے شیخ الاسلام خواجہ نجم الدین صغریٰ کو کہا کہ حضرت شیخ کو ایسے مکان میں ٹھہرانا۔ جو میرے نزدیک ہو۔ یہ بات سن کر نجم الدین صغریٰ کو حسد آیا۔ کہ ایک نووارد بزرگ کی اتنی عزت کی جا رہی ہے۔ شاہی محل کے قریب ہی ایک ایسا مکان تھا۔ جس میں جنّات کا ڈیرہ تھا اور ہمیشہ مقفّل رہتا تھا۔ اُسے بیت الجن کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضرت خواجہ نجم الدین نے سلطان التمش کو کہا۔۔۔ کہ کیوں نہ شیخ جلال الدین کو بیت الجن میں ٹھہرایا جائے۔ اگر وہ خدارسیدہ ولی ہیں تو جنوں پر قابو پالیں گے۔ اور اگر جھوٹے مدعی ہیں تو سزا پائیں گے۔ حضرت سلطان التمش نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ شیخ جلال الدین نے نور باطن سے معلوم کر کے فرمایا کہ بیت الجن کی چابیاں مجھے دے دی جائیں۔ چابیاں لائی گئیں تو آپ نے اپنے ایک خادم کو دے کر فرمایا۔ کہ جاؤ اور دروازہ کھول کر آواز دو کہ اس مکان میں رہنے والو۔ آج خواجہ جلال الدین تبریزی یہاں آ رہے ہیں تم اپنا ٹکانہ کرو۔ رات کو آپ بیت الجن میں پہنچ کر آرام فرما ہوئے۔ سلطان التمش آپ کو ہر روز نئی عزت اور نیا احترام دیتا اس صورت حال نے خواجہ نجم الدین صغریٰ کو آتش حسد میں جلا دیا۔ وہ سوچتے رہتے۔ کہ جلال الدین تبریزی کو کسی ایسے الزام میں ملوث کیا جائے کہ بادشاہ خود ہی انہیں دہلی سے نکال دے۔

ایک دن حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نماز صبح پڑھنے کے بعد۔ بیت الجن میں ہی اپنی چارپائی پر چادر لیٹے لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کا ایک خوبصورت ترکی غلام آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ شیخ نجم الدین نے اپنے محل کی چھت سے اس

لڑکے کو پاؤں دباتے ہوئے دیکھا۔ اسی وقت اُٹھ کر بادشاہ کے پاس گئے اور کہا آپ تو اِس شخص کے متعلق اچھا اعتقاد رکھتے ہیں۔ مگر یہ شیخ سورج چڑھے ابھی تک سو رہا ہے اور ایک خوبصورت غلام ان کے پاؤں دبا رہا ہے۔ یہ بات شریعت کے مطابق نہیں۔ شیخ نے لیٹے لیٹے ہی اِس صورت حال کو پا لیا اور وہیں سے چادر منہ سے ہٹا کر بلند آواز سے کہا۔ نجم الدین اگر تم تھوڑا سا پہلے دیکھتے تو اِس غلام کو میری بغل میں پاتے۔ نجم الدین یہ بات سُن کر سخت شرمندہ ہوئے اور شیخ کو تنگ کرنے سے باز آ گئے۔ مگر دل میں یہ ٹھان لی کہ اب شیخ کو کسی ایسے الزام میں ملوث کروں گا جس سے بادشاہ اُس سے ہمیشہ کے لئے بدظن ہو جائے اور شیخ کو شہر سے باہر نکال دے۔

دہلی شہر میں ایک جمیلہ نامی عورت تھی جو گانا گایا کرتی تھی۔ وہ ایک بدکردار اور فاحشہ عورت تھی جس کے پاس ملک کے امراء اور دربار کے افسر آیا کرتے تھے۔ اُس کا نام گوہر بے بہا تھا۔ حضرت نجم الدین نے اُسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اگر تم شیخ جلال الدین کو زنا کے الزام میں پھنسا دو اور بادشاہ کے سامنے شہادت بھی دے دو تو میں تمہیں پانچ سو دینار طلائی دوں گا۔ ان میں سے نصف روپیہ پیشگی ادا کر دیا گیا اور نصف روپیہ ایک سبزی فروش احمد نامی کے کان پر بطورِ امانت رکھ دیا گیا کہ جب تم بہتان تراشی کی گواہی دے چکے تو یہ خود بخود آ کر لے لینا۔ چند دن بعد نجم الدین اُس بدکردار عورت کو بادشاہ کے سامنے لے آئے اور عورت کی طرف سے شیخ جلال الدین کے خلاف زنا کی کیفیت کو بیان کیا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کیا یہ عورت اپنی زبان سے زنا کا اقرار کر رہی ہے۔ پھر تو اِس کو سنگسار کرنا چاہیئے چونکہ ابھی تک شیخ جلال الدین پر یہ گناہ ثابت نہیں ہوا۔ اور تم خود ہی مدعیہ اور شکایت کنندہ ہو۔ لہذا کسی دوسرے قاضی کو اس مقدمے کا فیصلہ کرنا

چاہیئے۔ چنانچہ یہ تجویز کیا گیا کہ اس معاملے کی تحقیق کے لئے مشائخ عظام کو مقرر کرنا چاہیئے۔ جس وقت تحقیق ہو جائے تو اس وقت اُس پہ فرد جرم عائد ہونی چاہیئے ان دنوں شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال الدین تبریزی کے درمیان کچھ رنجش تھی۔ نجم الدین صغریٰ نے کہا کہ میری طرف سے شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی مقدمہ کے حاکم ہونگے۔ ان کا خیال تھا کہ بہاؤ الدین اپنی ذاتی مخالفت کی وجہ سے شیخ جلال الدین کے خلاف فیصلہ دیں گے۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتان سے چل کر دہلی آئے۔ دہلی کے تمام مشائخ عظام جامع مسجد میں جمع تھے۔ شیخ نجم الدین اُس گانے والی عورت کو لے کر آ گئے اور شیخ جلال الدین کو بلانے کے لئے ایک خادم کو بھیجا۔ شیخ جلال الدین آئے ابھی وہ مسجد کے دروازے پر اپنا جوتا اتار رہے تھے تو مسجد میں بیٹھے تمام مشائخ ان کے استقبال کے لئے بڑھے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا نے خود اٹھ کر شیخ جلال الدین کے جوتے پکڑے اور مسجد میں لے آئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر تمام حاضرین حیران رہ گئے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ میں شیخ جلال الدین کے جوتوں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آپ سات سال تک سفر و حضر میں شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ رہے ہیں۔

یہ کہہ کر اس عورت کو مجلس میں طلب کیا۔ اور کہا جاء الحقُ و زھق الباطل انّ الباطل کان زھوقاً، (حق آ گیا باطل چلا گیا۔ باطل جانے ہی والا تھا) آپ نے فرمایا کہ یہاں سچی سچی بات کرنا ورنہ بچ نہ سکو گی۔ اس عورت نے بلند آواز سے کہا اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے میں نے حضرت شیخ جلال الدین کے خلاف جھوٹی تہمت لگائی تھی آدھے روپے ابھی تک احمد بقال کے پاس پڑے ہیں۔ اُسے بلا کر پوچھ لیا جائے نجم الدین نے مجھے دینے کے لئے اُس کے پاس رکھے ہوئے

ہیں۔ نجم الدین یہ صورت حال دیکھ کر بے حد شرمندہ ہوئے۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے بادشاہ نے اُسی وقت حکم دیا کہ اِس کو شیخ اسلامی کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ اور ان کی جگہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو مقرر کیا جائے۔

اس واقعہ کے چند دن بعد جلال الدین نے دہلی کو چھوڑ دیا اور بدایون آ گئے اور وہیں رہنا شروع کر دیا بدایون میں آئے ابھی چند گزرے تھے ایک دن اپنے دوستوں کو لے کر بدایون کے نزدیک بہنے والے دریا کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے کہ فوراً اٹھے تازہ وضو کیا اور فرمایا دوستو اٹھو شیخ نجم الدین صغریٰ کا جنازہ پڑھ لیں کیونکہ ابھی ابھی وہ دہلی میں انتقال کر گئے ہیں۔ نماز جنازہ کے بعد فرمایا۔ اگرچہ میں ان کی تہمت تراشی کی وجہ سے دہلی سے نکل آیا ہوں۔ لیکن وہ میرے پیروں کی دعا سے دنیا سے چلے گئے ہیں۔ چند دنوں کے بعد یہ اطلاع ملی کہ واقعی جس دن شیخ جلال الدین نے بدایون میں نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ شیخ نجم الدین صغریٰ کا اُسی دن دہلی میں انتقال ہوا تھا۔

کتابوں میں بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال الدین تبریزی کے اختلاف کا واقعہ یوں لکھا ہے۔ ایک دفعہ یہ دونوں بزرگ ایک سفر میں اکٹھے جا رہے تھے وہ اس شہر میں جا پہنچے۔ جہاں شیخ فرید الدین عطار رہا کرتے تھے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا تو عبادت میں مشغول ہو گئے۔ لیکن شیخ جلال الدین شہر کی سیر کو نکل پڑے اچانک وہ شیخ فرید الدین عطار کی خانقاہ کی طرف جا نکلے۔ آپ نے شیخ فرید الدین کو دیکھا تو ان کے انوار و کمالات سے بے حد متاثر ہوئے۔ رات کو واپس آئے تو شیخ بہاؤ الدین کو کہنے لگے کہ آج میں نے اتنا بڑا شہباز دیکھا ہے جس کے جمال باکمال سے مدہوش ہو گیا ہوں۔ مجھے اور کسی چیز کی خبر ہی نہیں رہی شیخ بہاؤ الدین نے کہا کیا تمہیں اپنے مرشد کے انوار کمال کی بھی یاد نہ آئی انہوں نے فرمایا کہ میں

ان کے جمال میں اتنا محو تھا کہ مجھے کسی دوسرے کی خبر ہی نہیں رہی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا نے ان کی یہ بات سُنی اور فرمایا آج کے بعد تم میرے ساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

بدایون میں حضرت شیخ جلال الدین اپنے مکان کی دہلیز پہ بیٹھے تھے گلی سے ایک ہندو گزرا جو لسی بیچ رہا تھا۔ شیخ نے اُسے نظر بھر کر دیکھا تو وہ بے اختیار کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اس کا نام علی رکھا۔ وہ گھر گیا اور گھر سے اپنا تمام روپیہ اور دولت اٹھا کر حضرت شیخ کی خدمت میں لے آیا اور کہنے لگا کہ میں اِس دولت سے دست بردار ہوتا ہوں یہ اب آپ کی ہے اِسے آپ خرچ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ روپیہ اپنے پاس محفوظ رکھو جب میں کہوں گا وہاں خرچ کرنا۔ حضرت شیخ کے پاس کوئی غریب یا مسکین آتا تو آپ علی کو اس کی امداد کے لئے کہتے۔ مگر کسی کو دس روپے سے کم نہ دلاتے۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ علی کا سارا روپیہ ختم ہو گیا۔ علی کے دل میں خیال آیا کہ اب اگر حضرت شیخ نے مجھے کسی کو دینے کا حکم دیا تو کہاں سے دوں گا۔ کچھ دیر بعد ایک فقیر آیا تو کہا کہ علی تمہارے پاس ایک روپیہ بچ گیا ہے وہ بھی اِسے دے دو۔

قاضی کمال الدین جعفری اور شیخ جلال الدین تبریزی آپس میں بڑے دوست تھے ایک دن حضرت شیخ قاضی کمال الدین کے گھر تشریف لے گئے تو قاضی اُس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ ملازموں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت قاضی نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا قاضی نماز پڑھنی جانتا ہے۔ یہ کہہ کر اُٹھے اور اپنے گھر واپس آ گئے۔ دوسرے دن قاضی کمال الدین آپ کو ملنے آئے تو اُس بات کا گلہ کیا جو آپ کہہ کر آ گئے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں فقراء کی نماز یوں ہوتی ہے کہ جب تک اُن کی نگاہوں کے سامنے کعبہ نظر

نہ آئے تو وہ اللہ اکبر نہیں کہتے۔ یہ ان کی ابتدائی درجے کی نماز ہوتی ہے جب وہ عظیم مرتبے پر پہنچتے ہیں تو وہ عرش عظیم پر نماز پڑھتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ مقام مل گیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ یہ عامیانہ نماز ہے۔ قاضی نے یہ بات سنی تو دل میں گُھٹ کر رہ گئے۔ لیکن کچھ نہ کہا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدین عرش معلیٰ پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ صبح سویرے اٹھے۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو معذرت کی اور اپنے بیٹے سیف الدین کو آپ کا مرید بنا دیا۔

جب شیخ جلال الدین بدایون سے بنگال کی طرف گئے تو ان دنوں علی بھی آپ کے درویشوں میں داخل تھا۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے بھاگتا تھا اور روتا تھا۔ شیخ اُسے فرماتے علی واپس چلے جاؤ اور بدایون میں چلے جاؤ علی نے کہا میں آپ کے بغیر اس شہر میں نہیں رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تم یہیں رہو یہ شہر میں نے تمہارے حوالے کر دیا ہے اور تمہیں اس شہر کا قطب بنا دیا ہے یہاں رہتے تم ہر وقت مجھے دیکھ لیا کرو گے۔ میرے اور تمہارے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علی وقت کا قطب بن گیا اور وہ جس وقت چاہتا سر اُٹھا کر حضرت شیخ کو دیکھ لیتا۔

حضرت شیخ بنگال پہنچے تو تمام مخلوق ان پر ٹوٹ پڑی۔ آپ نے وہاں ایک بہت بڑی مسجد بنائی۔ خانقاہ تعمیر فرمائی اور مکین ہو گئے۔ خانقاہ کے ساتھ کچھ باغ اور کچھ زمین خرید لی۔ اور عام لوگوں کے لئے لنگر کھول دیا۔ روز ہزاروں مسافر اور مسکین آپ کے دسترخوان سے کھانا کھاتے۔ اُس علاقے میں ایک بہت پرانا بت خانہ تھا۔ آپ نے اپنی کرامت سے ان بتوں کو توڑا اور ایک بہت بڑی مسجد کی بنیاد رکھی۔ بت پرستوں کو دامن اسلام میں جگہ دی۔ آپ کا مزار اُسی بت خانے میں بنا ہوا ہے۔

سیّد محمد گیسو دراز کے ملفوضات جوامعِ الکلم میں لکھا ہوا ہے کہ شیخ فریدالدین گنج شکر ابھی بچے تھے تو آپ بہت عبادت میں مشغول رہتے۔ لوگوں نے آپ کا نام قاضی زادہ دیوانہ رکھ دیا۔ ایک بار شیخ جلال الدین تبریزی شیخ فریدالدین گنج شکر کے شہر (پاک پتن) میں قیام فرما تھے۔ آپ نے لوگوں کو پوچھا کہ اس شہر میں کوئی درویش رہتا ہے لوگوں نے بتایا جامع مسجد میں ایک دیوانہ لڑکا ہے آپ اس لڑکے کو دیکھنے کے لئے گئے۔ ساتھ ایک انار لیا اور شیخ فریدالدین کو پیش کیا شیخ فریدالدین روزہ دار تھے۔ آپ نے انار کو توڑا اور تمام حاضرین میں تقسیم کر دیا اتفاقاً انار کا ایک دانہ وہاں پڑا رہا۔ اُس دن آپ نے اُس انار کے دانے سے روزہ افطار کیا۔ وہ انار کا دانہ کھاتے ہی بڑے بلند درجات پر فائز ہو گئے آپ کہا کرتے تھے افسوس اس دن میں نے سارا انار نہیں کھا لیا۔ ورنہ میرا مقام کچھ اور ہوتا۔ جن دنوں آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے نہایت حسرت کے ساتھ انار نہ کھانے پر افسوس کیا۔ حضرت شیخ قطب الدین نے فرمایا۔ بابا فرید جو کچھ تھا وہ اُس ایک دانے میں تھا۔ اللہ نے اُسے تیرے لئے محفوظ رکھ لیا تھا۔

آپ کا وصال چھ سو سنتالیس ہجری میں ہوا۔

تاریخ وفات :۔

شد چو از دنیا جلال الدین بخلد
سال وصل آن والا مکان !!
زبدۂ دین صاحب توحید گو
نیرّ اکبر جلال الدین بخواں
۶۴۲ھ

۶۴۲ھ

آپ ترکستان کے رہنے والے تھے۔

۹۔ شیخ محمد ترک نارنولی قدس سرہٗ:۔ وہاں سے ہندوستان تشریف لائے اور بمقام نارنول قیام فرما ہوئے آپ کو سلطان ترک اور پیر ترک کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور حضرت شیخ عثمان ہارونی کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ نے بھی خرقۂ خلافت عطا کیا تھا وہ ایک عرصہ تک . . . نارنول میں رہے اور خلق کو ہدایت کی راہ دکھاتے رہے۔ ابتدائے کار میں نارنول میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اور آپ کے ہمراہی مسلمان تھوڑے تھے۔ ہندوؤں نے پروگرام بنایا کہ مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے وہ مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگے۔ عید الفطر پر مسلمان نمازِ عید کی ادائیگی کے لئے شہر سے باہر جمع ہوئے جب تمام نمازیں کھڑے ہوئے تو ہندوؤں نے مل کر اچانک حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو سجدہ میں ہی شہید کر دیا۔ حضرت شیخ بھی اسی موقعہ پر جام شہادت نوش کر گئے۔ اور اپنے حجرے میں دفن کر دیئے گئے۔ اس مقام پر شہیدوں کا مشہد بنایا گیا۔ مگر ان میں سے دو شہید بڑے مشہور ہوئے۔ ایک کو شہید بلند کہا جاتا تھا۔ جن کا مزار ایک بلند جگہ واقع ہے دوسرے شہید نشیب کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کا مزار مبارک ایک پست جگہ پر ہے۔ ان کی کرامات آج تک ان کے مزارات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ کئی لوگوں نے ان مزارات سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز بھی سنی ہے یہ آواز جمعہ اور جمعرات کو تو خصوصیت سے آتی ہے۔

اخبار الاخیار کے مولف (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلی) لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ کو بادشاہ وقت نے ناراض ہو کر ٹھٹھہ جانے کا حکم دیا۔ شیخ نارنول کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ نارنول سے ایک میل

دُور تھے کہ اپنی بہلی سے اُتر آئے اور پیادہ پا ہو کر نارنول کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت شیخ کے مقبرے پہ پہنچے تو وہ مقبرے کے سامنے بہت بڑا پتھر پڑا تھا چند لمحے اس پتھر کو دیکھتے رہے اور ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مزار کی زیارت سے فارغ ہوئے تو کسی شخص نے آپ سے پوچھا تو فرمایا یہ کیسے خدمت گزار ہیں کہ خود اِن کے آقا اُن کی خیریت دریافت کرنے تشریف لاتے ہیں۔ میں جب پہلے روضے کی طرف داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس پتھر پہ جناب سرورِ کائنات شاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پُرفتوح اِس پتھر پہ آفتاب کی طرح جلوہ فرما ہے۔ جب تک حضور کی مبارک صورت میرے روبرو رہی میں پتھر کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔ صورت اُوجھل ہوئی تو میں مزار پُرانوار کی زیارت کے لئے آگے بڑھا مجھے قوی اُمید ہے کہ جس شخص کو بھی کوئی مشکل پیش آئے گی اور اس روضے کی طرف آئے گا تو نا اُمید نہ لوٹے گا حاضرین مجلس میں سے ایک بے باک شخص نے کہا آپ بھی ایک مشکل میں گرفتار ہیں۔ اس آسانی کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ہماری مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔ شیخ نصیر الدین محمود نارنول سے روانہ ہوئے تھے خبر آئی کہ دہلی کے بادشاہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ اُسی وقت واپس ہوئے اور دہلی پہنچ گئے کہتے ہیں کہ وہ پتھر اب تک حضرت شیخ محمد ترک کے مزار کے پاس موجود ہے اور بے پناہ خلقت اس کی زیارت سے مستفید ہوتی ہے۔

تذکرہ العاشقین میں شیخ محمد ترک کی وفات چھ سو بیالیس ۶۴۲ھ ہجری میں لکھی ہے

چوں نزد نیلئے دوں محمد رفت	سال ترحیل آں شہِ ذی شاں
اولاً محب لاثانی	بعد ازاں متقی محمد خواں
۶۴۲ھ	۶۴۲ھ

خواجہ فخرالدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ:- آپ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ حلال کی روزی کمانے کے لئے کاشت کاری کیا کرتے تھے اور اجمیر کے قریب ہی موضع ماندل میں رہتے تھے۔ ساری عمر مخلوق کی ہدایت میں گزاردی۔ چھ سو ترپن ہجری ۶۵۳ھ کو پیدا ہوئے آپ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد بیس۲۰ سال تک زندہ رہے آپ قصبۂ سرواڑ میں فوت ہوئے اور وہاں ہی ایک تالاب کے کنارے پہ آپ کا روضہ ہے۔

خواجہ دین جناب فخرالدین — مثل گل رفت چوں بباغ جناں
وصل او جو ز خواجۂ والا — رحلتش خواں ز مقتدائے زماں
۶۵۳ھ — ۶۵۳ھ

خواجہ محمود مونیہ دُوز قدس سرہٗ:- آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے خاص مرید تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مصاحب اور معتقد تھے بڑے عابد زاہد متقی اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ سماع کو نہایت شوق سے سنتے۔ آپ پچپن ۵۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے آپ کا روضہ خواجہ قطب الدین بختیار کے مقبرے کے ساتھ ہے۔ جس کسی کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو آپ کے روضہ سے پتھر کا ٹکڑا یا اینٹ اٹھا کر لے آتا ہے اور گھر میں رکھ لیتا ہے تو مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اور جب مشکل آسان ہو جاتی ہے تو اس پتھر کے وزن کی شکر لے کر غریبوں میں بانٹ دی جاتی ہے اور پتھر کو پھر وہاں رکھ دیا جاتا ہے

شد چو محمود زین جہاں فنا — سال ترحیل آں شہ مسعود
ہست ہادی مرشد کامل — ہم بخواں ماہتاب حق محمود
۶۵۵ھ — ۶۵۵ھ

شیخ بدر الدّین غزنوی قدس سرہٗ

آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کا وطن غزنی تھا۔ اکثر سماع میں محو رہتے۔ وقت کے مشائخ آپ کی بزرگی کے معترف تھے اور آپ کا ذکر اچھے طریقے سے کرتے۔ آپ خود بھی مجلسِ وعظ برپا کرتے آپ کی ایسی مجالس میں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر حاضر ہوا کرتے تھے۔ جن دنوں آپ غزنی سے برصغیر ہندوستان میں تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ نے لاہور میں قیام کیا اور پھر دہلی گئے۔ وہاں جا کر قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید ہوئے۔

سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ بدرالدین حضرت خضر علیہ السلام سے ملا کرتے تھے۔ حضرت خضر بھی آپ کی مجالس میں تشریف لاتے۔ ایک دن آپ کے والد نے کہا کہ اگر میری حضرت خضر سے ملاقات کرا دو تو بڑی اچھی بات ہوگی۔ ایک دن آپ مسجد میں تقریر کر رہے تھے تو ایک شخص عام لوگوں سے ہٹ کر دُور بیٹھا ہوا تھا حضرت شیخ بدرالدین نے اپنے والد کو اشارہ کر کے کہا کہ دیکھیے وہ خواجہ خضر بیٹھے ہیں۔ والد نے دل میں کہا کہ مجلسِ وعظ کے بعد میں خواجہ خضر سے مِل لوں گا مجلس ختم ہوئی تو حضرت خضر بھی غائب تھے۔

شیخ بدرالدین ۶۵۷ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاؤں کی طرف ہے۔

بدرالدین چوں بخُلد روشن شد	سالِ ترحیل آں شہِ حق بین
کاشف رازِ اولیاء فرما	نیز پیر سعید بدر الدّین !
۶۵۷ھ	۶۵۷ھ

شیخ جمال الدّین ہانسوی قدس سرّہٗ

آپ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ کا

خطاب خطیب اور قطب تھا۔ آپ کا نسب نامہ چند واسطوں سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر نے آپ کی روحانی تربیت میں اتنی توجہ فرمائی کہ خود بارہ سال تک ہانسی میں قیام فرمایا اور آپ کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ شیخ جمال جمالِ ماہست۔ آپ اکثر فرمایا کرتے۔ جمال الدین میرا دل چاہتا ہے کہ تیرا طواف کروں۔ حضرت خواجہ گنج شکر جس کو خلافت نامہ تحریر کر کے دیتے تو اُسے شیخ جمال الدین کے پاس بھیجتے۔ اگر وہ منظور فرما کر دستخط کر دیتے تو پھر اُس کو خلافت نامہ کی منظوری ہوتی ورنہ شیخ فرید الدین بھی اسے ردّ فرما دیتے اور آپ فرماتے کہ جس خلافت نامہ کو جمال الدین نے پھاڑ دیا ہے فرید اُس کو نہیں سی سکتا۔

شیخ جمال الدین نے جس وقت یہ حدیث پڑھی تو عذابِ قبر سے بے پناہ ڈرنے لگے۔ القبرُ روضۃ من ریاض الجنۃ ولحفرۃ من حفرات النیران (قبر جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور قبر جہنّم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے) جسوقت آپ کا انتقال ہوا کچھ عرصے کے بعد آپ کی قبر پر گنبد تعمیر کرنے لگے۔ بنیاد کھود رہے تھے کہ مزار سے ایک روشن دان نمودار ہوا جس سے جنّت کے باغوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ لوگوں نے اُسے اُسی وقت بند کر دیا۔

شیخ جمال الدین کی تصانیف میں سے چند رسالے ملتے ہیں اُن میں سے ایک رسالہ بڑی خوبصورت عربی میں لکھا ہوا ہے اس کا نام ملحمات تھا۔ اس کی عبادت نہایت ہی مرغوب اور پسندیدہ تھی۔

حضرت جمال الدین چھ سو اُنسٹھ ہجری میں فوت ہوئے آپ کا مزار گوہر بار ہانسی میں ہے وفات کے بعد حضرت شیخ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور

آپ کے احوال کے متعلق پوچھا فرمایا جب مجھے قبر میں دفنایا گیا تو عذاب کے دو فرشتے آئے وہ مجھے عذاب دینا چاہتے تھے تو اُن کے پیچھے دو اور فرشتے آئے انہوں نے اللہ کا فرمان پہنچایا کہ اس شخص کو بخش دیا گیا ہے۔ یہ شام کی سنتوں کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتا تھا جس میں سورہ بُروج اور والطارق پڑھا کرتا تھا پھر یہ فرض نماز کے بعد آیت الکرسی بھی پڑھا کرتا تھا۔

رفت چوں از جہاں بخُلد بریں آں جمال و کمال دینِ نبی
گفت سرور بسال رحلت او عارفِ حق جمال دینِ نبی

سنہ ۶۵۹ھ

شیخ احمد نہروانی قدس سرہٗ

آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے مشہور خلیفہ تھے۔ بڑے بلند پایہ بزرگ اور اسرارِ حقیقت کے واقف تھے۔ حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کسی کو بہت کم پسند فرمایا کرتے تھے مگر حضرت شیخ نہروانی کے متعلق فرمایا کرتے کہ شیخ احمد نہروانی صوفیوں کے منبع ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ جس مجلس سماع میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا انتقال ہوا اُس میں شیخ احمد نہروانی بھی موجود تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ احمد نہروانی بافندگی کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ کام کے دوران ہی اُن پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ اپنے آپ ہی غائب ہوجاتے۔ کام سے دستبردار ہوجاتے لیکن خودبخود کپڑے بنتے جاتے۔

ایک دن قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ احمد نہروانی کو ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت شیخ کھڈی پر بیٹھے کپڑا بُن رہے تھے اپنے پیرومرشد سے وہاں ہی ملاقات ہوئی وداع کے وقت قاضی حمید الدین نے فرمایا

"احمد اصل کام چھوڑ کر کب تک اس کام میں لگے رہو گے تمہیں کوئی اچھا کام کرنا چاہیے یہ کام اللہ کے بندوں کا نہیں ہے اسے چھوڑ دو اور اپنا کام کرو جو تمہارے کسی کام آئے۔ اس کام سے تو بے کاری بہتر ہے"۔ قاضی حمید الدین رخصت ہوتے تو حضرت شیخ احمد اٹھے اور ایک موٹی سی لکڑی کو ہاتھ میں لیا تاکہ میخ کو ٹھونک سکیں کیونکہ اُس میخ سے آپ کی کھڈی کی رسیاں ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔ جونہی آپ نے وہ لکڑی میخ پر ماری تو آپ کے ہاتھ پر آ لگی ہاتھ ٹوٹ گیا اور اس کام سے بے کار ہو گئے۔ اور اب دن رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ آپ کی وفات چھ سو اکسٹھ ۶۶۱ھ ہجری میں ہوئی۔

شیخ احمد چوں ز دنیا رخت بست	داخل فردوس شد آں جنتی
سالِ ترحیلش چو گفتم از خرد	گشت احمد مرشد دین منجلی

۶۶۱ھ

شیخ فرید الحق والدین گنج شکر اجودھنی قدس سرہٗ

آپ بلند پایہ اولیاء کرام میں سے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے عظیم صوفی مانے جاتے ہیں۔ آپ مجاہدہ اور ریاضت کشف و کرامت میں بے مثال تھے ذوق و شوق اور محبت خداوندی میں ایک علامت مانے جاتے تھے آپ کے والد ماجد جمال الدین سلیمان حضرت سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں کابل سے لاہور پہنچے۔ کچھ عرصہ قصور شہر میں رہے مگر بادشاہ کے حکم پر ملتان چلے گئے وہاں جا کر ملا وجیہہ الدین خجندی کی بیٹی قسرم خاتون سے شادی کی۔ آپکے تین بیٹے ہوئے ایک کا نام عیاض الدین محمود تھا۔ دوسرے کا نام فرید الدین مسعود تھا اور تیسرا نجیب الدین متوکل تھا آپ کا سلسلہ نسب کابل کے بادشاہ فرخ شاہ سے

آٹھ واسطوں پر ملتا ہے اسی طرح سترہ واسطوں سے سلطان ابراہیم ادھم سے جا ملتا ہے پھر تیئیس ۲۳ واسطوں سے حضرت فاروقِ اعظم عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہٗ سے جا ملتا ہے۔

شیخ فریدالدّین گنج شکر بن جمال الدین سیلمان بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور فرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیر الدین بن محمود المعروف بے نیشمان شاہ بن سامان شاہ بن سیلمان بن بن مسعود بن عبد اللہ بن واعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن قطب العالمین سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادھم بن سیلمان بن حر بن عبد اللہ بن امیر المومنین فاروق اعظم عالی جناب عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہٗ افغانستان کابل کے بادشاہ فرخ شاہ کی وفات کے بعد جب غزنوی بادشاہوں کے قبضے میں آگیا۔ سلطنت کے حالات خراب اور ابتر ہو گئے۔ بادشاہ کے بیٹے اور دوسری اولاد کابل میں ہی تھی۔ جن دنوں چنگیز خان نے عالمِ اسلام پر حملہ کیا۔ ایران اور توران کی سلطنتوں کو تہہ و بالا کر دیا تو کابل بھی اس طوفان کی زد میں آگیا۔ حضرت شیخ کے جدِ امجد اِن دنوں کابل میں تھے آپ شہید ہو گئے آپ کے والد اپنے بچوں کو لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے پھر یہاں ہی رہنے لگے۔

شیخ فرید مسعود شکر گنج پانچسو بیاسی ۵۸۲ ہجری کو ملتان کے علاقے قصبہ کھوتوال میں پیدا ہوئے لیکن آپ کی پرورش ملتان میں ہوئی اور خواجہ قطب الدّین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور آپ کو قطب الموحدین و قطب الزاہدین گنج شکر کے القابات ملے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ اپنے گھر میں نمازِ تہجّد پڑھ رہی تھیں ایک ہندو چوری

کے لیے آپ کے گھر داخل ہوا اُس کی آنکھیں اس عورت پر پڑیں تو اندھا ہو گیا باہر جانے لگا تو اُسے راستہ نظر نہ آیا چلّا کر آواز دی اے اللہ کے بندو میں چوری کرنے آیا تھا اب اندھا ہو گیا ہوں میں توبہ کرتا ہوں کہ پھر زندگی بھر یہ کام کبھی نہ کروں گا۔ شیخ فرید کی عمر اسوقت چھ سال تھی وہ پاس ہی سوئے ہوئے تھے اٹھے اور چور کے حق میں دُعا کی۔ وہ اُسی وقت بینا ہو گیا۔ دوسری صبح وہ چور اپنے بال بچے کو لے کر آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ وہ ساری زندگی آپ کی خدمت میں حاضر رہا جب مرا تو قصبہ کھوتوال میں دفن ہوا۔

جب حضرت شیخ فرید مکتب میں داخل ہوئے تو تھوڑے ہی دِنوں میں تمام علوم پڑھ لیے قرآن پاک حفظ کیا ملتان میں مولانا منہاج الدّین کی مسجد میں کتاب نافع پڑھ رہے تھے انہی دنوں خواجہ قطب الدین اوشی ملتان میں تشریف لائے اُسی مسجد میں پہنچ کر شیخ فریدالدین سے پوچھا بیٹا کیا پڑھ رہے ہو آپ نے عرض کیا کہ نافع پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اِنشاءاللہ اِس کتاب سے نفع پاؤ گے۔ خواجہ فریدالدین کو خواجہ قطب الدّین کی بات اتنی پسند آئی کہ دل میں اُتر گئی اور مرید ہو گئے۔ خواجہ قطب الدین ملتان سے روانہ ہوئے تو آپ بھی دہلی کی طرف ساتھ چل پڑے۔ مگر حضرت خواجہ نے یہ بات منظور نہ کی اور فرمایا تم ملتان میں رہو۔ ظاہری علوم حاصل کرو پورے عالم بنو پھر ہمارے پاس آنا۔ کیونکہ بے علم زاہد شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ فریدالدّین کچھ عرصہ بعد ملتان سے قندھار گئے۔ اور علم حاصل کرنے کے بعد بغداد پہنچے۔ اُن دنوں شیخ شہاب الدّین عمر سہروردی، سیف الدین باخرزی، سعدی حموی، بہاءالدین حموی، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی، شیخ اوحدالدین کرمانی اور شیخ فریدالدین

نیشاپوری جیسے اولیاء اللہ موجود تھے۔ آپ اِن بزرگوں کی مجالس میں رہے اور کچھ عرصہ بعد دہلی آ گئے اور اپنے پیر کی خدمت میں رہنے لگے۔

خواجہ قطب الاقطاب نے حضرت شیخ فریدالدین کے لیے ایک علیحدہ حجرہ بنایا تھا آپ کو حجرے میں روحانی تربیّت دی گئی اور خرقۂ خلافت عطا کیا گیا

حضرت خواجہ فرید گنج شکرؒ کی ولائیت وکرامت کی شہرت عالمِ اسلام میں پھیلی تو ہزاروں تشنگان بادۂ روحانیت آپ کے دروازے پر جمع ہونے لگے آپ حتی الامکان کوشش کرتے کہ عام لوگوں سے دُور رہیں۔ چنانچہ آپ قصداً دہلی چھوڑ کر ہانسی چلے گئے اور وہاں دو سال تک رہے۔ مگر وہاں بھی لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ چنانچہ وہاں سے چل کر ایک غیر معروف مقام (اجودھن) پاکپٹن قیام فرما ہوئے۔ وہاں کے لوگ جاہل اور درشت تھے اور اُن میں سے اکثر بزرگان دین کے منکر بھی تھے۔ آپ شہر کے باہر کیکر کے درختوں کے ایک جھُنڈ میں رہنے لگے۔ وہاں آپ کے اہل وعیال اور دوسرے متعلقین اکثر فاقہ میں گزر بسر کرتے۔ بعض اوقات یوں ہوتا کہ انہیں تین دن کے بعد مشکل سے کھانا مُیسّر آتا چوں کہ آپ کو اللہ پر پورا بھروسہ تھا۔ آپ نے اس فاقہ کشی کی کبھی پروانہ کی۔ آہستہ آہستہ فتوحات اور نذرانے پہنچنا شروع ہوئے لیکن جو کچھ آتا آپ غریبوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیتے اور خود ڈھیلے کھا کر گزارا کرتے۔ اُن دنوں پاک پتن کے قاضی شہاب الدّین تھے۔ یہ ایک خشک مُلّا تھے حضرت شیخ کی مشہوری دیکھی تو حسد اور بُغض سے جل اُٹھے۔ پاک پتن کے جاگیرداروں کو آپ کے خلاف اُبھارا اور کہا کہ یہ شخص غیر شرع ہے سماع سنتا ہے اور رقص کرتا ہے اسے یہاں سے نکال دینا چاہیے۔ وہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں نے مہروں کے ساتھ ملتان کے گورنر کو ایک خط لکھا کہ اگر کوئی شخص سرود سُننے

رقص کرے تو اس کا کیا علاج کرنا چاہیے۔ ملتان کے گورنر نے جواب دیا کہ پہلے ایسے شخص کا نام لکھ کر بھیجو اُس کے بعد حکم لکھا جائے گا۔ قاضی نے حضرت خواجہ مسعود شکر گنج کا نام لکھا تو ملتان کے گورنر کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے قاضی کو سختی سے لکھا کہ تم ایسے شخص کے خلاف بات کرتے ہو جس کے اعمال اور اقوال پر کسی عالم دین یا شیخ طریقت نے اُنگلی نہیں اُٹھائی۔

قاضی اس بات پر بھی راضی نہ ہوا اور ایک قلندر کو کچھ روپیہ دیکر تیار کیا۔ کہ وہ خواجہ فرید کو قتل کر دے۔ چنانچہ ایک دن حضرت شیخ گودڑی اوڑھے مراقبہ فرما رہے تھے کہ اچانک وہ قلندر اندر آیا آپ اسکی نیّت کو بھانپ گئے۔ کسی خادم کو آواز دی اسوقت سُلطان المشائخ نظام الدین اولیاء موقعہ پر پہنچ گئے آپ نے انہیں بتایا کہ ابھی ابھی ہمارے گھر میں اس شکل و شباہت کا ایک قلندر داخل ہوا ہے۔ اسکی کمر میں زنجیر ہے کانوں میں سفید چاندی کے مُندرے ہیں اور بغل میں چھری ہے اُسکو کہہ دو کہ وہ یہاں سے چلا جائے ورنہ نقصان اُٹھائے گا قلندر نے آپ کی یہ باتیں اپنے کان سے ہی سُن لیں اور وہاں سے بھاگ گیا۔

ایک دن ایک بدبخت قلندر آپ کے پاس آیا آپ اُسوقت اپنی داڑھی کو کنگھی کر رہے تھے قلندر کہنے لگا یہ کنگھی مجھے دے دو۔ آپ نے فرمایا یہ کنگھی مستعمل ہے تمہیں نئی منگوا دوں گا۔ قلندر نے بلند آواز سے چلّا کر کہا مجھے یہی کنگھی دے دو تم کو برکت ہوگی۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں اور تمہاری برکت کو دریا میں پھینک دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسی دن قلندر دریا میں نہا رہا تھا پیچھے سے زور کا ایک ریلا آیا اور وہ دریا میں غرق ہوگیا۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ فرید کے بڑے بیٹے شیخ شہاب الدّین نے شکائیت کی کہ پاک پتن کا قاضی برملا مجھے اور میرے مریدوں

کو گالیاں دیتا ہے اور برسرِ عام بے عزتی کرتا ہے حضرت خواجہ فرید اپنے بیٹے کی باتوں سے بڑے متاثر ہوئے اور اپنی لاٹھی لے کر زمین پر ماری اسی وقت قاضی کے پیٹ میں درد اٹھا اور وہ چلاّنے لگا کہ مجھے شیخ فریدالدین کی خدمت میں لے جاؤ تاکہ میں اپنی غلطی کی معافی مانگوں اور توبہ کروں اس کے رشتہ دار اسے اٹھا کر لے جا رہے تھے کہ وہ راستے میں مرگیا۔

ہر آں کہتر کہ با مہتر ستیزد
چناں افتد کہ ہرگز بر نخیزد

(جو کمینہ اچھے لوگوں سے لڑتا ہے وہ ایسا گرتا ہے کہ پھر اٹھ نہیں سکتا۔)

سیر المشائخ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ایک نوجوان دہلی سے چلا اور توبہ کرنے کے ارادے سے حضرت خواجہ فریدالدین کی خدمت میں پاک پتن کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک فاحشہ اور گانے والی عورت کے ہمراہ سفر کرنے لگا چونکہ یہ نوجوان خوبصورت اور خوش شکل تھا وہ عورت اس کے بڑے قریب ہوتی گئی مگر وہ چونکہ توبہ کے ارادے سے نکلا تھا اس کی طرف توجہ نہ کرتا۔ سفر کے دوران اُنکا قافلہ ایک ایسی جگہ رُکا کہ دونوں کو ایک ہی کمرے میں رات گزارنا پڑی چونکہ دونوں اکیلے تھے دوسرے لوگ دوسری جگہوں پر تھے اس عورت نے کوشش کی کہ اسے قابو کرے۔ آدھی رات کا وقت ہوا عورت جتن کر رہی تھی کہ اچانک کوئی شخص کمرے میں پہنچا اور ایک زوردار تماچہ اس نوجوان کے منہ پر مارا اور فرمایا او بے ادب تم توبہ کے ارادے سے حضرت بابا فرید گنج شکر کے پاس جا رہے ہو اور راستے میں اِن کاموں میں مبتلا ہو گئے ہو یہ کہہ کر وہ آدمی غائب ہو گیا۔ نوجوان استغفر اللہ کہتے ہوئے اُٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ جب پاکپتن میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے

اُسے دیکھتے ہی فرمایا الحمد للہ تم اس فاحشہ عورت کے مکر سے بچ گئے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ دیپال پور کے قصبے میں ایک ایسا حاکم تھا جو شکار کا بڑا گرویدہ تھا اُس کے پاس ایک خاص قسم کا شکاری باز تھا اُس نے اپنے امیرِ شکار کو حکم دے رکھا تھا کہ اس باز کو شکار پر کبھی نہ چھوڑنا ایسا نہ ہو کہ ایک دفعہ اُڑ کر یہ واپس نہ آئے۔ اگر تم نے کوتاہی کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ ایک دن وہ امیر شکار کے لیے اپنے دوستوں کے ساتھ صحرا میں سے گزر رہا تھا دریا کی طرف سے کچھ مرغابیاں اُڑتی ہوئیں گزریں اس نے دوستوں کے کہنے پر اپنے باز کو شکار پر چھوڑا۔ باز اڑتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا امیرِ شکار بڑا پریشان ہوا اور زار زار رونے لگا آخر گرتے پڑتے شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی بے چینی سے اپنا واقعہ سنایا حضرت شیخ نے اُسے تسلی دی۔ محبّت سے پاس بٹھایا اور تمام دوستوں کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ کھانا کھا چکے تو آپ نے امیر شکار کو بُلا کر اپنے گھر کی دیوار کی طرف اشارہ کر کے بتایا دیکھو یہ باز تمہارا تو نہیں۔ امیرِ شکار خوشی سے کُودا اور باز کو جا کر پکڑ لیا اور بڑا خوش دیپال پور کے حاکم کے پاس گیا اور سارا واقعہ سُنایا۔ دیپالپور کا حاکم اُسی وقت اُٹھا اور امیرِ شکار کو ساتھ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرید ہو گیا۔ تارکِ دنیا بن گیا اور ساری زندگی حضرت شیخ فریدالدین کی خانقاہ کے دروازے پر جاروب کشی کرتا رہا۔

سیر الاقطاب میں ایک اور واقعہ لکھا ہوا ہے کہ دہلی کا بادشاہ اپنا لشکر لے کر دیپالپور کے قصبے کو تاخت و تاراج کرنے نکلا اُس نے سُن رکھا تھا کہ دیپالپور کے لوگ اسلام قبول نہیں کرتے بادشاہ کے سپاہی دیپالپور پہنچے مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ اُن عورتوں میں ایک تیلی کی بیوی

بھی تھی اس نے بار بار کہا کہ میں مسلمان ہوں مجھے چھوڑ دیا جائے لیکن کسی نے اسکی بات نہ سُنی۔ آخر تیلی حضرت خواجہ فریدالدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیوی کے متعلق فریاد کرنے لگا حضرت نے اس کی حالت دیکھی۔ اسکی شکائت سُنی تو اُسے تسلّی دی اور فرمایا تم تین دن تک میرے پاس رہو خُدا کے فضل سے تمہاری بیوی تمہیں مل جائے گی۔ تیسرے دن دیپال پور کے حاکم کے حکم سے ایک عامل کو قید کرکے لے جا رہے تھے۔ راستے میں پاکپتن لائے وہ بھی آپ سے امداد کا طلب گار ہوا۔ حضرت شیخ نے اُسے کہا کہ اگر تم قید سے بری ہو گئے تو تم غریبوں اور درویشوں میں کیا چیز تقسیم کرو گے۔ کہنے لگا میں اپنی ساری جائیداد، مال و دولت سے دستبردار ہوتا ہوں آپ نے فرمایا مجھے تمہارے مال سے کوئی مطلب نہیں لیکن ایک بات کا وعدہ کرو کہ جب تم رہائی پاکر اپنے حاکم سے خلعت پاؤ گے تو وہ خلعت اس تیلی کو دے دینا۔ جاؤ اس تیلی کو ساتھ لو اور دیپالپور لے جاؤ وہ اپنے حاکم کے پاس پہنچا تو اس نے اسی وقت اس کو رہا کر دیا اس کا جُرم معاف کر دیا اور ایک بڑی خوبصورت خلعت بطور انعام دی۔ ایک خوبصورت گھوڑا جس پر سونے کی زین تھی وہ بھی اُسے دے دیا اور ساتھ ہی ایک نہائیت خوبصورت کنیز انعام میں دے دی وہ عامل یہ تمام چیزیں لے کر وہاں سے روانہ ہوا اور تمام چیزیں اس تیلی کے حوالے کردیں اس کنیز نے تیلی کو دیکھا تو خوشی سے چلّا اٹھی یہ تو میرا خاوند ہے اس بات کا یہ اثر ہوا کہ تیلی نے تمام کاروبار چھوڑ دیا دونوں میاں بیوی حضرت خواجہ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ساری زندگی اللہ کے راستے میں وقف کر دی۔

اخبار الاخیار کے مصنّف لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ فریدالدین کو ابتدائی مجاہدے

اور ریاضت کے دوران حکم ہوا کہ وہ متواتر روزہ رکھیں اور تین دن کے بعد افطار کریں ایک دن افطار کے وقت کوئی شخص کھانا پکا کر لایا حضرت شیخ نے ایک دو لقمے کھائے مگر چند لمحوں بعد قے کر دی دوسرے دن اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا بابا فرید رات کو تم نے جو کھانا کھایا تھا وہ ایک شراب فروش کے گھر سے آیا تھا اللہ نے تم پر مہربانی کی قے ہوگئی اور یہ کھانا تمہارے پیٹ میں نہ رہا۔ اب تین دن بعد جو چیز غائب سے آئے وہ کھالینا۔ تین دن گزر گئے مگر کوئی چیز کھانے کو نہ آئی حتیٰ کہ چھ دن گزر گئے تو شیخ کو کھانے کی خوشبو تک میسّر نہ ہوئی۔ آدھی رات ہوئی تو آپ بھوک کی وجہ سے نڈھال تھے ہاتھ زمین پر مارا چند سنگریزے اُٹھائے اور منہ میں ڈال لیئے وہ اسی وقت شکر بن گئے جس وقت آپکو محسوس ہوا کہ یہ شکر کی ٹکڑیاں ہیں تو منہ سے تھوک دیں کہ شاید یہ شیطانی خوراک ہو۔ دوسری رات پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو سوچنے لگے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے روزہ افطار کیا۔ صبح حضرت مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا بابا فرید جو غائب سے آتا ہے بے عیب ہوتا ہے آج سے تم گنج شکر ہو۔ اللہ تعالے نے تمہارے لیے مٹی کو بھی شکر بنادیا ہے۔

تذکرۃ العاشقین میں لکھا ہے کہ ایک سوداگر نے اونٹوں پر شکر لادی اور ملتان سے دہلی کی طرف روانہ ہوا جب پاکپتن پہنچا تو حضرت شیخ نے پوچھا کہ اونٹوں پر کیا لادا ہوا ہے؟ کہنے لگا کہ ان پر نمک ہے آپ نے فرمایا کہ چلو نمک ہی سہی۔ جب وہ منزلِ مقصود پر پہنچا تو اونٹوں سے سامان اتارا تو سارا نمک تھا۔ بڑا حیران ہوا سمجھ گیا کہ یہ اسکے جھوٹ کی شامت ہے اسی وقت واپس پاکپتن پہنچا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کی اور نیازمندی کا اظہار کیا آپ نے

فرمایا کہ اگر شکر تھی تو چلو شکر بن جائے گی خانخاناں بیرم خان نے اس واقعہ کو نظم میں لکھا اس کا ایک شعر یوں ہے۔

کانِ نمک جہاں شکر شیخ بحر و بر
آں کو زشکر نمک کند واز نمک شکر

ایک دن حضرت شیخ خواجہ فریدالدین اپنے حجرے سے باہر نکلے دل میں آیا کہ آج اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے یہ برسات کا موسم تھا شیخ کے پاؤں میں لکڑی کے جوتے تھے کیچڑ کی وجہ سے آپ کا پاؤں پھسلا اور آپ گر پڑے۔ زمین سے مٹی شیخ کے مُنہ میں جا پڑی۔ آپ نے محسوس کیا کہ یہ مٹی نہیں شکر ہے۔ اٹھے اور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ فریدالدین آج جو مٹی تمہارے منہ میں شکر بن گئی ہے وہ اسوجہ سے ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں گنج شکر بنا دیا ہے، تمہیں ان نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرنی چاہیئے اور اللہ کی مخلوق سے مہربانی اور محبّت کرنی چاہیئے۔ ایسا ہی ایک واقعہ سیر الاقطاب کے مصنف نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین کو بچپن میں میٹھا کھانے کا بڑا شوق تھا آپ کی والدہ ماجدہ ہر روز تھوڑی سی مٹھائی سرہانے کے نیچے رکھ دیتی، صبح کے وقت اٹھتی تو نماز ادا کرنے کے بعد بچے کو کھلاتی۔ ایک دن آپ کی والدہ سرہانے کے نیچے مٹھائی رکھنا بھول گئیں جب شیخ نماز پڑھ چکے تو دیکھا کہ والدہ ماجدہ وظیفہ پڑھ رہی ہے آپ نے خود ہی اٹھ کر سرہانے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور روزانہ کی مٹھائی سے دُوگنی مٹھائی اٹھ کر کھانا شروع کر دی والدہ وظیفے سے فارغ ہوئیں دیکھا کہ اُن کا بیٹا مٹھائی کھا رہا ہے۔ پوچھا کہ یہ کہاں سے لائے ہو فرمایا جہاں سے آپ لا کر دیا کرتی تھی۔ والدہ سمجھ گئیں کہ یہ غیب سے ہے سر سجدے میں رکھ کر دعا کرنے لگیں اے اللہ اس بیٹے کو گنج شکر بنا دے

تاکہ یہ دنیا میں شیرینی تقسیم کرتا رہے۔

سیرالاقطاب میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین کئی سال تک ریاضت اور محنت کرتے رہے۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہے ایک دن سخت پیاس لگی ایک کنواں پر جا پہنچے جہاں رسی اور ڈول نہ تھا بڑی مایوسی سے کنویں پر کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں جنگل سے دو ہرن کنویں کے کنارے پر آ پہنچے۔ اُن کے آتے ہی کنویں کے پانی کو جوش آیا اور کنارے تک بھر گیا۔ دونوں ہرنوں نے پیٹ بھر کر پیا جب حضرت شیخ نے پینا چاہا تو پانی فوراً کنویں کی گہرائی میں چلا گیا۔ آپ کی حیرانگی کی انتہا نہ رہی۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگے۔ اے اللہ تو نے ہرنوں کو پانی دے دیا ہے اور اپنے بندے کو محروم کر دیا ہے۔ آواز آئی تم تو رسی اور ڈول کو تلاش کر رہے تھے ہرنوں کو تو صرف خدا پر بھروسہ تھا اس لیے تم محروم رہے اور ہرن سیراب ہو کر گئے۔ حضرت خواجہ فرید یہ بات سنتے ہی بہت پچھتائے اور چالیس دن تک پانی نہ پیا اور اسی کنواں میں چالیس دن تک چلہ معکوس کیا۔ جب چلہ پورا کر چکے تو زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی تاکہ چالیس روز کا روزہ افطار کریں یہ مٹی اسی وقت شکر بن گئی۔ غیب سے آواز آئی اے فرید تمہارا چلہ قبول ہو گیا تمہیں برگزیدہ بنا لیا گیا۔ اور شہر میں اولیاء کی جماعت میں ہم نے تمہیں گنج شکر بنا دیا۔

ایک دن شیخ فریدالدین اپنی لاٹھی پر تکیہ لگائے کھڑے تھے اچانک لاٹھی ہاتھ سے گر پڑی اور آپ بڑے حیران و پریشان ہو کر کھڑے رہے اس وقت خواجہ نظام الدین اولیاء حاضر خدمت تھے انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا میں اپنی لاٹھی پر تکیہ لگائے کھڑا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ناراض

ہو کر فرمایا کہ تم میرے بغیر دوسری چیز پر تکیہ رکھتے ہو اسی لیے میں نے لاٹھی ہاتھ سے چھوڑ دی اور اپنے کیے پر پشیمان اور پریشان ہوا۔

جن دِنوں خواجہ فریدالدین شکر گنج ہانسی سے چل کر پاکپتن پہنچے تو آپ نے جنگل میں ہی کریر کے درختوں کے نیچے قیام کر دیا یہ ایک ویران جگہ تھی آپ ایک دن راستے میں بیٹھے تھے ایک عورت سر پر دودھ کا گھڑا رکھے جا رہی تھی آپ نے فرمایا اے نیک بخت اتنی تیز کہاں جا رہی ہو اور تمہارے سر پر کیا ہے؟ عورت نے رو کر کہا کہ اے اللہ کے بندے اِس قصبے میں ایک جادوگر جوگی رہتا ہے ہم غریبوں پر اس نے اسقدر مصیبت ڈال رکھی ہے کہ ہم بیان نہیں کر سکتے وہ جو چیز ہم سے مانگتا ہے اگر ہم نہ دیں تو درد اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں ہر روز ایک نہ ایک گھر سے اسے دودھ پہنچانا ہوتا ہے اگر اُسے دودھ نہ پہنچایا جائے تو ہمارے گھر کا سارا دُودھ خون بن جاتا ہے میں اس لیے تیز تیز جا رہی ہوں کہ اگر دیر ہوگئی تو کوئی نئی مصیبت ہمارے سر پر ٹوٹ پڑے گی حضرت خواجہ نے اسکی داستان سنی فرمایا کہ آج تم یہاں بیٹھ جاؤ دودھ ان درویشوں میں تقسیم کر دو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جوگی کیا کرتا ہے عورت وہیں بیٹھ گئی دودھ کا گھڑا سر سے اُتارا اور تمام غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ خود جوگی کے خوف سے کانپ رہی تھی کہ جوگی کا ایک چیلہ وہاں آ پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ عورت نے جوگی کے حصّے کا دودھ فقیروں میں بانٹ دیا وہ حسد اور غیرت سے جل اُٹھا۔ عورت کو گالیاں دینے لگا حضرت شیخ نے اُسے سمجھایا کہ اس قسم کی بدزبانی سے باز آجاؤ یہ سُنتے ہی اس کی زبان بند ہوگئی۔ اس کے پاؤں زمین میں جکڑے گئے۔ اب نہ بول سکتا تھا اور نہ اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا۔ اب جوگی کا ایک اور چیلہ پہنچا وہ بھی پہلے کی طرح

جکڑا گیا۔ اِسی طرح جوگی کے تمام چیلے ایک ایک کرکے آتے رہے اور زمین میں جکڑے جاتے رہے۔ آخرکار جوگی خود اُٹھا اور اپنے چیلوں کی تلاش میں وہاں پہنچا۔ انہیں دیکھ کر غضب میں آگیا اور گالیاں بکنے لگا۔ حضرت شیخ نے آواز دی کہ اے زمین اِس بے دین کو بھی پکڑ لو۔ اس کے بھی پاؤں زمین میں جم گئے۔ اس نے اپنے جادو اور منتر سے بڑی کوشش کی مگر اُسے رہائی نہ ہوئی آخر اس نے آہ وزاری شروع کر دی۔ آپ نے فرمایا تمہیں اِس شرط پر چھوڑا جائے گا اگر تم اِسی وقت بوریا بستر باندھ کر یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی اس طرف منہ نہ کرنا۔ جوگی یہ بات مان گیا اور اپنے چیلوں کے ساتھ پاکپتن کی سرزمین کو چھوڑ کر کہیں دُور چلا گیا۔

پاکپتن کے قریب ہی ایک قصبہ نوشہرہ ہے ایک دن حضرت خواجہ وہاں تشریف لے گئے آپ نے مسواک کی۔ مسواک کرنے کے بعد اُسے اپنے ہاتھ سے زمین میں گاڑھ دیا یہ مسواک اسی وقت ایک درخت بن گئی اور بڑا قد آور درخت بن کر لہلہانے لگا۔ جس دن حضرت خواجہ فرید پاک پتن کو روانہ ہوئے تو یہ درخت بھی اپنی جڑوں کو سمیٹتا ہوا حضرت شیخ کے پیچھے چل پڑا آپ نے دیکھا تو فرمایا اُسکن یا شجر(اے درخت یہیں رُک جا) لیکن درخت وہاں رکنے کی بجائے آپ کے پیچھے پیچھے آتا رہا آپ نے اسے پھر کہا لیکن وہ عشق ومحبت کی وجہ سے وہاں نہ رُکا۔ تیسری بار آپ نے غصّے سے رُکنے کو کہا اور اسکی شاخوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور فرمایا او بے ادب یہاں رک جاؤ اسکی جڑیں زمین کے باہر ہی تھیں اور شاخیں زمین میں جا لگیں وہ درخت اسی طرح جھکا رہا۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس درخت کی زیارت کی ہے۔

سیرالاقطاب میں لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسوی حضرت شیخ فریدالدین کے خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت خواجہ آپ کو تمام خلفاء سے زیادہ چاہتے تھے۔ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے کئی بار حضرت خواجہ فرید سے درخواست کی کہ شیخ جلال الدین کو مجھے دے دیا جائے تاکہ وہ میرے پاس رہیں مگر حضرت فرید ہر بار جواب دیتے کہ جمال الدین ہمارا جمال ہے کوئی شخص اپنے حسن وجمال کو دوسرے کو نہیں دیتا۔ جب شیخ بہاء الدین ناامید ہو گئے تو شیخ جمال الدین کو اپنی کرامت سے اپنی طرف مائل کیا یہاں تک کہ شیخ جمال الدین ایک دن حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مجھے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس جانے دیں حضرت خواجہ فریدالدین خاموش رہے۔ آپ تین دن متواتر بار بار اجازت مانگتے رہے۔ حضرت خواجہ فرید کو غصہ آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ۔ اپنا منہ کالا کرو۔ آپ کی تمام نعمتیں سلب کر لی گئیں۔ چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور اپنی خانقاہ سے باہر نکال دیا اور حکم کر دیا کہ شیخ جمال الدین کی کوئی شخص سفارش نہ کرے۔

شیخ جمال الدین سیاہ چہرہ لیے تباہ حال خانقاہ سے روانہ ہوئے اور صحرا و بیاباں میں برہنہ پا اکیلے گھومتے رہتے تھے حضرت شیخ فرید کی ناراضگی کی وجہ سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ آپ کی سفارش کرے۔ ایک سال کے بعد ملتان کے ایک سوداگر عالم نامی کا وہاں سے گذر ہوا۔ اس نے شیخ جمال الدین کو اس خستہ حالی میں دیکھا۔ اس کے دل کو بڑا دکھ ہوا۔ کہنے لگا میں حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کروں گا۔ جب عالم سوداگر پاکپتن پہنچا تو حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے پوچھا کس کس راستہ سے آئے ہو

اور کہیں کس کس شخص کو ملے ہو؟ اب کس شہر سے آرہے ہو۔ اس نے سارے واقعات بیان کیے اور بتایا کہ حضور میں ملتان کے گرد و نواح میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ مجھے ایک تباہ حال اور خستہ حال شخص ملا۔ وہ پاؤں سے ننگا تھا۔ کپڑے گرد آلود تھے۔ دل بے قرار تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ چہرہ سیاہ ہو چکا تھا دل تباہ حال تھا آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں برس رہی تھیں۔ سر پر خاک ڈال رہا تھا۔ مجھے اسپر بڑا ترس آیا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ جمال الدین ہانسوی ہیں میں حیران رہ گیا کہ یہ بزرگ اس حالت میں ہیں۔ حضرت خواجہ نے تاجر کی زبان سے یہ حالت زار سنی تو حاضرین مجلس کو فرمایا جمال الدین نے بڑے دکھ اٹھائے ہیں اور بڑی سزا پائی ہے۔ اب ایک مختصر سا رقعہ لکھو جس پر یہ رباعی لکھی ہو۔

گرد گرد جہاں بگرد پا آبلہ کن — گر ہمچو منی یابی مارا پلہ کن
یک صبح باخلاص بیا بر در ما — گر کار تو بر نیاید آنگہ گلہ کن [۱]

حاضرین مجلس نے اس وقت ایک رقعہ لکھا۔ شیخ جمال الدین یہ رقعہ دیکھتے ہی دوڑے دوڑے حاضر خدمت ہوئے۔ آستاں بوسی کی اور روتے روتے پابوسی کی۔ حضرت خواجہ فرید نے نہایت محبت سے آپ کا سر اٹھایا۔ گلے لگایا اور سارا گلہ ختم کر کے مقامات بلند پر پہنچا دیا۔ فرمایا۔ جمال قطب العالم ہے۔ بلکہ قطب الاقطاب ہے وہ جسے چاہے گا قطبیت کے رستہ تک پہنچائے گا

---

(۱) ترجمہ۔ جاؤ سارا جہان چھان مارو۔ پاؤں میں چھالے پڑ جائیں تو بھی ساری دنیا میں ہم جیسا ملے تو ہم پر افسوس کرنا۔ کسی صبح خلوص و محبت سے ہمارے دروازے پر چلے آؤ۔ اگر تمہاری مراد پوری نہ ہوئی تو ہم سے گلہ کرنا۔

اس دن سے حضرت جمال الدین ہانسوی کو جسے چاہتے خلافت عنائیت ہوتی جب تک آپ کی مہر ثبت نہ ہوتی کسی کو خرقہ خلافت یا سند خلافت نہ ملتی تھی۔

حضرت شیخ فریدالدین نے پاکپتن میں ایک قطعہ زمین خریدا مگر ایک اور شخص نے اس کی ملکیت کا ناحق دعویٰ کر دیا اور اس نے دیپالپور کے حاکم کے پاس دعویٰ دائر کیا حاکم نے حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ وہ جواب دعویٰ لکھ کر بھیجیں تاکہ اس مقدمے کی پاکپتن کے لوگوں سے تحقیق کی جائے کیونکہ وہ صحیح صورتِ حال سے واقف ہیں حضرت شیخ نے کہا کہ یہ بات درست ہے پاکپتن کے لوگ ہی اس مقدمے میں صحیح شہادت دے سکتے ہیں۔ عدالت کے حاکم نے پھر کہا کہ جب تک آپ کا وکیل حاضر ہو کر زمین کی دستاویز پیش نہ کرے اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا جا سکتا حضرۃ خواجہ کو اس کی یہ بات ناگوار گزری اور ناراض ہو کر فرمایا اُس گردن شکستہ کو کہہ دو کہ ہمارے پاس دستاویز ہے اور نہ گواہ ہے۔ اگر تمہیں ہمارے کہنے پر اعتبار نہیں ہے تو خود موقعہ پر پہنچ کر زمین سے پوچھو کہ وہ کس کی ہے۔ حاکم نے یہ بات سنی تو حیران رہ گیا وہ امتحاناً اس زمین کے قطعے پر گیا اور اس کے ساتھ ہزاروں لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے چل پڑے کہ بھلا زمین کیا جواب دیتی ہے۔ حاکم نے پہلے اس جھوٹے مدعی کو اشارہ کیا کہ وہ زمین سے پوچھے کہ کیا وہ اس کی زمین ہے مدعی نے بلند آواز سے کہا۔ اے زمین تم سچ کہو کہ تم میری ہو یا شیخ فرید کی، زمین سے کچھ آواز نہ آئی۔ اس کے بعد حضرت شیخ فرید کا ایک خادم وہاں موجود تھا اس نے بلند آواز سے زمین کو کہا کہ اے زمین خواجہ فریدالدین کا حکم ہے کہ تم سچی بات کرو۔ اب بتاؤ تم کس کی ہو۔ زمین سے آواز آئی میں حضرت خواجہ فرید کی ملکیت ہوں۔ اس کرامت سے حاضرین میں بڑا شور مچا اور جھوٹا مدعی شرمندہ ہو کر بھاگ گیا۔ مقدمے کی تحقیقات کے بعد جب حاکم دیپالپور کی طرف چلا تو

راستے میں اس کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گر پڑا اور حاکم کی گردن ٹوٹ گئی۔

راحت القلوب جسے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے تصنیف کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ فرید کا ایک دوست محمد شاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے آکر قدم بوسی کی وہ بڑا پریشان اور آزردہ خاطر تھا حضرت شیخ نے اس سے صورتِ حال پوچھی تو اس نے بتایا کہ میرا بھائی محمد شیخ بیمار ہے اسکی حالت بڑی خراب ہے اور موت اسکے قریب ہے میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں اور مجھے یہ یقین نہیں کہ اب میرے گھر تک پہنچنے سے پہلے وہ زندہ رہے گا یا نہیں۔ آپ نے اس کی بات سن کر فرمایا تم گھر جاؤ تمہارے بھائی کو شفا ہو گئی ہے۔ محمد شاہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اور گھر گیا دیکھا کہ اس کا بھائی صحت یاب ہے۔ اور نماز ادا کر رہا ہے یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوا۔

اسی کتاب راحت القلوب میں ایک اور واقعہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین نوجوانی میں بغداد کے سفر سے واپس آئے اور ملتان پہنچے تو شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سے ملے۔ آپ نے پوچھا کہ فرید تمہارا کام کہاں تک پہنچا۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں یہ ہوا میں اُڑنے لگے آپ نے ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ کرسی زمین سے اٹھی اور ہوا میں اُڑنے لگی۔ شیخ بہاءالدین نے کرسی پر ہاتھ مارا اور کہا کہ زمین پر واپس چلو۔ جس وقت زمین پر دوبارہ آگئے تو فرمایا فرید تمہارا کام بڑا ہی اچھا ہو گیا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں چند مسافر حاضر ہوئے انہوں نے

زادِ راہ کے بیے کچھ مانگا۔ خواجہ فرید کے پاس کچھ خستہ سی کھجوریں تھیں ایک مٹھی بھر کر ہر ایک کو دیتے گئے اور فرماتے کہ جاؤ تمہارے راستے کا خرچ اتنا ہی کافی ہے ان مسافروں نے جیسے ہی اپنی مٹھیاں کھولیں تو کھجوروں کی بجائے سونے کی اشرفیاں تھیں وہ شکر بجا لا کر منزل کو روانہ ہوئے۔

شیخ راحت القلوب میں ایک اور واقعہ درج کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت فرید نے اپنے سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں شیخ اُوحدالدین کرمانی کی مجلس میں سیستان میں تھا وہاں دوسرے بھی دو درویش مجلس میں حاضر تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے کرامت کا اظہار کر رہے تھے وہ یہاں تک بات کر رہے تھے کہ اسی موقعہ پر ہر ایک درویش کو اپنی اپنی کرامت دکھانی چاہیے لوگوں نے سب سے پہلے حضرت خواجہ اوحدالدین کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے سب سے پہلے صاحبِ مجلس کرامت دکھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس شہر کا حکمران مجھ پہ اعتماد نہیں رکھتا مجھے طرح طرح کی سزائیں دیتا رہتا ہے وہ شاید ہی آج میدان سے خیریت سے گھر پہنچ سکے۔ ابھی آپ نے بات ختم نہ کی تھی کہ ایک شخص مجلس میں آیا اور اس نے آکر بتایا کہ ہمارے شہر کا حکمران کھیل کے میدان میں گیند سے کھیل رہا تھا اُسکے گھوڑے کے پاؤں پھسلے وہ گھوڑے سے گرا اُسکا سر اور گردن ٹوٹ گئی اور موقعہ پر ہی ہلاک ہو گیا ہے اب لوگوں نے میری طرف منہ کر کے کہا کہ تم بھی کوئی کرامت سناؤ۔ میں نے سر مراقبے میں نیچا کیا۔ چند لمحوں بعد حاضرین کو کہا کہ سب لوگ آنکھیں بند کر لیں سب نے آنکھیں بند کیں جس وقت آنکھیں کھولیں تو سب کے سب خانہ کعبہ میں کھڑے تھے۔ چند لمحوں کے بعد تمام کے تمام اسی مجلس میں واپس آ گئے۔ اب ان دونوں درویشوں کی باری تھی۔ درویشوں نے اپنے سر اپنی گودڑیوں میں چھپائے اور غائب ہو گئے۔ لوگوں نے ان کی گودڑیاں دیکھی وہ خالی پڑی تھیں

وہ پھر کبھی دکھائی نہ دیئے۔

راحت القلوب میں ایک اور واقعہ نظر سے گذرا کہ حضرت شیخ فرید کی خدمت میں چند درویش حاضر ہوئے۔ یہ درویش بیت المقدس سے آئے تھے وہ مجلس میں بیٹھ گئے مگر ہر ایک درویش خواجہ فرید کو بڑی تیز نظر سے دیکھتا تھا۔ حضرت خواجہ اپنا سر مبارک جھکائے بیٹھے رہے آخر ایک درویش سے نہ رہا گیا اور اس نے عرض کیا یا مخدوم ہم نے تو آپکو بیت المقدس میں دیکھا تھا آپ وہاں جھاڑو دیا کرتے تھے اور اپنا نام فرید الدین بتاتے تھے آپ نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں نے وہاں تم سے وعدہ لیا تھا کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرنا مگر تم نے اپنا وعدہ بھلا دیا اب غور سے سنو کہ اللہ کے بندے جہاں کہیں ہوتے ہیں وہاں ہی بیت المقدس ہے وہاں ہی کعبہ ہے وہاں ہی عرش ہے اور وہاں ہی کرسی ہے اللہ کی ساری مخلوق اُن کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے اگر تمہیں یقین نہ آئے تو اپنی آنکھیں بند کرو درویش نے آنکھیں بند کیں ایک لمحہ بعد آپ نے فرمایا کہ اب آنکھیں کھولو اس نے اہل مجلس کو قسم کھا کر بتایا کہ جو کچھ حضرت شیخ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے میں نے اسے باطنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے وہ شخص آپ سے بیعت ہوا۔ تکمیل حاصل کی اور خرقۂ خلافت پا کر سیستان کی طرف خدمتِ خلق کے لیے مامور ہو گیا۔

راحت القلوب میں ایک اور واقعہ درج ہے کہ ایک دن حضرت شیخ کا ایک مرید شہاب الدین لاہور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پچاس دینار نذرانہ پیش کیا اور عرض کی کہ لاہور کے حاکم نے یہ نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا شہاب الدین تم نے بھائیوں والی تقسیم کی ہے۔ آدھا نذرانہ خود رکھ لیا ہے اور آدھا ہمارے سامنے لے آئے ہو۔ درویشوں کو یہ بات مناسب نہیں۔ شہاب الدین یہ بات سن کر بے حد شرمسار ہوا اسی وقت باقی

پچاس دینار بھی حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں پیش کیے اور سر قدموں میں رکھ کر معافی کا خواستگار ہوا آپ نے فرمایا کہ تم دوبارہ بیعت کرو تمہاری توجہ میں فرق آ گیا ہے۔ جب اس نے نئی بیعت کی تو چند دنوں میں تکمیل کو پہنچا اور اسے خرقۂ خلافت دیکر سمرقند کو بھیج دیا۔ وہاں جاکر اس نے اشاعتِ دین کا کام شروع کر دیا۔

ہم نے راحت القلوب میں ایک اور واقعہ پڑھا ہے کہ ایک دن ایک جوگی سر منڈھے اور بڑی ریاضتیں کیے ہوئے حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں حاضر ہوا وہ آپ کے پاس آکر دیر تک زمین پر سر رکھے پڑا رہا۔ شیخ فرید نے فرمایا کہ سر اٹھاؤ اس نے سر اٹھایا اور ہاتھ باندھ کر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو اور کیسے آئے ہو؟ اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا۔ مگر منہ میں اسکی زبان ہلتی دکھائی دی آپ نے دو تین بار پوچھا تو اس نے نہائت مشکل سے عرض کی حضور میں آپ کے رعب سے بات نہیں کر سکتا۔ حضرت خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین کو بتایا کہ یہ جوگی بڑی بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کرنے کے بعد ہمارے سامنے آیا تھا جب اس نے زمین پر منہ رکھا تو ہمارے دل میں خیال آیا کہ یہ جوگی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زمین پر منہ رکھے پڑا رہے۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ سر اٹھا سکے مگر نہ اٹھا سکا۔ آخر اس نے دل ہی دل میں توبہ کی۔ اگر وہ توبہ نہ کرتا تو قیامت تک یہاں ہی پڑا رہتا۔

آپ نے اس جوگی سے پوچھا کہ اس طریقہ جوگ میں تم کس مقام پر پہنچے ہو اس نے بتایا جب کوئی جوگی کمال کو پہنچ جاتا ہے تو ہوا میں اڑنا شروع کر دیتا ہے میں بھی ہوا میں اڑ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اڑ کر دکھاؤ ہم بھی دیکھیں جوگی نے ایک اڑان لگائی تو ہوا میں اڑنے لگا۔ حضرت خواجہ نے اپنی جوتی کو اشارہ

کیا وہ اڑیں اور جوگی کے پیچھے جا پہنچیں۔ جوگی جدھر جاتا تھا آپ کے جوتے اس کے سر پر کھٹکتے تھے۔ عاجز ہو کر واپس آگیا۔ اور مجلس میں آکر زمین بوس ہوا اور اسلام لاکر مرید ہو گیا۔ ایک عرصہ کے بعد واصلان حق میں سے ہو گیا۔

ایک ایسا زمانہ تھا۔ جب حضرت خواجہ فرید قدس سرہٗ العزیز ریاست مالوہ میں سفر کر رہے تھے۔ ایک دن آپ قصبہ بڑودہ کے تالاب پر تشریف فرما تھے کہ ہوا کا ایک تند و تیز طوفان آگیا۔ فضا سیاہ ہو گئی بہت سے درخت جڑوں سے اکھڑ گئے جس درخت کے نیچے حضرت خواجہ تشریف فرما تھے اس کا ایک بہت بڑا شاخہ ٹوٹا اور درخت سے جدا ہو کر زمین کی طرف آیا۔ اس کی ہیتناک آواز حضرت خواجہ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے نگاہ اٹھا کر اس شکستہ شاخہ کو دیکھا وہ جہاں تھا وہیں معلق ہو گیا آج تک وہ درخت سے علیحدہ سرسبز معلق پڑا ہے

ایک دن حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ آج جو شخص بھی آپ کے چہرے پر نگاہ ڈالے گا اس پر آتش دوزخ حرام ہو جائے گی۔ شیخ بہاءالدین زکریا کی خواہش تھی کہ آج زیادہ سے زیادہ لوگ آپ کی زیارت کرلیں۔ چونکہ تمام لوگوں کا آپ کی خانقاہ تک پہنچنا مشکل تھا۔ آپ نے ایک بیل پر سوار ہو کر شہر کے مختلف بازاروں میں گھومنے کا اعلان کیا چنانچہ سارے شہر میں اعلان کر دیا گیا لوگ بازاروں میں کھڑے آپ کی زیارت کرلیں لوگوں کا ایک جم غفیر جلوس کی شکل میں حضرت شیخ زکریا کے ساتھ تھا۔ اس دن حسن اتفاق سے حضرت خواجہ فرید شکر گنج بھی ملتان میں موجود تھے جب حضرت شیخ بہاؤالدین کی سواری حضرت خواجہ فرید کے گھر کے سامنے سے گذری تو آپ کے دو خادم بہورا اور شیخ غلام شیخ کھڑے تھے انہوں نے حضرت شیخ کی زیارت کرنے کی بجائے اپنے منہ پھیر لیے اور حضرت

شیخ کی سواری کی طرف پشت کر لی۔ وہ کہنے لگے اگر خواجہ فرید کی کفش بر داری سے دوزخ کی آگ حرام نہیں ہو سکی تو شیخ بہاء الدین زکریا کے دیکھنے سے کس طرح حرام نہیں ہو سکی۔ یہ بات حضرت خواجہ نے نور باطن سے معلوم کر لی۔ آپ نے بہور کو بلا کر پوچھا۔ کیا تم نے ایسا کہا۔ اس نے سارا واقعہ دہرا دیا۔ حضرت خواجہ فرید نے فرمایا۔ شاید اللہ تعالےٰ نے بہاء الدین زکریا کو یہ مقام بھی فرید کی برکات سے دیا ہو۔ لوگو! آج سن لو۔ جو فرید کا مرید ہوگا۔ بلکہ آپ کے مرید کا مرید ہوگا۔ بلکہ قیامت تک آپ کے مریدوں کے حلقہ میں داخل ہوگا اس پر آتشِ دوزخ حرام کر دی جائے گی۔

الحمدللہ کہ فقیر (غلام سرور لاہوری مولفِ کتاب) دلی طور پر شہنشاہِ فریدیہ کی درگاہ کا غلام اور مرید ہے۔ وہ خاندان چشت اہل بہشت کا نمک خوار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ عاصی پر معاصی بھی ان حضرات والا درجات کے مراتب سے آتشِ دوزخ سے نجات پائے گا۔

حضرت خواجہ فرید شکر گنج اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہما دونوں بڑے پُرخلوص دوست تھے۔ حضرت فرید کی زبان پر شیخ بہاؤالدین کا نام آتا تو برادرم بہاء الدین کہہ کر ادا فرماتے۔ زندگی کے کئی سال دونوں حضرات ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اخلاص سے رہے۔ وہ رشتہ داری میں بھی ایک دوسرے کے خالہ زاد بھائی تھے جس دن حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کا انتقال ہوا۔ تو حضرت خواجہ فرید اس دن پاکپتن میں تھے پہلے تو مراقبہ میں بیٹھے رہے۔ پھر بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے جب آپ دیر تک بیہوش پڑے رہے۔ تو آپ کے خادموں کو بڑی حیرانی ہوئی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ لا کر شیخ پر ڈال دیا۔ جب آپ کو ہوش آیا۔ تو آپ نے شیخ عبداللہ احمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب

کر کے فرمایا۔ کہ آج میرا بھائی بہاءالدین ملتانی واصل بحق ہو گئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ ہزاروں فرشتے زمین پر اتر رہے ہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بھی ملتان میں تشریف لا رہے ہیں فرشتوں کے جلو میں حضرت شیخ بہاء الدین کو اٹھا کر آسمانوں کی طرف لے جا رہے ہیں آؤ۔ ہم بھی نماز جنازہ ادا کریں۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے پاکپتن میں ہی آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ یہ واقعہ بھی راحت القلوب میں درج ہے۔

فوادالفوائد وہ کتاب ہے جسے حسن علائی سنجری قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کے ملفوظات پر ترتیب دیا تھا حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ میرے ایک دوست تھے۔ جنہیں ہر سال نارو کی بیماری لاحق ہو جاتی۔ (یہ ایک ایسی بیماری ہوتی ہے کہ بدن کے کسی نہ کسی حصے سے ایک سفید رنگ کی رسی نکلنا شروع ہو جاتا ہے) مختلف اطباء سے علاج کرایا۔ مگر یہ نامراد بیماری جان نہیں چھوڑتی تھی اس نے حضرت خواجہ نظام الدین کی خدمت میں التجا کی۔ آپ پاکپتن شریف جا رہے ہیں۔ وہاں سے خواجہ فرید شکر گنج سے میرے لیے دعا طلب کرنا اور کوئی ایسا تعویز لانا جس سے یہ بیماری دور ہو جائے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء پاک پتن گئے تو حضرت خواجہ کی خدمت میں رہے۔ دوست کی بیماری کا اظہار کیا اور تعویز کی درخواست کی آپ نے حضرت کو فرمایا۔ قلم دوات لا کر ایک کاغذ پر تعویز لکھو۔ آپ نے لکھوایا۔ اللہ کافی۔ اللہ شافی اللہ معافی۔ یہ تحریر آپ نے پڑھی اور حضرت خواجہ نظام الدّین کو فرمایا۔ یہ اُسے دے دینا آپ نے اس بیمار کو یہ تعویز دیا جب تک تعویز اسکے پاس رہا۔ دوبارہ بیماری نے تنگ نہ کیا۔

ایک بار حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ الثانی نے اپنے ایک خط میں

حضرت خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ "میرے اور آپکے درمیان عشقبازی ہے" آپ نے جواب میں لکھا "عشق تو ہے مگر بازی نہیں ہے"۔

ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین حضرت خواجہ مسعود فرید شکر گنج کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ حضرت خواجہ فرید کی داڑھی سے ایک بال دامن پر گرا۔ آپ نے عرض کی اگر اجازت دیں تو میں اسے اُٹھاؤں اور تعویز کے طور پر اپنے پاس رکھ لوں۔ آپ نے قبول فرمایا حضرت خواجہ فرماتے ہیں میں نے اس بال کو نہائت احترام سے اٹھایا۔ تعویز بنایا اور اپنے ساتھ دہلی لے آیا۔ اس تعویز کی برکت یہ تھی کہ دہلی میں جو بھی بیمار میرے پاس آتا میں اسے وہی تعویز دیتا وہ شفایاب ہوتا تو مجھے واپس کر جاتا۔ اس تعویز سے ہزاروں بیماروں نے شفا پائی تھی۔

اسی دوران تاج الدین ملتانی کا ایک لڑکا جو ہمارے دوستوں میں سے تھا بیمار ہوگیا اور وہ تعویز لینے کے لیے میرے پاس آیا میں نے وہ تعویز گھر کے ایک طاقچہ میں رکھا تھا۔ میں نے تلاش کیا تاکہ تاج الدین کو دے دوں مگر وہ تعویز نہ ملا وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔ اس کا لڑکا اسی بیماری سے فوت ہو گیا۔ چند دن گزرنے کے بعد ایک اور دوست آیا اور اس نے مجھ سے تعویز مانگا۔ میں نے اسی طاقچہ میں دیکھا تو تعویز پڑا تھا میں نے اسکے حوالے کر دیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ تاج الدین کے لڑکے کی زندگی ختم ہو چکی تھی اسی وجہ سے وہ تعویز میری نظر سے پوشیدہ رہا۔

یاد رہے کہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ بی بی حزیزہ غیاث الدین بلبن دہلی کی بیٹی تھی ابھی وہ تخت نشین نہیں ہوا تھا تو اس نے اپنی بیٹی کی شادی حضرت خواجہ گنج شکر سے کر دی تھی اور ساتھ ہی دو خوبصورت کنیزیں۔ ایک کا نام بی بی سارہ اور دوسری کا نام شکر تھا وہ بھی غیاث الدین بلبن نے اپنی بیٹی کی خدمت کے لیے ساتھ بھیجیں تھیں۔ خواجہ فرید شکر گنج کے ہاں رہیں۔ بی بی کے بطن سے چھ لڑکے

اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں اِن بچوں سے حضرت خواجہ کی بڑی اولاد چلی۔ آپ کا سب سے چھوٹا لڑکا شیخ عبداللہ نامی تھا۔ اُسکے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ کیونکہ اسے بعض فسادیوں نے بچپن ہی میں شہید کر دیا تھا ان کا مزار پاک پتن میں شہر کے جنوب کی طرف واقع ہے اسے مزارِ عبداللہ بیابانی کہتے ہیں۔ صاحبزادوں میں سے ایک بیٹا شیخ بدرالدین سلمان اپنے والدِ بزرگوار کا سجادہ نشین بنا۔ اسکے چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ ان کا مزار گنبد کے اندر ہی ہے۔ شیخ بدرالدین سلمان کو اپنے والد بزرگوار کے علاوہ خانوادۂ چشتیہ کے دوسرے بزرگوں سے بھی فیض ملا تھا۔ خواجہ عور اور خواجہ زور رحمۃ اللہ علیہما خواجگانِ چشت میں سے تھے وہ حضرت خواجہ فرید کی زندگی میں ہی چشت سے چل کر پاکپتن آ گئے تھے حضرت شیخ نے تبرکاً شیخ شہاب الدین اور بدرالدین جو آپ کے بڑے صاحبزادے تھے اِن ہی بزرگوں سے خرقۂ ارادت پہنچایا تھا اور انہیں ان کا مرید بنایا تھا۔ حضرت کے ایک اور بیٹے شیخ بہاءالدین تھے جن کا لقب شہاب الدین تھا۔ آپ کو گنجِ علم کا خطاب ملا تھا انہیں ظاہری علوم میں بھی بڑا مقام حاصل تھا۔ ان کے پانچ بیٹے تھے ان کا مزار روضہ اقدس کے متصل گنبد کے باہر واقع ہے کچھ عرصہ کے بعد آپ کے خلفاء نے ایک بہت ہی بڑا گنبد بنایا تھا۔ اور آپ کی نعش مبارک کو وہاں سے اٹھا کر اس گنبد کے اندر دفن کیا۔

آپ کے ایک اور بیٹے شیخ یعقوب تھے ان کے بھی دو بیٹے تھے لیکن ان کے مزار کا علم نہیں ہو سکا کہتے ہیں کہ وہ رجال الغیب میں مل گیا اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ حضرت کے ایک اور صاحبزادے شیخ نظام الدین تھے یہ آپ کے نہائت ہی پیارے بیٹے تھے وہ سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اکثر جہاد کرنے چلے جاتے جن دنوں حضرت شیخ فرید شکر گنج کا وصال ہوا تو وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے ساتھ قصبہ پٹیالی میں تھے۔ جس رات حضرت شیخ کا انتقال ہوا تو آپ نے کشف

کے ذریعے معلوم کرلیا اور وہاں سے روانہ ہوکر جنازے میں شریک ہوئے آپ نے میدانِ جہاد میں جام شہادت نوش کیا۔

آپ کے دوسرے لڑکوں کی خواہش تھی کہ انہیں شہدا کے مقبرے میں دفن کیا جائے مگر جہاں جہاں اب حضرت شیخ کے مقبرے کے اِردگرد قبریں ہیں وہاں دفن کر دیئے گئے۔ شیخ نظام الدین پٹنور کے مقام پر شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ فرید کے ایک اور صاحبزادے شیخ نصیرالدین عرف نصراللہ تھے ان کے چھ بیٹے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ حضرت کے متبنیٰ تھے اور وہ سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت نے ایک اور عورت سے شادی کی تھی اس کا نام کلثوم تھا اس کا سابقہ شوہر سے ایک بیٹا تھا جس کا نام شیخ نصراللہ تھا۔ حضرت شیخ فریدشکر گنج اسے بھی اپنے بیٹے کی طرح پیار کرتے تھے اور اسی بیٹیوں کی طرح ہی اسکی پرورش کی ان کا مزار تیبولہ کے علاقے میں موضع چاولیانہ میں ہے۔ چنانچہ حضرت اعزالدین جو حضرت شکر گنج کے بڑے بھائی تھے کی قبر بھی ساتھ ہی ہے اس گاؤں کے ساتھ وہ کنواں بھی ہے جہاں حضرت خواجہ فریدشکر گنج نے چالیس دن تک چلّہ معکوس کاٹا تھا۔

آپ کی تین بیٹیوں کے نام یہ ہیں۔ بی بی فاطمہ۔ بی بی شریفاں اور بی بی مستورہ۔ بی بی فاطمہ کا نکاح شیخ بدرالدین اسحاق جو صحیح النسب بخاری سید تھے سے ہوا تھا آپ حضرت خواجہ کے خلیفہ اعظم بھی تھے ان سے دو بیٹے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ پیدا ہوئے۔ بی بی مستورہ شیخ عمر صافی الفاردقی کے نکاح میں آئیں تھیں ان سے ایک لڑکا شیخ محمد پیدا ہوا۔ بی بی شریفاں جوانی میں ہی بیوہ ہوگئیں آپ کی کوئی اولاد نہ تھی وہ مرتے دم تک اللہ کی یاد میں غرق رہیں اور راہبہ وقت کی ولیٔ کاملہ تھیں

حضرت خواجہ فرید شکر گنج فرمایا کرتے تھے کہ اگر خلافت یا سجادہ نشینی عورت کو دینا جائز ہوتی تو میں اپنی بیٹی بی بی شریفاں کو خرقہ خلافت پہناتا۔ ہمیں معلوم نہیں ہوسکا کہ اس بی بی نے روحانی فیض کہاں سے پایا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین کی چار بیٹیاں تھیں۔ چوتھی بیٹی کو آپ نے اپنے خواہر زادہ شیخ علی احمد صابر کے نکاح میں دیا تھا۔ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ شیخ علی احمد صابر شیخ فریدالدین گنج شکر کے داماد اور خلیفہ خاص تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا سلسلہ آپ سے منتہی ہوتا ہے۔ آپ کی قبر کلیر میں ہے اسی طرح کتاب معارج الولایت اور سیرالاقطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی احمد صابر حضرت شیخ فریدالدین کے خواہر زادہ بھی تھے داماد بھی تھے اور خلیفہ خاص بھی تھے۔

حضرت فریدالدین گنج شکر کے خلفاء کی تعداد حدِ حساب سے زیادہ ہے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کے ستّر ہزار خلفاء تھے آپ کے ملفوظات میں جو جواہر فریدی کے نام پر مشہور ہیں میں پچاس ہزار آٹھ سو چالیس خلفاء کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے دس ہزار رُوئے زمین پر تھے۔ اٹھارہ ہزار سمندروں میں، سات ہزار کوہ قاف، پانچ سے بیالیس ہر وقت ہوا اور فضا میں رہتے تھے چار سو چوتھے آسمان پر موجود تھے چودہ ہزار ساتویں آسمان پر تھے اور سات سو غیب اللہ ہیں جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وہاں دس ہزار خلیفے جو زمین پر ہیں چند ایسے ہیں جن کی شکل و صورت بالکل حضرت شیخ فرید سے ملتی جلتی ہے اور وہ حضرت شیخ کی روحانی تعلیمات کو پھیلانے میں سرگرم رہے۔

چند مشہور خلفاء کے نام دیئے جاتے ہیں

۱۔ سلطان المشائخ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ علاؤالدین علی احمد صابر کلیر رحمۃ اللہ علیہ

۳ ۔ جمال الدین قطب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ
۴ ۔ بدر الدین سلیمان بن فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
۵ ۔ شیخ شہاب الدین گنج العلم بن شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۶ ۔ نظام الدین شہید بن شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۷ ۔ یعقوب بن شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۸ ۔ شیخ معزالدین بن شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۹ ۔ بدرالدین اسحاق غزنوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰ ۔ شیخ داہارو خادم رحمۃ اللہ علیہ
۱۱ ۔ شیخ زین الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲ ۔ شیخ شکرریز رحمۃ اللہ علیہ
۱۳ ۔ شیخ علی شکرباز رحمۃ اللہ علیہ
۱۴ ۔ شیخ علی الحق رحمۃ اللہ علیہ
۱۵ ۔ شیخ محمد سراج رحمۃ اللہ علیہ
۱۶ ۔ شیخ دھنی دبا رحمۃ اللہ علیہ
۱۷ ۔ شیخ جمال عاشق کامل رحمۃ اللہ علیہ
۱۸ ۔ شیخ نجیب الدین متوکل برادرِ حقیقی شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۱۹ ۔ شیخ عارف سیستانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰ ۔ شیخ زکریا سندھی رحمۃ اللہ علیہ
۲۱ ۔ شیخ صدر دیوانہ رحمۃ اللہ علیہ
۲۲ ۔ شیخ داوُد پالوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳ ۔ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ

۲۴۔ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

۲۵۔ سید محمد بن محمود کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۶۔ شیخ منتخب الدین رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۔ شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ

۲۸۔ برہان الدین صاحی ہانسوی بن شیخ جمال الدین قطب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۹۔ شیخ محمد شاہ غوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۰۔ مولانا محمد مولہانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۱۔ مولانا علی بہاری رحمۃ اللہ علیہ

۳۲۔ شیخ محمد نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۳۔ شیخ حمید الدین مکانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اخبار الاخیار اور سفینۃ الاولیاء میں پانچ محرم بروز منگل چھ سو چونسٹھ ۶۶۴ لکھی ہے مگر تواریخ فرشتہ میں چھ سو چھیاسٹھ ۶۶۶ مخبر الواصلین اور تذکرۃ العاشقین کے علاوہ شجرہ چشتیہ میں معتبر اقوال کے ساتھ ۶۶۷ھ لکھا ہے۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے چھ سو نوے ۶۹۰ ہجری لکھا ہے ہمارے نزدیک یہی بات قابل تسلیم ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار پنجاب کے قصبہ پاکپٹن میں واقع ہے مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔ سالانہ عرس پر لاکھوں لوگ مزار کی زیارت کو حاضر ہوتے ہیں۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے بہشتی دروازے سے گزرتے ہیں یہ مبارک دروازہ ہر سال پانچ محرم کو کھول دیا جاتا ہے اس دروازے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ایک دفعہ سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہٗ آپ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس دروازے پر کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں نظام الدین جو شخص اس

دروازے میں داخل ہو گا اسے امان ملے گی۔

اس دن سے اس دروازے کا نام بہشتی دروازہ پڑ گیا ہے۔ حضرت خواجہ فرید کے ارادت مند ہر سال لاکھوں کی تعداد میں اس دروازے سے گزرتے ہیں حضرۃ خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی لکڑی کی روٹی ابھی تک مجاوروں کے پاس ہے مگر اس روٹی کی روایت یہ کسی کتاب میں نہیں ملی کہ آپ اپنی تسلی کے لیے لکڑی کی روٹی چبایا کرتے تھے۔

مقتدائے دین فریدالدین ولی — شیخ عالم پیشوائے دوجہاں
گشت ظاہر حق طلب قطب الفرید — از خرد تولید آں قطب الزمان!

۵۸۵ھ

تواریخ ولادت

فریدالاولیاء	فریدالدین امین الدین	مہدی فرید العالمین
۵۸۵ھ	۵۸۵ھ	۵۸۵ھ
فرید ابد فرید بدل	زبدۂ دین فرید دہر	
۵۸۵ھ	۵۸۵ھ	
فرید الہند قطب الملک	سالک مسعود فرید	
۵۸۵ھ	۵۸۵ھ	

تواریخ وصال

عاشق حق کامل	زہد دیں پیر عالمگیر
۶۷۰ھ	۶۶۴ھ

شاہ دین فرید

۶۸۵ھ

حبیب حق فرید الدہر

۶۶۴ھ

صوفی کامل فریدالدین

۶۶۶ھ

عالی جاہ قطب الدین فرید

۶۶۴ھ

فرد الفرید

۶۷۰ھ

عاشق صادق

۶۶۶ھ

قطب دوراں فرید

۶۶۶ھ

بندۂ حق فرید قطب الہند

۶۶۴ھ

حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ: آپ حضرت شیخ فرید الحق والدین قدس سرہٗ کے حقیقی بھائی اور خلیفہ اعظم تھے۔ ظاہر و باطن میں بلند رتبہ رکھتے تھے۔ نہایت متوکل انسان تھے۔ ستر سال تک دہلی میں رہے مگر اس عرصہ میں کبھی کسی دنیا دار کے گھر نہیں گئے۔ اگرچہ آپ کے پاس نقد اور جنس سے کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ مگر آپ کو یاد خدا میں اتنی مشغولیت رہتی کہ لبا اوقات یہ معلوم نہ ہوتا۔ کہ آج کون سی تاریخ یا کون سا دن ہے۔ آپ کے نزدیک اپنے بیگانے غریب و امیر ایک ہی جیسے تھے۔ ایک دن لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ مخدوم! کیا فرید شکر گنج پاک پتنی آپ کے بھائی ہیں۔ فرمانے لگے ہاں ظاہری تو میرے ہی بھائی ہیں مگر باطنی طور پر یہ کسی اور کے بھائی ہیں۔ پھر پوچھا۔ کہ نجیب الدین متوکل آپ ہی ہیں فرمایا نجیب الدین تو میں ہی ہوں مگر متوکل کوئی اور ہے میں متوکل نہیں ہوں۔

اخبار الاولیا اور اخبار الاخیار کے مصنفین نے لکھا ہے۔ کہ ایک سال عید کے دن بہت سے درویش مل کر حضرت نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آئے۔ اور اصرار کیا کہ آج ہم کھانا آپ کے ساتھ کھائیں گے۔ آپ اندر گئے اہلیہ سے کھانا مانگا۔ اس نے بتایا کہ دو دنوں سے اس گھر میں کھانے کی خوشبو تک نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تمہارے پاس چادر ہو تو مجھے دیں تاکہ اسے گروی رکھ کر دوستوں کو عید کے دن کھانا کھلاؤں۔ اس نیک بخت سے چادر لاکر دی وہ جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قابل نہ تھی کہ اسے کوئی گروی رکھتا۔ ناچار ہو کر پانی کا ایک کوزہ بھرا۔ اور دوستوں کے پاس لے جا کر کہنے لگے۔ یہی ماحضر ہے۔ درویش بھی بڑے اہل دل تھے۔ پانی کا کوزہ لیا اور کھانے کی طرح کھایا اور پیا۔ اور شکریہ ادا کر کے رخصت لی۔ چلے گئے۔ تو حضرت نجیب الدین بڑے

شکستہ خاطر ہوئے کوٹھے پر جا کر اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔اس کے دل میں خیال آیا آج تو عید دن ہے۔میرے بیوی بچوں نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا اور درویش بھی آ کر محروم چلے گئے۔ابھی یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ ایک شخص چھت سے اترا۔اور کہنے لگا۔نجیب الدین فرشتوں نے تمہارے توکل کا ڈنکا عرش کی بلندیوں میں بجایا ہے۔اور تم کھانے کے لئے دل میں سوچ رہے ہو۔میں بھی کھانا کھانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔جاؤ۔کہیں سے کھانا لا کر کھلاؤ۔حضرت شیخ نجیب الدین نے معلوم کر لیا کہ یہ حضرت خضر ہیں۔عرض کی۔آج تو میرے گھر کھانا نہیں ہے اللہ جانتا ہے میں اپنی ذات کے لئے سوچ رہا تھا۔حضرت خضر نے کہا جاؤ! اور گھر میں تلاش کرو۔شائد طعام مل جائے۔آپ اٹھے۔نیچے آئے تو صحن ہر قسم کھانوں کے دستر خوان بچھے ہوئے تھے۔یہ غیب کی نعمت خیال کرتے ہوئے۔اپنے بچوں کے لئے لے گئے۔اور کچھ کھانا اٹھا کر چھت پر آتے دیکھا۔کہ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہیں۔

حضرت نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے پاس ہی ایک تیمور نامی ترک رہتا تھا۔اس نے مسجد بنائی اور مسجد کے متصل اپنا مکان تعمیر کیا۔تیمور اس مسجد کے متولی بھی تھے اور امام بھی۔کچھ عرصہ گزرا تو تیمور نے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہی اور اس پر ایک لاکھ تنکہ خرچ کا اندازہ لگایا۔حضرت متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سخت نصیحت کی کہ اگر اتنا روپیہ غرباء مساکین پر خرچ کر دو گے تو بہتر ہو گا ایک شادی پر اتنا اسراف اچھی بات نہیں تیمور آپ کی اس بات سے رنجیدہ ہو گیا اور آپ سے بات کرنا بند کر دی اور وظیفہ بھی روک دیا۔حضرت متوکل نے دہلی کو خیر باد کہا۔اور پاک پتن آ گئے۔اور تمام صورت حال حضرت خواجہ فرید شکر گنج کی خدمت میں بیان کی آپ نے فرمایا مانَنسَخ مِن آیۃٍ‌ أو نُنسِهَا نَأتِ

بخَیرٍ منھآ اَوْ مثلِھا ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں اس سے بہتر لاتے ہیں۔ یا اس کی مثل ہم پہنچاتے ہیں۔ فکر نہ کریں۔ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت متوکل قدس سرہٗ دوبارہ دہلی گئے۔ تو اللہ نے ایک اور ترک کو آپ کی امداد و خدمت پر مامور کر دیا۔ اور وہ ساری عمر آپ کی خدمات سرانجام دیتا رہا۔

بدایوں میں ایک صاحب دل بزرگ رہا کرتے تھے۔ جن کا اسم گرامی وجیہ الدین تھا۔ حضرت متوکل اس کی زیارت کے لئے دہلی سے بدایون گئے۔ اسے دیکھا کہ وہ ایک بوریے پر بیٹھا ہے حضرت متوکل نے ادباً اپنے جوتے اتارے اور اس کے پاس جا بیٹھے۔ اس شخص نے نہ تو آپ کی طرف توجہ کی اور نہ احترام بلکہ منہ بنا کر بیٹھا رہا۔ بوریے پر ایک کتاب پڑی ہوئی تھی۔ حضرت متوکل نے ہاتھ بڑھا کر کتاب اٹھالی اور ایک صفحہ کھول کر پڑھا تو پہلی سطر میں لکھا ہوا تھا۔ کہ آخری زمانہ میں متکبر درویش پیدا ہوں گے۔ اگر کوئی نیک شخص ان کے پاس جائے گا۔ اور جوتے اتار کر بوریے پر بھی بیٹھ جائے گا تو وہ آتش تکبر میں جلتے رہیں گے احترام کی بجائے انہیں آزار پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے اس درویش کو کتاب دے کر کہا۔ اس کی پہلی سطر پڑھیں۔ اس کا مضمون تمہاری حالت بیان کر رہا ہے۔ درویش نے وہ سطر پڑھی تو بڑا شرمندہ ہوا۔ شیخ متوکل وہاں سے اٹھے اور اپنی راہ لی۔

غیاث پور میں ایک صاحب کرامت عورت تھی۔ وہ اپنی پاک دامنی اور ریاضت کی وجہ سے رابعہ عصر تھی۔ اس کا نام فاطمہ سام تھا۔ حضرت خواجہ فرید شکر گنج اس کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ عورت دو ولیوں کے مراتب کی مالکہ ہے اس عورت نے حضرت متوکل قدس سرہٗ کو اپنا منہ بولا

بھائی بنایا ہوا تھا۔ حضرت متوکل کے گھر تین دن رات فاقہ ہوتا۔ تو اس عورت کو کشفی طور پر معلوم ہو جاتا تھا وہ دو تین سیر کلیجی لے کر پکاتی اور حضرت متوکل کے گھر بھیج دیتی تھی۔ شیخ بھی اس کی اس نذر کو خندہ پیشانی سے قبول فرمالیا کرتے تھے صاحب شجرۂ چشتیہ نے آپ کی وفات ۶۷۱ھ لکھی ہے۔

چوں نجیب الدین متوکل ولی
رفت در جنت ازیں دار ملال
راستی و نیز محمود عاقبت
ہست سال وصل آں اہل کمال

شیخ نظام الدین ابوالمویدقدس سرہٗ: آپ خواجہ قطب الدین بختیار اوستی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں بے مثال تھے۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ فقہ میں بڑا اعلیٰ شان مقام اور رتبہ رکھتے تھے۔

فوائد الفواد کے مصنف نے لکھا ہے کہ بندہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر تھا اور عرض کی کہ حضرت آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کی مجلس ذکر میں گئے تھے یا نہیں۔ فرمایا میں ابھی بچہ تھا ایک دن آپ کی مجلسِ ذکر میں حاضر ہوا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے مسجد کے دروازے پر اپنے جوتے اُتارے ہاتھ میں اٹھائے اور مسجد کے اندر آ گئے۔ دو رکعت نماز نفل ادا کی اور پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے وہاں ایک شخص قاری قاسم تھے جنہوں نے چند آیات پڑھیں پھر حضرت شیخ نے اپنی تقریر شروع کی اور فرمایا۔ کہ میں نے اپنے والد کے خط میں لکھا دیکھا ہے ابھی آپ نے یہ بات پوری نہ کہی تھی کہ حاضرین میں اِس بات کا اتنا اثر ہوا کہ ہر

طرف لوگ رونے لگے۔ آپ نے پھر یہ شعر پڑھا۔

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد

جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

یہ شعر سنتے ہی لوگوں میں شور برپا ہو گیا۔ آپ نے دو تین بار یہی شعر پڑھا پھر فرمایا مسلمانو! اس رباعی کے ابھی دو مصرعے باقی ہیں میں کیا کہوں وہ مجھے یاد نہیں آ رہے ہے۔ یہ بات انہوں نے اتنی عاجزی اور انکساری سے کہی کہ حاضرین تڑپ اٹھے۔ اس کے بعد قاری قاسم نے وہ دو مصرعے بھی آپ کو یاد دلائے۔

ہر درد دلے نجاک در خواہم شُد

بر عشق شدی نہ گوریہ خواہم شُد

آپ نے یہ رباعی مکمل کی اور منبر سے نیچے اُتر آئے۔

معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں سارا سال دہلی میں بارش نہ ہوئی۔ بادشاہ حضرت شیخ ابوالموید کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لئے التجا کی۔ حضرت شیخ منبر پر بیٹھے اور دعا کے لئے ہاتھ بڑھائے اور آسمان کی طرف دیکھا۔ اپنے دامن کو ہلایا اور زیرِ لب کچھ کہا اسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا اور سارے شہر پر چھا گیا۔ جس وقت بادشاہ اپنے گھر پر پہنچے۔ مولانا وجیع الدین جو حضرت خواجہ قطب الدین کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی نے پوچھا کہ یہ کپڑا جو آپ نے ہلایا تھا پھر آپ نے آسمان کی طرف دیکھا پھر زیرِ لب کچھ پڑھا یہ تمام کیسی چیزیں تھیں آپ نے بتایا کہ کپڑا تو قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے میری والدہ ماجدہ کو عنایت فرمایا تھا یہ تمام بارش اسی کی برکت سے برسی تھی۔

یاد رہے کہ شیخ نظام الدین ابو الموید رحمۃ اللہ علیہ کو بعض لوگوں نے عبد الواحد غزنوی اور شمس العارفین کے نام سے یاد کیا ہے جب وقت آپ دہلی آئے تو آپ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا روحانی فائدہ حاصل کیا اور آپ خاندانِ چشت کے پیروں سے شمار ہونے لگے۔ شیخ نظام الدین ابو الموید کو شمس العارفین کا خطاب ان کے پیر روشن ضمیر نے دیا تھا۔

شیخ نظام الدین کی وفات چھ سو بہتر ۶۷۲ھ ہجری میں سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ہوئی۔

چوں نظام الدین شمس العارفین	رفت در جنت ازیں دار فنا
کامل اشرف بگو سالِ وصال	نیز مہدی بو موید مقتدا
۶۷۳ھ	۶۷۳ھ

آپ کا لقب سلطان العارفین

شیخ حمید الدین صوفی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ :- اور کنیت ابو احمد تھی۔

آپ حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے بڑے اعلیٰ ہمت اور اعلیٰ شان والے تھے۔ آپ سید الدین زید کی اولاد میں سے تھے جو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرہ مبشرہ میں سے تھے آپ کا شمار قدیم مشائخ ہند میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی طویل عمر عطا فرمائی آپ خواجہ معین الدین حسن سنجری کے زمانے سے لے کر سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے تک زندہ رہے۔

ایک دن خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے اچھے مزاج میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے حاضرین کو کہا جو چیز چاہو مانگو۔ اس وقت مقبولیت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ایک شخص نے اُٹھ کر دُنیا کی دولت مانگی۔ دوسرے

نے اٹھ کر عقبیٰ کی رہائی مانگی دونوں کی باتیں قبول ہوئیں۔ پھر حضرت خواجہ معین الدین نے شیخ حمید الدین صوفی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے دنیا اور عقبیٰ دونوں مانگی ہیں۔ تم دونوں میں معزز اور مکرم رہو گے۔ شیخ حمید الدین نے عرض کیا۔ حضور بندے کی کیا مجال ہے کہ سوال زبان پہ لائے جو کچھ میرے مولا کو منظور ہے وہی مجھے بھی منظور رہے حضرت خواجہ معین الدین نے خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کو مخاطب کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم بھی جو کچھ چاہتے ہو مانگو۔ آپ نے عرض کی۔

ہر چہ تو خواہی بخواہم ال سر بر آستانم
بندہ را فرماں نباشد ہر چہ فرمائی بر آنم

حضرت خواجہ معین الدین ان دونوں بزرگوں پر بڑے خوش ہوئے کیونکہ انہیں نہ دنیا کی خواہش رہی اور نہ عقبیٰ سے ڈر۔ یہ صرف اللہ کی طلب پر اکتفا کرتے تھے۔ سلطان العارفین حمید الدین صوفی اور قدوت الواصلین۔ قطب الاقطاب۔ قطب الدین بختیار اوشی اس دن سے شیخ حمید الدین مخاطب باخطاب سلطان العارفین ہو گئے۔

صحیح اقوال میں شیخ حمید الدین کی تاریخ وفات انتیس [۲۹] ربیع الثانی چھ سو تہتر [۶۷۳ھ] ہجری ہے۔ آپ کا مرقد منور ناگور میں ہے۔ آپ کی شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے فقر و غنا پہ خط و کتابت رہی۔ شیخ بہاؤالدین نے اپنے مکتوبات میں بہت کچھ لکھا۔ مگر جواب کا حق ادا نہ ہوا۔

چوں حمید الدین صوفی شیخ دین — زیں جہاں در روضۂ جنت رسید
طرفہ پیر عقل قطب العاشقین — بر تار بخشش ندارد دل شنید

۶۷۳ھ

آپ کا نام نامی محمد بن عطا تھا

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ:- اصلی وطن بخارا تھا۔ آپ معز الدین سام کے عہد حکومت میں اپنے والد عطاء اللہ محمود کے ساتھ بخارہ سے دہلی آئے۔ ظاہری علوم حاصل کئے۔ آپ کے والد کا انتقال دہلی میں ہوا۔ اور آپ کو ناگور کا قاضی مقرر کیا گیا تین سال تک ناگور کے قاضی رہے۔ ایک رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ یوں محسوس کیا کہ حضورؐ انہیں اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ صبح اٹھے قاضی کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ دنیا کے تعلقات سے دست بردار ہو گئے۔ اور سفر اختیار کر کے بغداد جا پہنچے۔ بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی خدمت میں رہے۔ ایک سال تربیت حاصل کرنے کے بعد خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔ انہی دنوں خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بھی بغداد میں تھے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے سے بڑی خلوص و محبت سے پیش آتے۔ بغداد سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے اور تین سال تک حضورؐ کے روضۂ مبارک پر رہے۔ وہاں سے چل کر بیت اللہ کی زیارت کی اور دو سال تک وہاں قیام کیا۔ دہلی میں واپس آ کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ حتیٰ کہ مرتے تک اُن سے جدا نہ ہوئے۔ آپ کا مزار بھی دہلی میں ہے اسی وجہ سے مشائخ عظام آپ کو خاندان چشت میں شمار کرتے ہیں۔

ایک دن قاضی حمید الدین کعبے کا طواف کر رہے تھے انہوں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ بھی طواف کر رہے ہیں۔ آپ اُن کے ساتھ ساتھ قدم بقدم چلنے لگے۔ اس بزرگ نے منہ پھیر کر کہا۔ حمید الدین ظاہری اتباع تو بڑی آسان بات ہے لیکن باطنی اتباع بڑی مشکل ہے۔ عرض کی حضور باطنی اتباع بھی ارشاد فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں طواف کرتے ہوئے ہر قدم پر قرآن پاک

ختم کرتا ہوں۔ اگر تم میری اتباع کرنا چاہتے ہو تو ایسا کرو۔ حضرت قاضی دل میں بڑے حیران ہوئے۔ پھر انہوں نے خیال کیا کہ شاید یہ بزرگ قرآن کے معنی دل میں لاتے ہیں اور اُس کو ختمِ قرآن کا نام دیتے ہیں۔ اُس بزرگ نے آپ کے دل کی اس بات کو پا لیا اور فرمایا نہیں نہیں میں حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً اعراب کی درستگی کے ساتھ اوّل سے آخر تک قرآن پڑھتا ہوں۔

قاضی حمید الدین بڑی لطیف طبیعت کے مالک تھے بات کرتے تو اُس میں کوئی نہ کوئی لطیفہ ضرور ہوتا۔ چنانچہ ایک دن شیخ کبیر خوارزمی اور شیخ حمید الدین سوار ہو کر جا رہے تھے۔ قاضی حمید الدین کا گھوڑا پست قد تھا۔ شیخ کبیر نے فرمایا۔ قاضی صاحب آپ کا گھوڑا چھوٹا ہے۔ آپ نے جواب دیا ہاں بڑے سے اچھا ہے۔

شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اکثر قاضی حمید الدین کے متعلق فرمایا کرتے تھے بلکہ اپنے بعض سالوں میں لکھا بھی ہے کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء ہیں۔ مگر حمید الدین میرے سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔

قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کو خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس سے بڑا فیض ملا۔ آپ سماع اور وجد میں بڑا حصہ لیتے۔ علماء وقت نے آپ پر اعتراض کیا اور بادشاہ کے حضور شکایت کی اور آپ کو تکلیف دینے کا پروگرام بنایا ایک دن آپ سلطان شمس الدین کے سفید محل کے پاس ہی ایک درویش کے گھر مجلس سماع میں شریک تھے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور قاضی حمید الدین بھی اِس مجلس میں رونق افروز تھے ناگاہ مولانا رکن الدین سمرقندی جو اُس وقت کے عالمِ اجل تھے۔ محاسبہ کے لئے اٹھے اور اپنے چند خدمت گزاروں کو ساتھ لے کر مجلس کے مقام کی طرف آپہنچے۔ اور انہوں نے

اس سماع پر اعتراض کیا۔ ایک بزرگ جن کا نام علی درویش تھا دوڑے دوڑے قاضی حمید الدین کے پاس آئے اور بتایا کہ مولانا رکن الدین آرہے ہیں۔ قاضی حمید الدین نے صاحبِ خانہ کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور کہیں چھپ جاؤ۔ تمہیں کوئی بھی بلائے حاضر نہ ہونا اور اگر مولانا رکن الدین صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر اندر آئے تو میں ان کا شرعی مواخذہ کروں گا صاحبِ خانہ تو اسی وقت کہیں جا چھپے اور قاضی حمید الدین اپنے دوستوں کے ساتھ سماع میں مشغول رہے۔ مولانا رکن الدین دروازے پر پہنچے اور صاحبِ خانہ کو طلب کیا۔ لوگوں نے کہا وہ تو یہاں موجود نہیں۔ مولانا سوچنے لگے کہ اگر صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر اندر جاتا ہوں تو مواخذہ ہوگا۔ چند لمحے کھڑے رہے پھر واپس چلے گئے۔

حضرت قاضی حمید الدین قدس سرہٗ نے ساری عمر میں صرف تین آدمیوں کو اپنا مرید بنایا تھا۔ اور انہیں درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ ان میں سے ایک شیخ احمد نہروانی تھے (جن کا ذکرِ خیر سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے) ان کے حالات میں لکھا گیا تھا۔ ایک رات آپ کے گھر میں چور گھس آیا۔ اس نے اِدھر اُدھر ہاتھ مارے مگر اسے کچھ نہ ملا۔ باہر جانے لگا۔ تو حضرت خواجہ نے آواز دے کر کہا۔ رک جاؤ۔ اب آئے ہو۔ تو خالی ہاتھ نہ جاؤ۔ آپ اٹھے۔ آپ نے چند گز کپڑا بنا تھا۔ ابھی یہ کپڑا کھڈی پہ ہی تھا۔ آپ نے اتارا۔ اور اسے دے کر معذرت کرتے ہوئے کہا۔ اگرچہ یہ تھوڑا سا کپڑا تمہاری اس محنت کے لائق نہیں۔ تاہم میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں چور نے کپڑا لینے سے تو انکار کر دیا۔ مگر دوسرے روز اہل و عیال کو لے کر حاضر خدمت ہوا۔ اور توبہ کر کے مرید ہو گیا۔

دوسرے مرید عین الدین قصاب تھے۔ آپ زہد و ریاضت میں ثانی نہ

رکھتے تھے۔ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا اللہ اسے پورا کرتا۔ قاضی فضل الدین قضا کے منصب پہ فائز ہونے سے پہلے آپ کے پاس آئے اور قضا کے عہدہ کے لئے دعا خیر کرائی۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم قاضی ہو گئے چند دنوں بعد وہ قاضی مقرر کر دیئے گئے۔ اسی طرح جو بھی آپ کے پاس آتا محروم نہ جاتا۔

تیسرے خلیفہ شیخ حسن وسن تاب تھے۔ آپ بان بانی کیا کرتے تھے۔ بداؤن میں رہتے تھے۔ ان کا ایک واقعہ تذکروں میں موجود ہے کہ ایک دن اپنے دوستوں میں بیٹھے تھے۔ باورچی کو کہا کہ میرے دوستوں کے لئے دودھ اور چاول پکا کر لاؤ وہ لایا تو پہلا لقمہ لے کر فرمانے لگے۔ آج معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں خیانت برتی گئی ہے۔ لوگوں نے بتایا۔ ہمیں تو کسی قسم کی خیانت کا علم نہیں صرف اتنا ہوا۔ کہ دودھ دیگچے میں اُبل رہا تھا۔ اور اس کے کناروں سے دودھ اُبل کر باہر جا پڑا تھا۔ اسے ایک برتن میں جمع کر کے ہم نے پی لیا تھا فرمایا۔ اگر زمین پہ گرتا تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اگر پیالہ میں جمع ہو گیا تھا تو یہ امانت تھا۔ یہ بھی احباب میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔ آپ نے حکم دیا۔ جس جس نے یہ دودھ پیا ہے دھوپ میں کھڑا رہے اور جب تک یہ دودھ پسینہ بن کر نہ نکلے کھڑے رہیں گے چنانچہ کھڑا کر دیا گیا۔ سورج کی گرمی نے انہیں پسینہ پسینہ کر دیا۔ پھر انہیں سایہ میں بلایا اور پھر حجام کو بلا کر فصد کرائی گئی۔ دودھ کے برابر خون نکلوایا گیا۔

شیخ نظام الدین ابو المؤید قدس سرہٗ ایک بار بداؤن میں سخت بیمار ہوئے۔ شیخ حسن رسن تاب ان کی بیمار پرسی کو پہنچے۔ شیخ نے فرمایا۔ حسن میرے لئے دعا صحت کرو۔ فرمایا۔ میرا ایک دوست ہے شرف الدین وہ بازار میں درزی کا کام کرتا ہے اگر آپ اسے بلا لیں تو ساری بیماری دور ہو جائے گی۔ اسے بلایا گیا تو آپ نے کہا شرف الدین۔ ناف سے لے کر سر تک کی بیماری کا ازالہ تو

میرے ذمہ ہے۔ ناف سے پاؤں تک تم ازالہ کرو گے۔ دونوں بزرگ مراقبے میں بیٹھ کر توجہ دینے لگے چند لمحوں بعد سر اٹھایا تو حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ پوری طرح صحت یاب تھے۔

شیخ حسن رسن تاب کی کرامات کی شہرت سارے ملک میں پھیلی تو ارد گرد سے ہزاروں لوگ آپ کی خانقاہ میں پہنچنا شروع ہوئے۔ ایک درویش شیخ محمد مَخاسی بھی بدایون میں رہتا تھا ایک دن حسن سے مسجد میں ملاقات ہوئی تو کہنے لگا۔ حسن! تم نے تو اپنی مجلس میں بڑی ہنگامہ آرائی کر لی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس گرمی میں کہیں جل نہ جاؤ۔ اللہ کا کرنا کیا ہوا۔ کہ اسی رات حسن کے گھر کو آگ لگ گئی۔ مریدوں نے اندر آنے کی کوشش کی۔ مگر کسی کو اندر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیخ حسن رسن تاب اسی آتش خانہ میں جل گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ مخلوق خُدا تنگ ہو گئی۔ اور یہ سلسلہ کئی ماہ تک رہا۔ سلطان شمس الدین نے وقت کے مشائخ کو جمع کر کے بارانِ رحمت کی استدعا کی۔ قاضی حمید الدین نے سلطان کو کہا۔ درویشوں اور مسکینوں کے لئے شاہی دعوت کا اہتمام کیا جائے۔ اور اہل سماع کو بلا کر ایک عظیم الشان مجلس سماع منعقد کی جائے شائد اللہ کی رحمت نازل ہونا شروع ہو جائے۔ سلطان نے دعوت کی۔ مجلس سماع برپا ہوئی تو بارانِ رحمت کی گھٹائیں برسنا شروع ہوئیں۔ اتنی بارش ہوئی کہ کئی سالوں سے اتنی بارش نہیں ہوئی تھی۔

حضرت قاضی حمید الدین صاحب تصنیف بزرگ تھے آپ کی مشہور کتاب شرح اسمائے حسنیٰ اہل علم و فضل کے ہاں بے حد مقبول اور پسندیدہ ہے آپ کی وفات دہم ربیع الثانی یا بقول دیگرے نو ماہ رمضان المبارک ۶۷۸ھ

میں ہوئی تھی۔

چو حمید الدین حمید دو جہاں
رفت از دنیا و در جنت رسید
گشت سال ارتحالش جلوہ گر
تاج اہل دین ولی اللہ حمید

۶۷۸ھ

شیخ محمد صابر چشتی قدس سرہٗ:- آپ حضرت خواجہ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مرید تھے صاحبِ اخبار الاخبار نے سیر الاولیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس دن حضرت خواجہ فرید نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تو اعلان کیا۔ صابر تم خوشحال زندگی گزارو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کو صبر و قناعت کی بے پناہ دولت ملی تھی۔ اور کبھی غم والم آپ کے پاس نہ آئے۔ لوگوں سے کشادہ پیشانی سے ملتے اور ہر وقت خوش خوش رہتے تھے۔

شجرہ چشتیہ میں آپ کی وفات سنہ ۶۷۹ھ لکھا ہے۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں — شد بحق مطلوب صابر اہل صبر
سال وصلش صابر منصور داں — ہم بخواں محبوب صابر اہل صبر

۶۷۹ھ — ۶۷۹ھ

حضرت شیخ داؤد پالی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ خواجہ فرید الدین شکر گنج کے نامور خلیفہ تھے زہد و تقویٰ میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کا معمول تھا۔ کہ صبح کی نماز گھر پڑھتے اور شہر سے باہر کسی جنگل میں چلے جاتے سارا دن اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ ذکر الٰہی

کی آوازیں وادیوں میں گونجتی تو جنگل کے وحشی جانور اور ہرن وغیرہ آپ کے قریب آکر بیٹھے رہتے۔ آپ ۶۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت داؤد شیخ باکمال   یافت چوں در جنت الفردوس جا
مرشد کونین پیش دوستاں   گفت سرور وصلش برملا

۶۸۰ھ

شیخ عبدالعزیز بن شیخ حمیدالدین ناگوری قدس سرہٗ:۔ آپ اپنے والد گرامی کے مرید خاص تھے۔ عین عالم شباب میں مجلس سماع میں واصل بحق ہوئے۔ اخبار الاخیار میں آپ کی وفات کا واقعہ یوں لکھا ہے۔ ایک دن مجلسِ سماع میں قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے

جاں بدہ - جاں بدہ - جاں بدہ
نائدہ در گفتن بسیار چیست

یہ شعر سنتے ہی حضرت شیخ عبدالعزیز نے نعرہ مارا۔ دادم۔ دادم۔ دادم کہتے ہوئے جان اللہ کے سپرد کر دی۔

آپ کے تین بیٹے تھے۔ شیخ وحید۔ شیخ فرید اور شیخ نجیب قدس سرہم آپ نے ان تینوں کے متعلق فرمایا تھا۔ کہ وحید۔ وحید ہو گا۔ مجرد رہے گا بے تعلق رہے گا۔ آزاد رہے گا۔ فرید فرد عالم ہو گا۔ اور میرا سجادہ نشین ہو گا۔ نجیب۔ نجیب اور شریف ہو گا۔

آپ کی وفات ۶۸۱ھ میں ہوئی۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں
شیخ عالم متقی عبدالعزیز

والی خلد است سال وصل او	نیز شاہ دین علی عبد العزیز
۶۸۱ھ	۶۸۱ھ

خواجہ علاءالدین احمد صابر کلیری قدس سرہٗ: حضرت خواجہ فرید گنج شکر کے خلیفہ اعظم تھے۔

اولیائے معرفت کے امام تھے۔ پیر طریقت تھے۔ واقف حقیقت تھے۔ عارف کامل زاہد مکمل تھے۔ صاحب کرامت اور والیٔ نعمت تھے۔ بلند رتبہ اور اعلیٰ مقام پہ فائز تھے۔ خرقہ خلافت حضرت خواجہ فرید گنج شکر سے پایا۔ خلافت کے علاوہ آپ کو حضرت خواجہ فرید سے نسبت فرزندی دامادی، خواہر زادگی بھی تھی۔ حضرت خواجہ فرید فرمایا کرتے تھے۔ میرے باطنی اور ظاہری علوم تو حضرت نظام الدین کو ملے۔ مگر میرے پیروں کے ظاہری اور باطنی علوم کے سمندر علاء الدین کے حصہ میں آئے میرے سینے کے تمام علوم خواجہ نظام الدین بدایونی نے حاصل کئے۔ مگر میرے دل کے تمام علوم و اسرار علاء الدین صابر نے لئے۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے۔ کہ بارہ سال تک شیخ علاء الدین نے حضرت خواجہ فرید گنج شکر کے لشکر اور درویشوں کے طعام کی خدمات سرانجام دیں۔ لیکن چونکہ آپ کو کھانا کھانے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بارہ سال تک دربار اور لنگر سے کھانا نہیں کھایا اور جنگل کی جڑی بوٹیوں سے پیٹ پالتے رہے۔ بارہ سال بعد حضرت خواجہ فرید نے وجہ پوچھی تو آپ نے عرض کی آپ نے لنگر کی تیاری اور اہتمام کا حکم دیا تھا کھانے کی اجازت تو نہ دی تھی۔ آپ کی اجازت کے بغیر میری کیا مجال تھی۔ کہ مطبخ سے ایک دانہ بھی کھاتا۔ حضرت فرید الدین نے آپ کے اس صبر کی وجہ سے آپکو صابر کا خطاب دیا۔ خرقۂ خلافت عنایت فرمایا۔ دہلی کی روحانی نگرانی سپرد کی۔ حکم دیا پاک پتن سے پہلے ہانسی جانا۔ شیخ جمال الدین قطب ہانسوی قدس سرہٗ سے اپنے خلافت نامہ

سے مہر نصب کرانا۔ پھر دہلی جانا۔ آپ ہانسی کی طرف روانہ ہوئے ہانسی پہنچے بہلی پر سوار ہی حضرت جمال الدین ہانسوی کی خانقاہ کے اندر جا پہنچے جمال الدین دروازے پر استقبال کے لئے آئے۔ مگر علی احمد بہلی سے نیچے نہ اترے اور سواری پر ہی اندرون خانقاہ تک چلے گئے۔ حضرت جمال ہانسوی کو آپ کی یہ ادا پسند نہ آئی مجبوراً تعظیم تو کی۔ مگر آداب درویشی کے خلاف عمل کو دل میں بُرا منایا۔ احتراماً مجلس کی مسند صدارت پر بٹھایا۔ دونوں نے مل کر نماز مغرب ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت صابر نے سند خلافت پیش کی اور مہر نصب کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے دہلی کی روانگی کا ارادہ کر لیا۔ چونکہ اس وقت اندھیرا تھا۔ چراغ موجود نہ تھا۔ حضرت جمال ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے مہر نصب کرنے میں تامل و تردّد کیا۔ چراغ لایا گیا۔ سند خلافت پیش کی گئی مگر اتفاقاً ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ چراغ بجھ گیا۔ حضرت صابر نے چراغ پر ایک پھونک ماری تو چراغ دوبارہ جل اٹھا۔ خواجہ جمال نے یہ صورت حال دیکھی تو سند خلافت کو حضرت صابر کے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دیا۔ اور فرمایا۔ دہلی کو آپ کے دم آتشین کی تاب نہیں ہے۔ اگر آپ اسی طرح چلے گئے تو شہر جل جائے گا۔ حضرت جمال کی اس بات پر حضرت صابر برافروختہ ہو گئے۔ اور جوش میں آکر فرمایا۔ آپ نے میری سند خلافت پھاڑی ہے۔ میں نے آپ کے سلسلہ طریقت کو پھاڑ دیا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ اوّل سے یا آخر سے۔ فرمایا اوّل سے اسی وقت غصے سے اُٹھے اور واپس پاک پتن روانہ ہو گئے۔ اور حضرت خواجہ فرید گنج شکر کی خدمت میں جا پہنچے۔ اور تمام واقع سنا دیا۔ حضرت خواجہ فرید نے فرمایا۔ صابر جمال الدین کی پھاڑی ہوئی سند خلافت کو دوبارہ نہیں جوڑا جا سکتا پھر پوچھا۔ جب جمال نے تمہاری سند خلافت پھاڑی تھی تو تم نے کیا کہا تھا۔ بتایا کہ میں نے کہا۔ کہ آپ نے میری سند خلافت پھاڑ دی ہے میں نے تیرا سلسلہ پھاڑ دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اوّل سے یا آخر سے۔ میں نے کہا

اول سے حضرت خواجہ فرید نے یہ بات سن کر فرمایا۔ کہ اللہ کے پہلوانوں کا تیر خطا نہیں جاتا۔ لیکن خیر گزری کہ تم نے اول کہہ دیا۔ آخر سلامت رہا۔ انشاء اللہ تمہارے مریدوں میں سے ایک مرید پیدا ہوگا جس کی دعا سے یہ سلسلہ جاری ہوگا۔ یہ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کی ذات کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت صابر قدس سرہ نے جس طرح کہا تھا۔ ویسا ہی ہوا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہ کے بڑے بیٹے شیخ جمال الدین بڑے صاحب علم و کمال تھے۔ دیوانہ ہو گئے۔ چھوٹے بیٹے برہان الدین اگرچہ ساری عمر حضرت کی زیر تربیت رہا۔ اور حضرت ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی کوشش کی کہ اسے کوئی مقام ملے مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے علاء الدین صابر کو کلیر کی روحانی مملکت عطا فرمادی اور سند خلافت اپنے قلم سے از سر نو تحریر کر کے حوالے کی اور تازہ خرقۂ خلافت عطا کیا۔ اور سیدھا کلیر پہنچنے کا حکم دیا۔ آپ وہاں پہنچے تو اس خطہ کو نور روحانیت سے منور کر دیا۔ اور وہاں ہی قیام پذیر ہو گئے۔ ان دنوں کلیر علماء مشائخ کی کثرت کی وجہ سے بغداد العلم اور مدینۃ الاولیا بنا ہوا تھا۔ نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد کے سامنے عام لوگوں کے علاوہ چار سو پہلیاں آکر رکتیں۔ جن میں بڑے بڑے صوفیاء اور روساء آتے۔ حضرت صابر بھی اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے آیا کرتے تھے۔ اور مخلوق کے ہجوم اور کثرت کی وجہ سے مسجد کے صحن کی بجائے آپ کو مسجد سے باہر جگہ ملتی تھی۔ کوئی شہری آپکی طرف توجہ نہ دیتا تھا۔ اس صورتحال سے مایوس ہو کر آپ نے حضرت خواجہ فرید گنج شکر قدس سرہ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ اور مشورہ طلب کیا کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت نے جواب دیا۔ کہ کلیر کے سارے معاملات عزیز کے اختیار میں ہیں۔ اپنی مرضی سے جو چاہو کرو۔ آپ کو خط کا جواب ملا۔ تو جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے اور

پہلے سے بھی دُور جگہ ملی۔ نماز جمعہ ختم ہوئی۔ تو حضرت نے مسجد کی طرف ایک نگاہ غضب سے دیکھا۔ اور فرمایا۔ اے مسجد نمازی تو نماز ادا کر چکے ہیں۔ تو بھی سجدہ ریز ہو کر دکھا۔ اچانک مسجد کی چھت گر گئی اور ہزاروں نمازی مسجد کے ملبے کے نیچے آ کر دب گئے۔ اور ہلاک ہو گئے۔

اس کرامت کے ظہور پر بہت سے لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ مگر باقی لوگ آپ کی اس غضبناکی پر ناراض ہوئے۔ اور آپ کے خلاف ہو گئے۔ مسجد کے واقع سے دوسرے سال اس علاقہ میں ایک وبا پھوٹ پڑی جس سے کلیر شہر میں ہزاروں موتیں واقع ہوئیں اس قیامت خیز وبا نے سارا کلیر شہر ویران کر دیا اب حضرت صابر نہایت فراغت سے ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ انسانوں کی بجائے آپ کے اِرد گرد وحشی جانور اور پرندے بھی جمع ہوتے۔ اور آپ کی خانقاہ پر بھی یہی حیوانات جاروب کشی کیا کرتے تھے۔ صرف آپ کا ایک خادم خاص شمس الدین ترک پانی پتی رہ گیا تھا۔ جو پاک پتن سے آپ کے ساتھ آیا تھا۔ جب کبھی حضرت صابر کو سماع کا شوق دامن گیر ہوتا تو شمس الدین ترک کو مضافات میں بھیجتے جو وہاں جا کر چند قوال لے آتا۔ اور محلس سماع منعقد ہوتی۔

معارج الولایت کے مولّف نے لکھا ہے کہ کلیر کی تباہی کا واقعہ میں نے دوسری کتابوں میں یوں لکھا دیکھا ہے کہ جن دنوں حضرت صابر خطہ کلیر میں تشریف فرما ہوئے۔ تو وہاں کے کئی ظاہر ہیں علماء اور مشائخ آپ کے کمالات کے منکر ہو گئے۔ آپ کی مخالفت یہاں تک بڑھی کہ لوگ آپ کے مریدوں اور خادموں پر حملے کرنے لگے۔ ایک دن حضرت صابر اپنے احباب کو لے کر نماز جمعہ ادا کرنے جامع مسجد گئے۔ تو اجتماع سے پہلے ہی جامع مسجد کے اندر جا کر پہلی صف میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ علماء اور مشائخ آئے تو انہوں نے اپنی جگہ خالی نہ دیکھی تو آپ کے

خادمین کو کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ یہ جگہ ہماری ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہمارے آنے سے پہلے یہ جگہ خالی تھی ہم یہاں بیٹھ گئے ہیں اب آپ لوگ دیر سے آئے ہیں۔ کسی دوسری جگہ بیٹھ جائیں۔ علماء نے بڑی سختی اور درشتی سے ان لوگوں کو دھکے دے کر اٹھا دیا۔ اور کہا یہاں تو صرف علماء و مشائخ ہی بیٹھ سکتے ہیں عام آدمی نہیں بیٹھ سکتے۔ اس بات پر جھگڑا ہو گیا۔ حضرت صابر نے مراقبہ سے سر اٹھایا۔ اور کہا کہ اس شہر کا صاحب ولایت سب علماء مشائخ سے مقدم ہوتا ہے اور اسے صفِ اوّل میں بیٹھنے کا زیادہ حق ہے انہوں نے کہا کہ صاحب ولایت ہونے کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے آپ اسی وقت اپنے احباب کو لے کہ مسجد سے باہر نکل آئے اور نگاہ غضب سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ آناً فاناً مر گئے۔ آپ نے فرمایا "ہماری ولایت کا ثبوت یہی ہے"۔ آپ نے مزید کہا۔ اب اس شہر کا ایک فرد بھی زندہ نہیں بچے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سارا شہر ویران ہو گیا۔ مسجد کے باہر کے لوگ طاعون کا شکار ہو گئے۔

صاحب معارج الولایت نے مزید لکھا ہے کہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ ولایت موسوی پر تھے۔ آپ کا قلب اسرافیل کے قلب پر تھا۔ جس پر ایک نظر یا پھونک مارتے خاک سیاہ ہو جاتا۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی ولایت موسوی کے مالک تھے۔ اور آپ کے جلال کا یہ عالم تھا کہ جہاں نظر اٹھاتے مدمقابل دم بخود ہو جاتا۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے کئی سال بعد تک کلیر شہر ویران رہا آپ کے روضہ عالیہ کے مجاور بھی جنگلی جانوروں کی آمد و رفت اور شیر و چیتوں کے قیام کی وجہ سے آپ کے مزار پر بہت کم آتے۔ بہت سے مجاور کلیر کا علاقہ چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں جا کر

آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک یہ علاقہ ویرانہ بنا رہا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد ہندوؤں بت پرستوں نے آپ کے روضہ کے قریب ہی ایک بت کدہ بنا لیا۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ آپ کے مقبرہ کو گرا کر بت خانے کی حدود میں لایا جائے مگر ایک دن ایک مردم خوار شیر جنگلوں میں سے نکلا رات کے وقت تمام ہندوؤں کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر گیا۔ جو بچ گئے وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آئندہ کسی ہندو کو آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ [۱]

سیر الاقطاب میں ایک اور واقعہ بھی ہمارے سامنے آیا ہے۔ کہ ایک دن ایک ہندو جوگی اس راستے سے گزرا جہاں کبھی حضرت صابر کی خانقاہ تھی۔ وہ اس خانقاہ کے کھنڈرات میں چلا گیا۔ اس نے دیکھا ایک عالی شان مزار ہے مگر دُور دُور تک کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ اس شخص نے ہندوانہ تعصب کے پیشِ نظر ارادہ کر لیا کہ مزار کو گرا کر یہاں کوئی بت خانہ یا معبد تعمیر کرا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک آہنی تیشہ لے کر مزار کو گرانا شروع کر دیا۔ چند اینٹیں گرائی تھیں کہ مزار سے ایک روزن سامنے آیا۔ جوگی نے قبر کے اندر سر ڈال کر دیکھنا چاہا۔ کہ اس مزار کے اندر کیا ہے؟ وہ نگاہ غضب کا شکار ہو گیا اور سر باہر نہ نکال سکا۔ آخر کار

۱: حضرت علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ غضب سے کلیر کے شہریوں اور نمازیوں کی تباہی کے واقعات معارج الولایت۔ اور حقیقت گلزار صابری جیسی کتابوں نے بادنیٰ اختلاف ان واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ مگر جمالِ صابر کے فاضل مولف + وحید احمد مسعود مرحوم نے ان واقعات کو تاریخ کے آئینہ میں تجسس و تحقیقات کا نشانہ بنا کر ثابت کیا ہے کہ یہ واقعات سراسر بے بنیاد ہیں کہ ایک ولی اللہ محض ناراضگی سے اتنی بڑی مخلوق اور اتنے بڑے شہر کو ویرانے میں تبدیل کر دیں اس کتاب کی تحریر سے ان مقابلوں کا پس منظر سامنے آتا ہے جو کلیر پر گزریں قارئین کرام اس کتاب کو بھی سامنے رکھیں (مترجم)

اس کا سانس بند ہو گیا اور وہ وہیں مر گیا۔ رات کے وقت مجاوروں نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت شیخ صابر تشریف لائے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں۔ کہ ایک شخص گستاخانہ ہمارے مزار پر آیا تھا۔ اسے سزا تو مل گئی ہے اب وہ مزار کے روزن میں لٹکا ہوا ہے۔ اُسے آ کر نکال دیا جائے۔ دوسری صبح مجاور اپنے بہت سے آدمی لے کر مزار پُر انوار پر پہنچے جوگی کو کھینچ کر باہر لایا گیا۔ اس کی لاش کو دُور جنگل میں پھینک دیا گیا۔ اس دن سے شہر دوبارہ آباد ہونے لگا خوف و خطر دور ہونے لگا اور لوگ آہستہ آہستہ پہنچنے لگے۔ سب سے پہلے مجاوروں نے مکانات تعمیر کئے اور آباد ہو گئے اور اس شہر کو پیران کلیر کے نام سے شہرت ملی۔

حضرت علی احمد صابر قدس سرہ کا وصال بقول صاحب معارج الولایت تیرہ ماہ ربیع الاوّل ۶۹۰ھ ہوا تھا۔ یہ سلطان جلال الدین خلجی کا عہد حکومت تھا۔ آپ حالت سماع میں واصل بحق ہوئے

سال وصل آں شہ والا قدر اہل کمال	شد چو از دنیا علاء الدین علی احمد بخلد
ہم علاء الدین صابر صادق آمد ارتحال	گو علی احمد علاء الدین صابر ایزدی
۶۹۰ھ	۶۹۰ھ
صابر سراج الطابعین	ہادی محبوب صابر بادشاہ
۶۹۰ھ	۶۹۰ھ
متقی سلیم	مخدوم
۶۹۰ھ	۶۹۰ھ

شیخ بدر الدین بن علی بن اسحاق بخاری قدس سرہ الباری

آپ حضرت فرید مسعود فاروقی شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اپنے وقت کے مشائخ کاملین میں

شمار ہوتے تھے۔ سیر الاقطاب اور معارج الولایت کے صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقبول و منظور شخصیت کے مالک تھے علم وفضل میں ان کا ثانی کوئی نہیں تھا پہلے بخارا میں رہے۔ بعد میں بعض علمی اور روحانی مشکلات کے حل کے لئے گھر سے نکلے۔ اور بخارا سے چل کر دہلی پہنچے۔ جب یہاں بھی مسائل کے حل میں تسلی نہ ہوئی۔ دوبارہ ملتان کے راستہ بخارا کو روانہ ہوئے۔ پاک پتن پہنچے تو آپ کے ساتھیوں نے حضرت فرید شکر گنج کی زیارت کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ درویشوں کے خلاف تھے۔ کہنے لگے۔ میں یہاں ہی بیٹھا ہوں۔ آپ لوگ زیارت کر آئیں۔ لیکن دوست آپ کو کشاں کشاں حضرت خواجہ فرید کی خانقاہ تک لے گئے۔ مجلس میں بیٹھے ہی تھے۔ کہ حضرت فرید نے باطنی طور پر معلوم کر کے خود ہی اس کے سوالات پر گفتگو شروع کر دی اور ان کے سوالات کا حل پیش کرتے گئے۔ بدر الدین آپ کی گفتگو سے بڑے مطمئن ہوئے۔ ذہن مطمئن ہو گیا۔ اب علمی مشکلات کے حل کے بعد حضرت خواجہ فرید نے آپ کو روحانی طور پر اپنی طرف کھینچا۔ اور پوچھا۔ آپ ہماری ملاقات کے لئے آنے سے کیوں ہچکچاتے تھے۔ اگرچہ علماء کی مجالس اکسیر اعظم ہے اور ان کی گفتگو سے علمی روشنیوں کو فروغ ملتا ہے۔ مگر کبھی کبھی مسکین درویشوں کے پاس بھی آنا چاہیئے۔ ہم سے محبت کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے۔

بدر الدین نے آپ کی گفتگو سنی تو قدم بوس ہو گئے اور ارادت باطنی سے مرید ہو گئے۔ اور بخارا جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس دن سے آپ خانقاہ کی خدمات سر انجام دینے لگے۔ ہر روز صحرا اور بیابان میں نکل جاتے۔ لکڑیوں کا ایک گٹھا اٹھا کر لاتے اور مطبخ کے سامنے لا رکھتے۔ تاکہ لنگر پکایا جا سکے حتیٰ کہ ایک وقت آیا۔ کہ آپ کی تکمیل ہو گئی خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے اور پھر

عزت فرزندی (دامادی) سے بھی معزز نہ ہوئے۔

آپ کی وفات ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ کتاب الاسرار آپ کی ہی تالیف ہے

کرد بدرالدین چو از عالم سفر ۔ سالِ وصلش او بگو بے قال و قیل

بدر دین ۔ مہدی دین ۔ بدر کمال ۔ ہم بگو با شاہ بدرالدین جمیل

۶۹۰ھ ۶۹۰ھ ۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

آپ حضرت گنج شکرؒ کے مشہور خلیفہ تھے

شیخ منتخب الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ کو آقائے منتخب بھی کہتے ہیں آپ شیخ برہان الدین غریب کے بڑے بھائی ہیں اور زرے زرین اور زر بخش کے لقب ملقب ہوئے۔ معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ یہ لقب آپ کو اس لئے ملا کہ آپ بڑے ریاضت اور مجاہدہ کے عادی تھے۔ شیخ منتخب الدین رحمۃ اللہ علیہ محبوبی کے مرتبے پر پہنچے ہوئے تھے خزانہ غیب سے انہیں ہر روز صبح و شام دو سنہری خلعتیں آیا کرتی تھیں۔ آپ انہیں بیچ دیتے اور درویشوں اور مسکینوں میں خرچ کر دیتے۔ اور خود استعمال نہ کرتے۔ اس لئے آپ کا لقب زرے زرین زر بخش پڑ گیا۔

جن دنوں ملک دیوگیر میں کفر و بدعت کا دور دورا تھا تو حضرت خواجہ فرید گنج شکرؒ نے آپ کو دیوگیر کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر مخلوق کو ہدایت دی اور بہت سے لوگوں کو راہ راست پر لے آئے۔ جن لوگوں نے ضد میں آکر انکار کر دیا۔ ان کے لئے بددعا کی اُن کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ آج تک دیوگیر کے پہاڑوں میں پتھر کی بنی ہوئی مسخ صورتیں پائی جاتی ہیں۔ آپ فوت ہوئے تو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی جگہ مقرر فرمایا۔ آپ نے اتنی محنت کی کہ اس ملک میں کفر و بدعت کا

نام ونشان نہ رہا۔

معارج الولائیت کے مصنف نے آپ کی تاریخ وفات سات ربیع الاوّل چھ سو پچانوے ۶۹۵ھ لکھی ہے۔

شیخ عالم پیرِ دوران منتخب
شد چو از دنیا سوئے دار البقا
کاشف حق صوفی آمد رحلتش
ہم نجوان مہدی کامل مقتدا

سیّد محمد بن سیّد محمود کرمانی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے احباب میں سے تھے آپ کا اصلی وطن کرمان تھا۔ تجارت کرتے کرتے لاہور آگئے۔ وہاں سے پاک پتن پہنچ کر حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے ماموں سیّد احمد ملتان میں تھے۔ آپ بھی ملتان چلے گئے جب تجارت کے سفر پہ نکلتے پہلے لاہور آتے پھر پاک پتن شریف جاتے اور وہاں سے ملتان چلے جاتے اس آمد ورفت میں انہیں شیخ فریدالدین گنج شکر سے محبت پیدا ہو گئی۔ کاروبار کو چھوڑ کر اللہ کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔ حضرت گنج شکر کے مرید بنے اور ان کی وفات کے بعد سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ولی کامل بن گئے۔

اخبار الاخیار کے مصنف نے آپ کی وفات بروز جمعہ سات سو گیارہ ہجری لکھی ہے۔ آپ کا مزار پُرانوار شیخ نظام الدین کے دوستوں کے چبوترے پر واقع ہے۔

محمد ابن محمود آں مہ کرمان شہ عالم ۔ کہ ذاتش بود محبوب بن مقبول ربانی

تیاریخ وصالش شنیدا مشکلکشا ازدل - وگرگفتا محمد بود سید پیر کرمانی

۱۱۷ھ ۔ ۱۱۷ھ

شیخ نظام الدین شیرازی قدس سرہٗ:- آپ شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی کے خلیفۂ اعظم تھے آپ کا سینہ صفات عالیہ سے آراستہ تھا۔ درویشی کا شیوہ رکھتے تھے۔ بڑے شوق سے سماع سُنتے۔ دوستوں میں سرفراز تھے۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے بھی شرف یاب ہوئے۔ شجرۂ چشتیہ کے مصنف نے آپ کا سال وفات سات سَو اٹھارہ ۷۱۸ھ ہجری لکھا ہے اور آپ کا مزار پُرانوار دہلی میں ہے

رفت از دیر چون نظام الدین
ہم ولی سعید شیرازی

۷۱۸ھ

شیخ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہٗ:- آپ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مقامات عالیہ پر فائز تھے۔ سیر الاقطاب کے مصنف کہتے ہیں کہ آپ کو حضرت صابر کے علاوہ حضرت خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خرقۂ خلافت ملا تھا۔ آپ حضرت گنج شکر کے حکم اور غیبی الہام پر حضرت صابر کے ساتھ پاک پتن سے کلیر گئے۔ آپ کا اصلی وطن ترکستان تھا اور وہاں کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ طلب حق میں اپنے وطن سے نکلے پاک پتن پہنچے۔ جناب گنج شکر کے مرید ہوئے۔ کچھ عرصہ رہ کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پھر گنج شکر کی اجازت سے حضرت صابر کے ساتھ کلیر شریف پہنچے۔ خدمت گزاری کی وجہ سے حضرت علی احمد صابر آپ کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور حقیقت یہ ہے آپ سلسلہ صابریہ چشتیہ

کے امام تھے۔ پندرہ سال تک آپ حضرت صابر کے غسل وضو کھانا پکانے اور لکڑیاں لانے کی خدمت پر مامور رہے۔ پھر آپ سے اجازت لے کر کچھ عرصہ بادشاہ کے لشکر میں نوکری کر لی چنانچہ دہلی آکر سلطان غیاث الدین بلبن کے لشکر میں سواروں کی فوج میں ملازم ہو گئے۔ انہی دنوں بادشاہ نے ہندوستان کے ایک قلعے پر لشکر کشی کی خواجہ شمس الدین ترک بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ قلعہ کے فتح ہونے میں کچھ دیر لگی اور بادشاہ کئی مہینے تک وہاں ہی پڑاؤ ڈالے رہے۔ ایک رات گرد و غبار کا طوفان اٹھا۔ بادل اور بجلی چمکنے لگی۔ سارے لشکر میں کہیں آگ نہ رہی بادشاہ کے باورچی خانے کے انچارج آپ کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شاہی سواروں کے ایک سوار کے خیمے میں چراغ جل رہا ہے۔ جب نزدیک پہنچے۔ دیکھا کہ ایک درویش چراغ کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے۔ اگرچہ طوفان سخت تیز تھا۔ مگر چراغ بجھنے نہ پاتا تھا۔ شاہی ناظم خیمے کے قریب گیا۔ تو حضرت کی ہیبت اور رعب سے اس کی زبان سوال کرنے میں عاجز رہی۔ ناگاہ حضرت نے سر اٹھایا اور اسے آواز دے کر کہا کہ اگر آگ چاہتے ہو تو یہاں سے لے لو۔ وہ شخص آگے بڑھا ایک لکڑی آگ سے روشن کی اور آگ کو شاہی باورچی خانے میں لے گیا۔ صبح ہوئی تو وہی شخص پانی لینے کے لئے اس کی طرف سے گزرا اس نے دیکھا کہ شیخ اپنے خیمے میں نہیں ہے۔ وہ تالاب پر پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ ایک ہتھیار بند سپاہی تالاب پر وضو کر رہا ہے اس نے آپ کو پہچان لیا۔ یہ تو وہی بزرگ ہیں جو چراغ کی روشنی میں رات کو قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے وضو کرنے کے بعد حضرت شیخ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور اس شخص نے اس مقام سے مشک کو بھرا جہاں حضرت شیخ وضو کر رہے تھے وہ حیران رہ گیا۔ کہ اس جگہ تالاب کا پانی گرم ہے۔ حالانکہ شدید سردی کی وجہ سے سارا تالاب برف سے ڈھانپا

ہوا تھا۔ چنانچہ یہ شخص تین دن تک حضرت کے وضو کرنے کی جگہ سے پانی بھر کرلے جاتا اور شاہی باورچی خانے میں گرم پانی استعمال کرتا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی۔ دوسرے دن اس کے ساتھ ہی بادشاہ حوض پہ آیا اور گرم پانی کی تصدیق کی اور پھر اس شخص کی رہنمائی میں حضرت کے خیمے میں پہنچا۔ بادشاہ نے عرض کیا کہ میں بڑا نیک بخت ہوں کہ آپ جیسے ولی اللہ میرے لشکر میں موجود ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے۔ قلعہ فتح نہیں ہو رہا۔ حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور قلعہ کے فتح کی بشارت دی۔ چنانچہ اسی دن قلعہ فتح ہو گیا۔ چونکہ شیخ کا یہ راز منکشف ہو گیا تھا اس لئے آپ وہاں سے ملازمت چھوڑ کر اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں چلے آئے اور خرقہ خلافت پانے کے بعد پانی پت کی ولایت کے مالک بنے۔

شیخ علام معین الدین اپنی کتاب معارج الولائیت میں ر۔ لکھتے ہیں کہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی حضرت شیخ احمد یسوی کے بیٹے تھے۔ آپکا سلسلہ نسب چند واسطوں سے محمد حنفیہ بن علی المرتضیٰ و جہٗ سے ملتا ہے۔ ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد آپ ترکستان سے نکلے اور طلب حق میں بڑے ملکوں کی سیر و سیاحت کی ماورالنہر کے بہت سے بزرگوں سے ملاقات کی پھر ہندوستان پہنچے۔ یہاں آکر کلیر شریف میں شیخ علی احمد صابر کے مرید ہوئے ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہے اور آپ سے بڑی بڑی کرامات ظاہر ہونے لگیں حضرت صابر کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت ترک کو اپنے پاس بلایا اور خرقۂ خلافت عطا کیا ساتھ ہی پانی پت جانے کی اجازت دی اور ارشاد فرمایا کہ میرے مرنے کے تین دن بعد پانی پت کو روانہ ہو جانا۔ آپ نے گذارش کی کہ حضور پانی پت کی ولایت پر ان دنوں شرف الدین بو علی قلندر فائز ہیں۔ میں وہاں کس طریقے پر جا سکتا ہوں اور کس طرح رہ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی ولایت کا دور ختم ہو چکا ہے تم وہاں

پہنچو گے تو وہ شہر کے دروازے پر تمہیں آکر ملیں گے۔ حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے تین دن بعد حضرت شمس الدین پانی پت کو روانہ ہوئے وہاں پہنچے تو آپ کے رہنے کی کوئی جگہ نہ تھی ایک دیوار کے سائے کے نیچے بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ بوعلی قلندر نے نورِ باطن سے آپ کی حالت کو دیکھ لیا۔ اپنے حجرے سے باہر آئے اور حلوہ فروش کے بیٹے نے جو جنابِ قلندر کا محبوب اور منظور نظر تھا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا اس علاقے کی ولایت ایک اور بزرگ کے حوالے ہو گئی ہے اب میرے لئے حکم نہیں کہ میں اس شہر میں رہ سکوں۔ حلوہ فروش کے بیٹے نے کہا کہ حضور مجھے اس ملک کے صاحبِ ولایت سے ملاقات کروائیں۔ آپ نے فرمایا۔ فلاں محلے میں ایک شخص چمڑے کا لباس پہنے۔ قلندرانہ بیٹھا ہے۔ دیوار کے سائے میں بیٹھا ملے گا تم وہاں جاؤ اور ان کی زیارت کر لو۔ حلوہ فروش کا بیٹا وہاں پہنچا۔ اس مردِ درویش کو دُور سے دیکھا۔ اور واپس آ گیا۔ اس وقت حضرت بوعلی قلندر شہر سے نکل کر باہر جا چکے تھے۔ شیخ شمس الدین شہر میں داخل ہوئے۔ بوعلی قلندر کے حجرے میں آئے اور زندگی بھر وہاں ہی قیام کیا۔ اس دوران بوعلی قلندر اور خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی آپس میں بڑی محبت اور اتحاد سے رہے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا کہ پانی پت کے ایک بہت بڑے بزرگ سید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کرتے ہوئے کہ آپ کی سیادت کس طرح ثابت ہے یہ فرمایا ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے ایسے ہی سُنا ہے اور ہمارے پاس نسب نامہ بھی ہے۔ اُس بزرگ نے کہا اس بات کو ثابت کرنا بڑا مشکل ہے ہماری تسلی نہیں ہوئی آپ نے یہ بات سُنی۔ دل میں جوش پیدا ہوا۔ فرمایا کہ عوام الناس میں ایک بات مشہور ہے کہ جو شخص صحیح النسب سید ہو گا اور حضرت علی کی اولاد سے

ہو گا۔ اُس کے بال آگ میں نہیں جل سکتے۔ اگرچہ ہم نے آج تک اس بات کا تجربہ نہیں کیا۔ لیکن میرے نزدیک اِس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہے آؤ میں اور تم دونوں مل کر آگ میں کودتے ہیں۔ جسے آگ نہ جلائے گی وہ سید ہو گا۔ یہ کہتے ہی آپ خانقاہ کے تنور میں کود گئے اور تھوڑا وقت اُسی میں رہے اور اندر سے اُس سید کو آواز دی کہ تم بھی اندر آجاؤ تاکہ تمہاری سیادت کا دعویٰ بھی ثابت ہو سکے۔ وہ شخص شرمندہ بھی تھا اور خوف زدہ بھی۔ تنور کے نزدیک جا کر دیکھا کہ حضرت شیخ آگ میں بڑے مزے سے بیٹھے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُسکے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ واپس ہونا چاہتا تھا۔ تنور سے ایک شعلہ نکلا اُس کے کپڑوں پہ گرا اور جلنے لگا۔ وہ چیختا چلاتا ہائے ہائے کرتا دوڑ رہا تھا کہ حضرت شیخ تنور سے نکلے اور دوڑ کر اس کی آگ بجھائی۔ جب حالت ٹھیک ہوگئی تو سید مذکور نے توبہ کی اور آپ کا مرید ہو گیا۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے شیخ شاہ علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل کیا۔ کہ ایک رات میں بستر پہ سویا ہوا تھا کہ میرے شریکوں میں سے ایک بھائی میرے قتل کے لئے داخل ہوا تلوار کھینچی۔ مجھے مارنا ہی چاہتا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ غور سے دیکھا کہ وہ شخص مجھے ننگی تلوار سے قتل کرنا ہی چاہتا ہے میں نے حضرت شمس الدین ترک کا تصور کر کے فریاد کی۔ میں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ جس پہ چاندی کی انگوٹھی تھی۔ غیب سے نمودار ہوا اور اس ظالم کو گردن سے پکڑ کر باہر پھینک دیا۔ میں اُسی وقت اٹھا۔ وضو کیا۔ حضرت شیخ کے روضے منورہ کی طرف چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ قبر سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور میرے سر پہ رکھ دیا گیا۔ میں نے اس ہاتھ کو تبرکاً چوما دونوں آنکھوں کو لگایا اور دل میں آرزو کی کاش اندھیری رات نہ ہوتی دن کی روشنی ہوتی تو میں ہاتھ کی زیارت بھی کر سکتا۔ اسی وقت ہاتھ کے ناخن

سے روشنی کی ایک کرن نکلی اور میں نے دیکھا کہ یہ وہی ہاتھ ہے جس پر چاندی کی انگوٹھی ہے اور میرے قتل کو دفع کرنے کے لئے ظاہر ہوا تھا میں نے شکرانہ کے ہزار نفل پڑھے۔ فاتحہ کا تحفہ پیش کیا اور وہاں سے رخصت ہو آیا۔

شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں آئے تو آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ایک ہزار پچاس ہجری میں سید صفدر خان جو مغل بادشاہ شاہ جہاں کی طرف سے اکبر آباد کا گورنر تھا۔ کسی وجہ سے معزول کر دیا گیا۔ وہ ہندوستان سے چل کر اپنے وطن واپس جانا چاہتا تھا۔ پانی پت میں پہنچا تو حضرت شمس الدین کے روضے کی زیارت کے لئے وہاں رک گیا۔ روضے کے مجاوروں سے حضرت کے حالاتِ زندگی معلوم ہوئے اور ترکستان سے ہندوستان آنے کے حالات بھی سُنے۔ بہت رویا اور کہنے لگا کہ میں حضرت شمس الدین کی اولاد سے ہوں میں ہندوستان میں محض آپ کی زیارت بابرکت کے لئے آیا تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کا روضۂ مقدس کہاں ہے اس نے اپنا نسب نامہ نکالا۔ مجاوروں کو دکھایا جس وقت اُن بزرگوں کے ناموں کا مقابلہ ہوا تو یہ نسب نامہ حضرت شمس الدین کے دستخطوں سے مزیّن تھا۔ صفدر خان نے یہاں کہا کہ جب حضرت شیخ ترکستان میں رہتے تھے تو وہاں اُن کی شادی ہوئی آپ کے بیٹے کا نام سید احمد تھا۔ ہندوستان میں تشریف آوری کے بعد سید احمد کی وہاں بہت اولاد ہوئی۔ جس وقت یہ بات بادشاہ شاہ جہاں تک پہنچی تو اس نے صفدر خان کو اپنے دربار میں واپس بلایا اور صاحبزادگی کے ادب کے پیش نظر کابل اور قندھار کی حکومت اُس کے حوالے کر دی۔

شیخ شمس الدین سیر الاقطاب تذکرۃ العاشقین۔ معارج الولایت اور دوسری کتابوں کے حوالے سے سات سو پندرہ ۷۱۵ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ شجرۂ

چشتیہ کے مصنف نے آپ کا سال وفات سات سو اٹھارہ ہجری ۷۱۸ھ لکھا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک پہلا حوالہ درست ہے میری نظر میں اور بھی بہت سی کتابیں گزری ہیں جن میں آپ کا سالِ وفات سات سو پندرہ ہجری ۷۱۵ھ ہی ہے

رفت از عالم چو شمس الدین بخلد
سال وصل آں امام پیشوا !!
طالب مقبول شمس الدین بگو
۷۱۵ھ
نیز شمش الدین ولی باصفا
۷۱۵ھ

قاضی محی الدین کاشانی قدس سرہٗ:- آپ شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے۔ زہد و تقویٰ میں کامل۔ خرق و کرامت میں معروف اور علوم تفسیر و حدیث میں ماہر تھے سارا شہر آپ سے علوم دینیہ حاصل کرتا تھا۔ آپ نے مرید ہوتے ہی دنیاوی آسائشوں سے کنارہ کشی کرلی۔ بادشاہ نے آپ کو قضا کا پروانہ دیا تھا۔ آپ نے یہ فرمان اپنے پیر و مرشد کے سامنے لاکر جلا دیا اور فقر و مجاہدہ کو اختیار کر کے خرقہ خلافت حاصل کرلیا۔

کہتے ہیں کہ جب قاضی کاشانی نے تمام دنیاوی نعمتوں سے منہ موڑ لیا۔ اور فقر و فاقہ کو اپنا لیا۔ تو آپ کے لواحقین اہل و عیال جو دنیا کی آسائشوں کے خوگر تھے۔ تنگ دست ہو گئے۔ ان لوگوں کے ایک واقف حال نے یہ صورتحال بادشاہ وقت علاء الدین خلجی کے دربار میں پیش کی تو سلطان نے اودھ کی قضا کو از سر نو حضرت قاضی کاشانی کے سپرد کر دیا۔ جب یہ خبر ملی تو دوڑے دوڑے حضرت خواجہ نظام الدین کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔ حضور یہ معاملہ میری

عدم موجودگی میں میری مرضی کے خلاف ہوا ہے۔ آپ اس سلسلہ میں کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ اختیار کرنے کے بعد بھی تمہارے دل میں عہدہ قضا کی یادیں موجود تھیں یہی وجہ ہے کہ بادشاہ نے تمہیں دوبارہ قاضی مقرر کر دیا۔ قاضی صاحب کو اس صورت حال نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ادھر سلطان المشائخ نے اپنا خلافت نامہ واپس لے کر ایک کونے میں رکھ دیا ایک سال گزر گیا تو قاضی کاشانی کے دماغ میں تبدیلی آئی اور وہ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے از راہ ترحم دوبارہ مرید کیا اور خلافت نامہ لوٹا دیا اور کمالات اعلیٰ پر پہنچا دیا۔

حضرت قاضی کا سال وصال ۷۰۹ھ ہے۔

محی الدین مقتدائے ہر دو جہاں
رفت چوں از جہاں بخلد بریں
وصل او ہست صاحب تحقیق
نیز مہتاب حسن محی الدین

خواجہ علاء الدین بن شیخ بدر الدین قدس سرہٗ: آپ حضرت گنج شکر قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ سولہ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے اور چون ۵۴، سال حق خلافت اور سجادگی پورا کرتے رہے۔ زندگی میں آپ کی شہرت اور کرامت دنیا بھر میں پھیل گئی۔ آپ کا قدم مبارک جامع مسجد سے باہر نہ نکلتا۔ امراء اور ملوک سے بے نیاز تھے صائم الدہر اور قائم اللیل رہتے۔ رات کا ایک حصہ گزرتا تو افطار فرماتے تھے جود و سخاوت میں بحر بے کنارہ تھے۔ طہارت و لطافت میں بے مثال تھے۔ آپ کو فرید ثانی کہا جاتا تھا۔ گویا ایک سمندر تھا جس کی موجیں فیضان روحانیت سے مالا مال تھیں۔ اور حضرت

فرید گنج شکر کے بعد جاری ہوئی تھیں۔ حضرت خواجہ خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حق میں ایک شعر کہا ہے۔

علاء الدین و دنیا شیخ و شیخ زادۂ عصر
کہ شد بہ قید قائم مقام شیخ فرید

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا ابتدائی زندگی میں غازی نام تھا۔ اور صوبہ دیپالپور کا گورنر تھا۔ اور حضرت علاء الدین کا مرید تھا آپ ۷۲۰ھ میں فوت ہوئے تو ملک غازی دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے آپ کے مزار پر شاندار گنبد تعمیر کیا۔ کہتے ہیں پاک پتن میں یہ گنبد حضرت گنج شکر کے روضہ سے بلند ہے مگر دیکھنے والوں کو پست دکھائی دیتا ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں
شیخ ہفدہ طبق علاء الدین
بر تاریخ رحلت آں شاہ
شد رقم شمع حق علاء الدین

۷۲۰ھ

خواجہ شمس الدین قدس سرہٗ: آپ حضرت امیر خسرو دہلوی کے خواہر زادہ تھے۔ اپنے زمانہ کے فاضل یگانہ تھے حضرت سلطان المشائخ سے محبت بھی تھی اور ارادت بھی۔ نماز میں کھڑے ہوتے۔ جب تک حضرت خواجہ محبوب الٰہی کا چہرہ پاک نہ دیکھ لیتے تکبیر نہ کہتے مرض موت میں گرفتار ہوئے تو حضرت خواجہ نظام الدین عیادت کو آئے۔ مگر ابھی راستے میں ہی تھے۔ کہ خواجہ شمس الدین کی وفات کی خبر پہنچی۔ سن کر فرمایا۔ الحمدللہ "دوست بدوست پیوست"۔ آپ کی وفات ۷۲۲ھ میں ہوئی تھی۔

بہ مغرب رفت زیں دنیائے نانی
جو شمس الدین ولی مہر منور
عجب تاریخ وصلش جلوہ گر شد
ز شمس الاولیاء ہادی اکبر

شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی قدس سرہٗ: آپ برصغیر پاک وہند کے نامور اولیائے کبار میں مانے جاتے ہیں۔ پاک وہند کے مجاذیب کے امام اور صاحب اسرار مشائخ چشت کے راہنما شمار ہوتے ہیں ابتدائی زندگی میں علوم دینیہ میں مہارت حاصل کی۔ اور مجاہدہ اختیار کیا۔ جب جذب وسکر کی انتہا ہو گئی تو اپنی تمام کتابوں اور قلمی یادداشتوں کو دریا میں پھینک دیا۔ خانوادۂ چشت اہل بہشت سے تعلق قائم کیا۔ معارج الولایت کے مولف نے لکھا ہے کہ آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت ملا تھا۔ لیکن بعض تذکرہ نگار آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی قدس سرہٗ کا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں آپ نے بہت سی تصانیف یادگار زمانہ چھوڑیں جنہیں اہل ذوق وصحبت نے دل وجان سے قبول کیا۔ ان تصانیف میں عشق ومحبت۔ عوارف وحقائق۔ توحید۔ ترک ومحبت خداوندی کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ آپ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بنام اختیار الدین (جو آپ کے مرید خاص تھے) کتابی شکل میں سامنے آیا۔ یہ مکتوبات توحید کے مضامین کا عمدہ نمونہ ہیں۔ آپ کی ایک تصنیف حکمنامہ شیخ شرف الدین تھی۔ پھر مثنوی بو علی قلندر اگرچہ مختصر ہے۔ مگر رموز توحید۔ معارف سے مالا مال ہے آپ کے دوسرے اشعار رباعیات۔ غزل اور دوسرے اقسام پر پھیلے ہوئے تھے۔

آپ پانی پت کے قدیم باشندوں میں سے تھے۔ والد ماجد کا اسم گرامی فخر الدین سالار (قدس سرہٗ) تھا۔ اور والدہ مکرمہ بی بی حافظہ جمال تھیں۔ ان دونوں کے مقبرے پانی پت شہر کے شمال میں ہیں۔ آپ کے مرید اور خلفاء کا ایک سلسلہ تھا۔ جو برصغیر کے علاوہ عالم اسلام میں پھیلا تھا۔ دہلی کے حکمران علاء الدین خلجی اور جلال الدین خلجی بھی آپ کے حلقۂ مریدین میں تھے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت بو علی قلندر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام اعظم سے ملتا ہے۔ شیخ شرف الدین بو علی قلندر۔ بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابابکر غازی بن فارس بن عبد الرحمان بن عبد الرحیم بن محمد بن ذاکر بن امام نعمان ابو حنیفہ کوفی بن ثابت بن نعمان رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سیر الاقطاب نے ایک اور جگہ لکھا ہے آپ کے پیروں کا سلسلہ یوں لکھا ہے بو علی قلندر مرید و خلیفہ شیخ عاشق خدا داد۔ شیخ امام الدین ابدال خلیفہ شیخ بدرالدین غزنوی خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

یاد رہے کہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے جس دن حضرت ترک پانی پتی کلیر سے پانی پت تشریف لائے اسی دن سے شیخ شرف الدین بو علی قلندر نے پانی پت چھوڑ کر شہر کے باہر سکونت اختیار کر لی۔ چند روز گزرنے کے بعد شیخ شمس الدین کے ایک خادم اس مقام سے گزرے جہاں بو علی قلندر نے قیام کیا تھا۔ تو دیکھا۔ کہ شیخ بو علی قلندر شیر کی شکل میں تشریف فرما ہیں۔ یہ خادم ڈر گیا۔ اور دوڑا دوڑا شیخ شمس الدین ترک کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بات سن کر فرمایا۔ کہ دوبارہ جاؤ۔ اگر بو علی قلندر ابھی شیر کی شکل میں نظر آئے تو انہیں کہنا۔ شیر تو جنگل میں رہا کرتے ہیں۔

شہر میں ان کی گنجائش نہیں۔ خادم گیا تو شیخ بو علی قلندر کو شیر کی شکل میں دیکھا تو کہا میرے مرشد نے کہا ہے۔ کہ شیروں کو آبادی میں رہنا مناسب نہیں ان کا مقام تو جنگلات اور بیابان ہوتا ہے۔ وہ شیر اس وقت اٹھا اور جنگل کی طرف چلا گیا اور پانی پت سے کئی میل دور۔ اپنا بسیرا بنا لیا۔ یہ مقام آج بھی باگھونی کے نام سے پانی پت شہر سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ ہندی زبان میں باگھ شیر کو کہتے ہیں باگھونی مقام شیر کو کہا جاتا ہے یہ مقام اب تک خلق کی زیارت گاہ ہے۔ حضرت شیخ بو علی چند سال یہاں رہے۔ پھر موضع بڈھا کیڑہ جو کرنال کے مضافات میں ہے۔ سکونت پذیر رہے۔

اخبار الاخیار کے مولف گرامی نے لکھا ہے۔ ایک وقت آیا۔ جب آپ جذب مستی میں تھے۔ تو آپ کی مونچھیں بہت بڑھ گئیں کسی کو جرات نہ تھی کہ آپ کی مونچھیں چھوٹی کرنے کا مشورہ دیتا۔ آخر مولانا ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ شریعت کی پناہ لے کر قلینچی ہاتھ میں لی۔ ایک ہاتھ سے آپ کی داڑھی پکڑی اور دوسرے سے مونچھیں کاٹ دیں۔ حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر اپنی داڑھی ہاتھ میں پکڑ کر کہا کرتے کہ یہ داڑھی کتنی مبارک ہے اور یہ مونچھیں کتنی مقدس ہیں جو شریعت محمدیہ کے احترام میں کٹ گئیں۔

حضرت شیخ بو علی قلندر کے ایک خادم خاص تھے جن کا نام مبارک خان تھا عام لوگوں کو آپ کے نزدیک جانے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ مبارک خان لوگوں کے مسائل لے کر حاضر ہوتا۔ اور حل مشکلات کراتا۔

سیر الاقطاب اور تذکرہ العاشقین نے آپ کی تاریخ وصال سترہ رمضان المبارک ۷۲۴ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار پانی پت کرنال میں ہے۔

چوں شرف از جہاں عفت رفت
متصل شد بوصل ربِّ ودود
سال وصلش شرف ولی زماں
۷۲۴ھ

نیز فرما شرف ولی محمود
۷۲۴ھ

شرف سعید + زیب عالم قلندر مسعود + مخدوم اجلّ
۷۲۴ھ ۷۲۴ھ ۷۲۴ھ

معدن اسرار محمود + شرف محبوبی + مالک عالی قدر بوعلی
۷۲۴ھ ۷۲۴ھ ۷۲۴ھ

طالب محمود سرور علی۔
۷۲۴ھ

شیخ نظام الحق والدین بدایونی قدس سرہٗ:۔ آپ شیخ فرید الملت والدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص اور محرم اسرار و محبت باوقار تھے۔ اسم گرامی محمد بن احمد دانیال بن علی بخاری قدس سرہٗ الباری تھا۔ آپ کا لقب سلطان المشائخ۔ سلطان الاولیاء سلطان السلاطین تھا محبوب الٰہی کے خطاب سے مشہور ہوئے تھے۔ پاک و ہند کی سرزمین آپ کے آثار و برکات سے مالا مال ہوئی۔ آپ کے جد بزرگوار اور جد مادری (نانا) خواجہ عرب دونوں آپ کے والد احمد دانیال کے ساتھ بخارا سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے۔ کچھ عرصہ لاہور میں رہے۔ پھر بدایون میں آکر قیام پذیر ہوئے۔

حضرت شیخ نظام الدین بدایون میں ۶۳۴ھ کو پیدا ہوئے۔ یہ وہی سال تھا

جس میں سلطان التمش اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہما کا انتقال ہوا تھا ابھی پانچ سال کے ہی تھے کہ والد ماجد بھی انتقال فرما گئے اور بدایون میں دفن ہوئے آپ کو آپ کی والدہ جن کا اسم گرامی بی بی زلیخا قدس سرہا تھا نے پرورش کی۔ اس نیک بی بی نے خواجہ نظام الدین کی تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ شیخ چھوٹی عمر میں ہی علوم مروجہ اور متداولہ میں طاق ہو گئے۔ حدیث۔ تفسیر فقہ صرف نحو منطق و معانی میں دسترس حاصل کی۔ بارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر دستار فضیلت سے سر فراز ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں حضرت نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ جو حضرت خواجہ فرید شکر گنج کے برادر حقیقی تھے کی صحبت میں بیٹھنے لگے۔ انہی کی وساطت سے آپ کو خواجہ فرید شکر گنج کے حضور رسائی ہوئی۔ آپ پاک پتن پہنچے اور آپ کے مرید ہوئے۔ آپ کے شوق اور آتش ذوق کی وجہ یہ تھی۔ کہ ایک دن ابو بکر نامی قوال نے سفر سے آکر اپنے سیر و سیاحت کے واقعات بیان کئے۔ اور بتایا کہ میں نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی مجلس میں نعت سنائی اور قوالی کی تھی۔ وہ بڑے عابد۔ زاہد متقی اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ آپ کے گھر کے خادم اور کنیزیں بھی آٹا گوندھتے ذکر خداوندی میں مشغول رہتی ہیں۔ ملتان سے چل کر پاک پتن آیا۔ میں نے وہاں ایک درویش کی زیارت کی۔ نہیں بلکہ ایک شہنشاہ کی زیارت کی ان کا نام نامی فرید الدین تھا۔ وہ کرامت ورع۔ تقویٰ میں ساری دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتا وہ مریدوں کو بیعت کرتے وقت اللہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی روحانی نعمتوں کا قاسم بنا کر بھیجا ہے۔

شیخ نظام الدین قدس سرہٗ نے اس قوال کی باتیں سنیں تو آتش شوق شعلہ زن ہوئی۔ اسی وقت حضرت نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی وساطت سے حضرت خواجہ فرید الملت والدین کی خدمت

شرف باریابی حاصل کیا۔

کہتے ہیں کہ جس دن حضرت خواجہ نظام الدین حضرت فرید شکر گنج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضرت خواجہ نے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(ترجمہ:۔ تمہاری آتش فراق نے دلوں کو کباب کر دیا۔ تمہارے اشتیاق کے سیلاب نے جانوں کو برباد کر دیا ہے)

یہ شعر نہیں تھا۔ گویا تیر تھا۔ جو حضرت خواجہ فرید کے کمان اشتیاق سے نکلا اور خواجہ نظام الدین کے دل میں پیوست ہو گیا۔ آپ اٹھے۔ قدم بوس ہوئے اور مرید ہو گئے۔

جن دنوں حضرت خواجہ نظام الدین کو خرقہ خلافت ملا آپ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی چند روز گزارنے کے بعد ندائے غیبی سے غیاث پور کو روانہ ہو گئے اور اس جگہ کو اپنی قیام گاہ بنا لیا۔ کچھ عرصہ تک آپ پر اور آپ کے درویشوں پر بڑی سختی آئی۔ کئی کئی دن کھانا نہ ملتا۔ چار چار دن بعد درویش افطار کرتے۔ حضرت کے ہمسایہ میں ایک عورت رہتی تھی۔ یہ بہت نیک سیرت اور صالحہ تھی۔ رسیاں تیار کر کے روزی کماتی۔ اور بے نان و نمک کھانا تیار کر کے پیٹ بھر لیتی۔ اس نے حضرت کی اور آپ کے درویشوں کی حالتِ زار دیکھی تو ایک دن آدھ سیر جَو کا آٹا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی آپ اسے اپنے درویشوں کو پکا کر کھلائیں۔ حضرت نے اپنے محب خاص شیخ کمال الدین یعقوب کو فرمایا کہ اس آٹے کو مٹی کی ہنڈیا میں ڈال دو۔ اس میں تھوڑا پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دو۔ شائد یہ درویشوں اور آنے والے مسافروں کی خوراک بن سکے۔ چولہے پر ہنڈیا

چڑھا دی گئی اُبلنے لگی۔ اب پک ہی رہی تھی کہ خانقاہ میں ایک درویش داخل ہو کر کڑک کر بولا۔ نظام الدین کھانے کے لئے جو کچھ ہے لے آؤ۔ آپ نے فرمایا ہنڈیا چولہے پر ہے پک رہی ہے۔ صبر کریں۔ پک جاتی ہے پھر کھا لینا۔ درویش نے کہا۔ نظام الدین تم خود اٹھو۔ جیسی بھی ہنڈیا پکی ہے لے آؤ۔ مجھے سخت بھوک ہے۔ آپ اٹھے۔ چادر کے ایک کونے سے ہاتھ لپیٹا۔ پکتی ہوئی ہنڈیا چولہے سے اٹھائی اور اس درویش کے سامنے لا رکھی درویش ہنڈیا میں ہاتھ ڈال کر گرم گرم لقمے کھاتا جاتا تھا۔ اس قدر گرم ہنڈیا اور کھانا کہ اس کے ہاتھوں پر اثر کرتا اور نہ گرم لقمے اس کے منہ کو جلاتے حضرت دیکھتے رہے۔ کچھ کھا چکنے کے بعد ہنڈیا کو اٹھایا۔ اور اوپر لے جا کر زمین پہ پھینک دیا۔ ہنڈیا ٹوٹ گئی۔ کھانا زمین پہ پھیل گیا۔ اب اس درویش نے کہا۔ نظام الدین! باطنی نعمت خواجہ فرید سے حاصل کر چکے ہو۔ بھوک اور تنگدستی کی ہنڈیا میں نے توڑ دی ہے۔ آج سے تم ظاہر و باطن کے بادشاہ ہو" یہ کہہ کر وہ درویش غائب ہو گیا۔ اس دن سے اتنے فتوحات آنے لگے کہ حد و شمار نہ رہا۔ ہزاروں درویش و مسافر ہر روز کھانا کھاتے مگر ختم ہونے کو نہ آتا۔

تذکرہ العاشقین میں لکھا ہے۔ کہ غیاث الدین معز الدین کیقباد بادشاہ نے غیاث پور کی تعمیر نو کرنا شروع کی۔ ہر طرف محلات اور تجارتی مراکز بننا شروع ہوئے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ تو حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہٗ نے محسوس کیا۔ کہ اب اس شہر میں بھیڑ ہو گئی ہے۔ یہاں سے کہیں اور جگہ چلنا چاہیئے انہی دنوں آپ کی خانقاہ میں ایک خوبصورت نوجوان آیا اور آتے ہی یہ شعر پڑھا۔

روزِ کے تو سرشدی نمیدانستی　　کہ انگشت نمائے عالم خواہی شد

اجازت سے ہی گھوڑیاں لے کر آیا تھا حضرت نے دوسرے روز نہایت مسرت و شادمانی سے گھوڑیاں لیں اور اپنے پیر و مرشد کا شکریہ ادا کیا۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ سلطنت دہلی پر متمکن ہوا تو اس نے علاء الدین کے لئے خضر خان کو جو حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہٗ کا مرید تھا اور اس نے حضرت کی خانقاہ کے احاطہ میں حضرت کے لئے بڑی بڑی عمارات بنائیں تھیں۔ قطب الدین مبارک شاہ نے یہ عمارتیں گرا دیں اور خضر خان کو شہید کر دیا۔ پھر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے بھی درپے آزار ہوا۔ ایک دن اس نے قاضی محمد غزنوی کو جو سلطان قطب الدین کا مشیر خاص تھا۔ پوچھا کہ نظام الدین اتنا لوگوں کو کھلاتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں تو یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ قاضی کو بھی حضرت شیخ نظام الدین سے مخالفت تھی۔ کہنے لگا۔ کہ بادشاہ کے امراء وزیر سے لے کر سپاہی تک خواجہ نظام الدین کو نذریں پیش کرتے ہیں اس وجہ سے آپ بے دریغ خرچ کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ دو ہزار روپے کا کھانا ہی پکتا ہے۔ جو عام لوگوں کو کھلا دیا جاتا ہے یہ بات سن کر بادشاہ حسد کی آگ میں جل اٹھا۔ اور اُسی وقت ایک فرمان جاری کیا کہ جو شخص شیخ کے گھر جائے گا یا کسی قسم کا نذرانہ پیش کرے گا تو شاہی خزانہ سے اس کی تنخواہ بند کر دی جائے گی۔ حضرت شیخ نظام الدین نے یہ بات سُنی تو اپنے خاص غلام اور خانسامے خواجہ اقبال کو بلایا اور حکم دیا کہ آج سے لنگر کا خرچ دُگنا کر دیا جائے اور پیسے کی جب بھی ضرورت پڑے فلاں طاق سے لے لینا اور بسم اللہ پڑھ کر خرچ کرتے جانا خواجہ اقبال ایسے ہی کرتے رہے اور اُن کو جتنی نقدی کی ضرورت ہوتی اس طاق سے لے لیتے۔

بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو بڑا شرمندہ ہوا اپنے امراء میں سے ایک شخص کو حضرت

دجس دن آپ چاند تھے۔ آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک دن سارا جہاں تمہاری طرف انگلیاں اٹھائے گا۔)

مزید فرمایا۔ اس قدر مشہور نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر مشہور ہو گئے ہو تو بھاگ کر میدان حشر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار نہیں ہونا چاہیئے خلوت میں اللہ کو یاد کرنا آسان بات ہے۔ مگر لطف تو اس میں ہے۔ کہ مخلوق کے ہجوم میں رہتے ہوئے۔ اللہ کی یاد سے محروم اور غافل نہ رہا جائے۔

حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ اس نوجوان کی یہ بات سن کر میں اٹھا اندر سے کھانا لاکر پیش کیا۔ مگر اس کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ظاہر تھے۔ اس نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ میں نے اسی وقت دل میں ارادہ کر لیا کہ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ نوجوان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر کھانا کھانے لگا۔ خوش خوش کھانا کھاکر اٹھا اجازت لی اور چلا گیا۔ اس دن کے بعد اسے کبھی نہیں دیکھا

ابتدائی زمانہ میں حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ غیاث آباد سے پیدل کیلو رام رصی نماز جمعہ ادا کرتے جاتے تھے۔ ایک دن آپ کے دل میں خیال آیا۔ کہ اگر میرے پاس سواری کے لئے ایک گھوڑی ہوتی تو میں بھی پیدل جانے کی بجائے سوار ہو کر نماز جمعہ کو جاتا۔ دوسرے دن شیخ نورالدین یار پراں آپ کی خدمت میں دو گھوڑیاں لے کر حاضر ہوا۔ اور کہا کہ میرے پیر و مرشد نے خواب میں حکم دیا ہے کہ گھوڑیاں آپ کی سواری کے لئے پیش کروں تاکہ وہ آئندہ غیاث پور سے کیلوکڑھی پیادہ نہ جایا کریں آپ نے فرمایا۔ آپ نے اپنے پیرو مرشد کے حکم پر گھوڑیاں پیش کی ہیں۔ ہم بھی اپنے پیر و مرشد کی اجازت کے بغیر گھوڑیاں نہیں لے سکتے۔ دوسرے روز حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنج قدس سرہٗ نے خواب میں فرمایا۔ بابا نظام الدین گھوڑیاں لے لو۔ پیر ملک یار پراں ہماری

شیخ کی خدمت میں بھیجا اور حکم دیا کہ شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی ہمارے ملنے کو آ رہے ہیں۔ اور وہ دہلی میں قیام کریں گے۔ آپ دہلی میں رہتے ہیں۔ مگر ہمیں ملنے کے لئے نہیں آتے اس سے ہماری بے عزتی ہوتی ہے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ہمارے پیروں کی یہ عادت ہے کہ وہ بادشاہوں کے دربار میں نہیں جاتے اس لئے ہمیں معذور سمجھا جائے۔ بادشاہ یہ بات سنتے ہی۔ سانپ کی طرح پیچ کھانے لگا۔ اور کہا کہ شیخ کو میرے حکم کی تعمیل کرنا پڑے گی۔

حضرت شیخ نظام الدین نے شیخ حسن علی سنجری کو شیخ ضیار الدین رومی کے پاس بھیجا۔ آپ سلطان قطب الدین کے مرشد تھے۔ اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے کہ آپ سلطان قطب الدین کو سمجھائیں کہ وہ فقیروں کو تنگ نہ کرے کیونکہ درویشوں کو ستانے کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔ شیخ حسن جب شیخ ضیار الدین کے پاس گئے تو دیکھا کہ آپ سخت بیمار ہیں۔ بات کئے بغیر واپس آ گئے خواجہ نظام الدین کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ تین دن کے بعد شیخ ضیاء الدین کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی تقریب فاتحہ پر دہلی کے تمام مشائخ اور امراء جمع ہوئے سلطان قطب الدین بھی شیخ ضیاء الدین کی قبر پہ حاضر ہوا۔ بادشاہ قبر پہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین بھی وہاں موجود تھے۔ آپ قبر کی طرف آگے بڑھے تو تمام مشائخ نے اُٹھ کر آپ کی تعظیم کی لیکن بادشاہ قطب الدین جو تلاوت قرآن کر رہا تھا۔ بیٹھا رہا وہاں حضرت شیخ کے بعض احباب نے گزارش کی کہ اتفاق سے بادشاہ بھی اس مجلس میں موجود ہے اگر آپ اس سے ملاقات کر لیں تو ہم اسے امادہ کریں۔ آپ نے فرمایا اس بات کی کوئی ضرورت نہیں۔ بادشاہ کو قرآن پڑھنے دو بادشاہ گوشہ چشم سے آپ کو دیکھتا جاتا اور ساری باتیں سنتا جاتا اور دل ہی دل میں غصے سے پیچ و تاب کھاتا۔ آخر کار بادشاہ نے ایک اجلاس منعقد کیا۔ تمام مشائخ کو بُلایا اور انہیں کہا کہ آپ سب لوگ

شیخ نظام الدین کو سمجھائیں کہ وہ ہر روز ہمیں ملنے کے لئے دربار میں آیا کریں۔ اگر روزانہ نہیں آسکتے تو ہفتہ میں ایک بار یا مہینہ کی پہلی تاریخ ضرور حاضری دیا کریں اگر آپ لوگوں کے سمجھانے پر بھی وہ نہ مانے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ میں خود سمجھ لوں گا۔

سید قطب الدین غزنوی شیخ عماد الدین طوسی۔ شیخ وجد الدین اور برہان الدین بادشاہ کے کہنے پر شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مصلحت وقت کے مطابق تقاریر کیں۔ حضرت شیخ نے ان بزرگوں کی باتیں سن کر تھوڑا سا غور کیا اور فرمایا اچھا دیکھو اللہ کو کیا منظور ہے ان بزرگوں نے آپ کی اس بات کو رضامندی سمجھتے ہوئے بادشاہ کو جاکر کہا کہ حضرت شیخ چاند کی پہلی تاریخ کو دربار میں آنے کے لئے تیار ہوگئے ہیں۔ بادشاہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ یہ ماہ صفر کی ستائیسویں تاریخ تھی اسی رات خواجہ وجید قریشی امیر خسرو کے بھائی اعزالدین علی حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہم نے سنا ہے کہ آپ بادشاہ کے دربار میں جانے کو راضی ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا میں اپنے پیروں کی عادت کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا وہ بڑے حیران ہوئے کہ ادھر بادشاہ انتظار کر رہا ہے کہ کب پہلی تاریخ ہو اور شیخ ہمیں ملنے کو آئیں۔ مگر یہاں شیخ ابھی تک راضی نہیں ہو رہے اس صورتِ حال سے بڑی بدمزگی ہو گی۔ حضرت شیخ نے ان کی حیرانی دیکھی تو فرمایا کہ آپ لوگ فکر نہ کریں سلطان قطب الدین میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ چنانچہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک چبوترے پر قبلہ رو ہو کر بیٹھا ہوں ایک بڑے سینگوں والا بیل میری طرف دوڑتا ہوا آیا وہ مجھے مارنا چاہتا تھا۔ میں اٹھا اور اس کے دونوں سینگ پکڑ لئے اور اس کو زمین پر دے مارا وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ میں یہ خواب دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قطب الدین بادشاہ میرا کچھ

بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔

چاند کی انتیس[۲۹] تاریخ ہوگئی۔ نماز ظہر کے بعد آپ کا غلام خواجہ اقبال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا۔ آج مہینے کی آخری رات ہے صبح آپ نے بادشاہ کی ملاقات کو جانا ہے اگر حکم ہو تو سواری کا انتظام کروں۔ آپ نے فرمایا ابھی چپ رہو۔ نماز عصر پڑھ چکے تو خواجہ اقبال پھر حاضر ہوا یاد دلایا مگر آپ خاموش رہے وہ سمجھ گیا۔ کہ آپ بادشاہ کو ملنے نہیں جائیں گے رات ہوئی تو واقعی حضرت شیخ بادشاہ کو ملنے نہ گئے۔ آدھی رات سے کچھ آگے سلطنت کا ایک امیر خسرو خاں جسے بادشاہ نے پالا تھا اور مٹی سے اُٹھا کر بہت بڑا عہدہ دیا تھا۔ اور پچاس ہزار سواروں پر افسر لگایا ہوا تھا اور اپنا مشیر خاص بنایا ہوا تھا۔ اٹھا اور سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے ہزار ستونوں والے محل میں پہنچا اور قاضی محمد غزنوی کو ساتھ لے کر ایک ظاہر بیگ نامی قاتل کے ہاتھوں سلطان قطب الدین کو قتل کرا دیا بلکہ بادشاہ کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی قتل کرا دیئے خود تختِ سلطنت پر بیٹھا چند ماہ حکمرانی کی اور سلطان غیاث الدین تغلق کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔

سلطان قطب الدین کے والد علاء الدین خلجی نے بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کو بھی ایک بار دربار میں طلب کیا تھا۔ مگر اس نے یہ بہانہ بنایا۔ کہ میں نے اپنے بھائی الف خان کی قیادت میں بڑا عظیم الشان لشکر روانہ کیا ہے مگر اب تک اس کی خبر نہیں آئی مجھے بڑا فکر ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ایک اور لشکر روانہ کردوں اگر آپ چند لمحوں کے لئے تشریف لے آئیں۔ تو آپ سے مشورہ بھی کرلوں گا۔ اور دعا بھی حاصل کرلوں گا۔ آپ کی تشریف آوری میرے لئے باعث صد افتخار ہوگی۔ یہ پیغام سن کر حضرت خواجہ نے چند لمحوں کے لئے مراقبہ فرمایا سر اٹھا کر فرمایا۔ سلطان کو کہہ دیں میرے آنے کی ضرورت نہیں انشاء اللہ کل چاشت کے

وقت آپ کو فتح کی خوشخبری مل جائیگی اور آپ کے بھائی کی خیریت کی خبر بھی مل جائے گی اور چند روز تک الف خان مال غنیمت لے کر آجائے گا۔ بادشاہ اس خبر سے بڑا خوش ہوا۔ نذرانہ پیش کیا۔ خبر پہنچنے پر پانچ سو دینار سرخ بھیجے کیونکہ دوسرے روز ہی فتح کی خبریں آگئیں جس دن الف خان دہلی پہنچا تو علاء الدین خلجی نے حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں مزید پانچ سو سرخ دینار زر بھیجے اس وقت آپ کی خدمت میں ایک قلندر راسقدیار موجود تھا۔ اس نے دینار دیکھے تو نصف اپنے لئے کھینچ لئے اور کہنے لگا "یا الہدیۃ مشترک" نذرانہ مشترک ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا "تنہا خوشترک" تم اکیلے کو ہی اچھا لگتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے سارا نذرانہ اس کے حوالے کر دیا شمس الدین نامی شہر میں بزازی کا کام کرتا تھا مگر اس کی عادت تھی کہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے متعلق بدگفتگی کرتا اور سست الفاظ کہتا دل میں بھی آپ سے کدورت اور نفرت رکھتا تھا۔ ایک دن موضع افغانان کے سبز باغ میں بیٹھا تھا۔ دوستوں کی مجلس برپا تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا وہ شراب کا ایک پیالہ اٹھا کر پینے لگا۔ تو اسے نظر آیا۔ کہ شیخ نظام الدین سامنے کھڑے ہیں اور انگلی کے اشارے سے فرما رہے ہیں شراب نہ پیو۔ اس نے اسی وقت شراب کا پیالہ پھینکا۔ صراحی توڑ دی اور دوڑا دوڑا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا شمس الدین اللہ تعالیٰ جسے اپنی نگاہ کرم سے نوازے اسے شیطان نہیں ورغلا سکتا۔ چنانچہ اسے اپنا مرید بنایا اور سعادت ابدی تک پہنچا دیا حضرت خواجہ محبوب الٰہی نظام الدین قدس سرہٗ کے ایک عقیدت مند نے آپ کی دعوت کا اہتمام کیا مجلس سماع بھی منعقد ہوئی۔ اس مجلس کے شرکاء کے لئے صاحب خانہ نے کھانے کا بھی انتظام کیا ہوا تھا۔ مگر مجلس سماع کی وجہ سے کئی ہزار سامعین موقع پر پہنچ گئے مجلس ختم ہوئی تو کھانا صرف پچاس آدمیوں کے لئے پکایا گیا تھا صاحب مجلس بڑا

پریشان ہوا کہ اب اتنے آدمیوں کے کھانے کا کس طرح بندوبست کیا جائے حضرت شیخ اُس کی پریشانی کو نورِ فراست سے پا گئے اور اپنے خادم خاص جس کا نام مبشر تھا کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ جاؤ لوگوں کے ہاتھ دھلاؤ اور دو دو آدمی اکٹھے بٹھاتے جاؤ پھر ہر روٹی کے چار چار حصے کر لو۔ اور ایک طباق میں رکھ کر اس کے اُوپر چادر ڈال دو اور بسم اللہ کہتے ہوئے تقسیم کرتے جاؤ۔ شیخ کے حکم کے مطابق کھانا تقسیم ہونے لگا۔ کئی ہزار شخص کھانا کھا چکے تو ابھی اتنا کھانا باقی تھا کہ جو صاحبِ مجلس نے پکایا تھا۔

سامانا قصبے میں ایک عالم اور دانش ور شخص رہتا تھا۔ اتفاقاً اس کے گھر کو آگ لگ گئی۔ اور اس میں بادشاہ کا فرمان اور قبالہ جس میں اُسے جاگیر ملی تھی جل گیا وہ دہلی آیا اور بڑی مشکل سے بادشاہی دیوان سے اُس فرمان کی نقل حاصل کی لیکن جب دربار سے باہر نکلا تو وہ فرمان بھی کہیں گر گیا رونا دھونا شروع کر دیا حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لئے التجا کی۔ آپ نے مُسکراتے ہوئے فرمایا۔ اگر اب تمہیں شاہی فرمان مل جائے تو حضرت فرید گنج شکر کے روحِ پاک کے لئے نذر دینا۔ اس دانشوار نے یہ بات قبول کر لی۔ حضرت نے فرمایا مولانا کتنی اچھی بات ہو کہ آپ اس وقت بازار جا کر حلوہ خریدیں اور اُسے یہاں لے آئیں۔ وہ اُسی وقت اٹھا حلوائی کی دکان پہ پہنچا۔ چند درہم دے کر حلوہ خریدا حلوائی نے حلوہ تول کر ایک کاغذ میں رکھ کر اس دانشوار کے حوالے کیا۔ اس دانشوار نے خانقاہ کے دروازے پہ پہنچ کر غور سے دیکھا تو جس کاغذ پہ حلوہ رکھا ہوا تھا وہ دراصل اس کی جاگیر کا شاہی فرمان تھا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور مرید ہو گیا۔

ایک دن حضرت خواجہ فرید اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے اللہ کی یاد میں

محو تھے اور نہایت شوق و ذوق میں یہ رباعی پڑھ رہے تھے۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم !!
خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم و برائے تو زیم

اس وقت مولانا بدرالدین اسحاق حجرے کے دروازے پر بیٹھے ہوئے اور انہیں حکم دے رکھا کہ حجرے کے اندر کوئی بھی شخص آنے نہ پائے۔ اسی اثناء میں حضرت بدرالدین اسحاق کو پیشاب کرنے کی حاجت ہوئی۔ آپ ایک طرف چلے گئے۔ اتفاقاً دروازے پر سلطان المشائخ حضرت نظام الدین آپہنچے دروازے کے سوراخ سے نظر کی۔ دیکھا کہ حضرت شراب عشق خداوندی سے مدہوش ہو کر وجد فرما رہے ہیں اور مذکورہ رباعی پڑھ کر تڑپ رہے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین نے سوچا کہ یہ وقت ایسا ہے کہ حضرت شیخ کی عطا سے محروم نہیں ہونا چاہیئے۔ بہر حال اندر گئے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے حجرے میں داخل ہو گئے۔ زمین کو چوما حضرت شیخ نظام الدین کو کہا فرمایا مانگو کیا چاہتے ہو۔ آپ نے فرمایا دین بھی اور عقبیٰ بھی پھر خواجہ نظام الدین نے عرض کی میں اللہ چاہتا ہوں فرمایا وہ بھی تمہیں چاہے گا چنانچہ حضرت پیر کی توجہ سے دونوں چیزیں حاصل ہو گئیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ مجھے ساری عمر افسوس رہا کہ میں نے اس وقت کیوں نہ یہ بات کہی کہ مجھے حالتِ سماع میں موت آئے۔

ایک دن سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کے مزار پر انوار کی زیارت کے لئے گئے۔ واپس آرہے تھے تو آپ کا گزر دریا کے کنارے سے ہوا دیکھا کہ میر حسن علائی سنجری جو اپنے وقت کے بہت بڑے

شاعر تھے اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے شراب پی رہے تھے اُن کی نظریں حضرت شیخ پر پڑیں تو سخت شرمندہ ہوئے اور یہ شعر پڑھا۔

سالہا باید کہ ماہم صحبتیم
گر ز صحبت ہا اثر بودے کجاست
زہد تو افق از دل ماگم نکرد!!
فسق مایاں بہتر از زہد شماست

یہ شعر سننے کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا ہاں صحبت کا اثر ہوتا ہے اس بات نے اُس کے دل پر اتنا اثر کیا کہ ننگے سر دوڑا اور حضرت شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا تمام دوستوں کے ساتھ تائب ہوا اور حضرت کا ارادت مرید بن گیا۔ دنیا اور آخرت کی دولتیں حاصل کیں۔ وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

ای حسن توبہ آگہی کردی
چوں ترا طاقتِ گناہ نبُد

کہتے ہیں کہ توبہ کے وقت آپ کی عمر تہتر سال تھی[۱]۔ فوائد الفواد جو حضرت نظام الدین کے ملفوظات پر مشتمل ہے آپ کی ہی تالیف ہے۔ یہ کتاب بڑی مقبول ہوئی۔ خواجہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کاش حسن فوائد الفواد جیسی مقبول کتاب مجھے مل جاتی تو میں اپنی ساری تصانیف تجھے دے دیتا۔

ع ۱۔ غالباً حضرت مولف علام مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ سے فروگذاشت ہوئی ہے۔ حسن علائی سنجری تہتر سال کی عمر میں نہیں نوجوانی میں ہی شراب سے تائب ہو کہ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی مجالس میں آنے لگے تھے آپ نے حضرت کی پندراں سالہ زندگی کی مجالس کی باتیں ملفوظات جمع کر رکھے تھے۔ اور جب اس ذوق کی اطلاع حسن نے حضرت خواجہ کو سنائی (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

طالبانِ حق کی ایک جماعت حضرت خواجہ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئی یہ ایک شخص نے کسی نہ کسی صبر کا تحفہ کاغذ میں لپیٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن ان میں سے ایک ایسا شخص بھی تھا۔ جس نے حضرت کی کشف و کرامت کا حساب لینے کے لئے راستے سے مٹی اٹھائی۔ کاغذ میں لپیٹی اور شیخ کی خدمت میں پیش کردی۔ حضرت شیخ نے اپنے ایک خادم کو فرمایا کہ یہ سارے تحفے اٹھا کر اندر لے جاؤ

(بقیہ حاشیہ) تو آپ بہت خوش ہوئے اور کئی مقامات سے اپنی مجالس کی وہ گفتگو کی۔ جسے حسن علائی سنجری نے ترتیب دیا تھا۔ حسن کی زبانی سنی۔ اس کی مقبولیت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے۔ کہ آپ نے حسن کو اپنا جبہ مبارک پہنایا۔ غالباً فوائد الفواد کی تدوین ترتیب ۷۰۲ھ کو شروع ہوئی اور اسے ۷۱۷ھ میں مکمل کیا گیا۔ اس طرز نگارش نے مستقبل میں صوفیاء کی مجالس کی روحانی اور دینی باتوں کو محفوظ کرنے کا رواج دیا اور رسم دیکھتے ہیں۔ برصغیر کے اکثر بزرگوں کے ملفوظات جمع ہوتے گئے اور آج یہی ملفوظات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ بادشاہوں کے تاریخ نگار۔ دربار کے تذکرہ نویس اور انعام واکرام کی امید میں سوانح عمریاں لکھنے والے اہل قلم وہ بات نہیں لکھ سکتے جو ان کے ممدوح یا دور کے خلاف باتی ہو۔ مگر ملفوظات وہ بے لاگ اور غیر جانبدار تحریریں ہیں۔ جن کی وساطت سے ہمیں اس وقت کے معاشرتی حالات بادشاہوں کی بدعنوانیاں۔ مظالم و تشدد کے واقعات ہمارے سامنے آئے ہیں۔ پھر ان تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ اہل دل کی اصلاح کے لئے جو عمدہ نصایح اور نکات سامنے آتے ہیں وہ اصلاح نفس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ تریاق ثابت ہوئے۔ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی مجالس کی باتیں جسے حسن علائی سنجری نے نہایت ذمہ داری اور عقیدت سے قلمبند کیا تھا۔ آج فوائد الفواد کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت پر خواجہ امیر خسرو نے ہدیہ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ حسن اپنی کتاب میرے نام منسوب کردو۔ اور میری زندگی کی ساری تحریریں لے لو (فارو قی)

لیکن مٹی والے لفافے کو آپ نے خود اٹھایا اور خادم کو کہا اس کو یہیں رہنے دو اِس میں ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ اس کرامت کو دیکھ کر تمام حاضرین قدم بوس ہوئے اور مرید ہو گئے۔

حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین نے شادی نہیں کی۔ اور ساری عمر مجرد رہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر تھے تو حضرت نے فرمایا کوئی چیز لاؤ کہ کھائیں۔ خواجہ نظام الدین کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا بازار گئے اپنی پگڑی گروی رکھی تھوڑا سا لوبیا خریدا۔ اُس میں نمک ڈالا اور اُبال کر حضرت شیخ کی خدمت میں لے آئے۔ حضرت شیخ نے اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر لوبیا کھایا اور فرمایا کیا نمکین پکا ہے۔ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ ہر روز بہتر من نمک تمہارے باورچی خانے میں پکنے والے کھانے میں استعمال ہو۔ یہ بات سنتے ہی حضرت شیخ نظام الدین تعظیم کے لیئے اٹھے حالت یہ تھی کہ آپ کا تہبند پھٹا ہوا تھا۔ حضرت خواجہ فرید کی نگاہ آپ کے پھٹے ہوئے تہبند پر پڑی۔ بڑے پیار اور محبت سے اپنا تہبند گھر سے منگوایا اور فرمایا شیخ نظام الدین اِسے پہن لو۔ شیخ نظام الدین نے خوشی خوشی اُس تہبند کو اپنے تہبند کے اوپر ہی پہننا شروع کیا۔ جلدی میں آپ کے ہاتھ سے تہبند چھوٹ گیا اور آپ مجلس میں پریشان کھڑے رہے حضرت شیخ فرید نے فرمایا اِسے اٹھاؤ۔ اور مضبوط کر کے باندھو۔ عرض کی کس طرح باندھو۔ فرمایا اب قیامت کے دن تک تمہارا تہبند نہیں کھلے گا۔ شیخ نے زمین پر سر رکھ دیا کہ حضورؐ ایسا ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ساری عمر شادی نہ کی اور عورتوں سے دُور رہے۔

ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین اپنی خانقاہ میں مجلس سماع میں بیٹھے ہوئے تھے وجد کی حالت تھی۔ ایک صوفی نے آہ بھری اس آہ کی آگ نے

اس کو جلا دیا اور وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ شیخ ہوش میں آئے پوچھا کہ یہ خاکستر کس کی ہے لوگوں نے واقعہ سنایا۔ تو آپ نے پانی طلب کیا اور اپنے دست مبارک سے اس خاکستر پہ پھینکا۔ صوفی اُسی وقت زندہ ہو گیا۔ آپ نے اُسے فرمایا جب تک تم پختہ نہ ہو جاؤ ہماری مجلس میں نہ آنا۔ ابھی تم کچے ہو۔

سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خاں کے قتل کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا ایک دفعہ بنگال کی مہم سے واپس آ رہا تھا راستے میں ہی حضرت شیخ کو لکھا کہ ہم جس وقت دہلی پہنچے۔ تو آپ غیاث پور سے کہیں باہر چلے جائیں۔ کیونکہ آپ کے ہونے سے لوگ بہت ہوتے ہیں اور شہر میں بہت بھیڑ ہو جاتی ہے سرکاری افسر اور امراء کے لئے کبھی جگہ نہیں رہتی۔ حضرت شیخ اُس وقت بادشاہ سے ناراض تھے۔ آپ نے خط پڑھا اور فرمایا ہنوز دہلی دُور است ابھی دہلی دُور ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا بادشاہ کو دہلی آنا نصیب نہ ہوا تغلق آباد میں اپنے محل کے نیچے بیٹھا تھا محل گر پڑا اور وہ مر گیا۔ یہ مثال آج تک ہماری زبان میں مشہور ہے کہ "ہنوز دہلی دور است"

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی عمر اکانوے سال ہوئی آٹھ دن تک آپ کا پیشاب بند رہا۔ اس بیماری کے آٹھویں روز اپنے خادم خاص اقبال خواجہ کو اپنے پاس بلایا۔ اور فرمایا کہ تمہارے پاس جتنا مال واسباب ہے یا جسقدر نقدی ہے وہ میرے پاس لے آؤ تاکہ میں غریبوں کو تقسیم کر دوں۔ خواجہ اقبال نے کہا ہر روز جتنے نذرانے اور تحفے آتے ہیں۔ اُسی دن تقسیم کر دیئے جاتے ہیں دوسرے دن کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ ہاں اتنے ہزار من غلہ جو گودام میں اس لئے رکھا ہوا ہے کہ لنگر میں خرچ کیا وہ محفوظ ہے آپ نے فرمایا تمام لے آؤ اور غریبوں میں تقسیم کر دو۔ سارا غلہ تقسیم کر دیا۔ اب آپ نے فرمایا کہ میرا اپنا تھیلا

لے آؤ لایا گیا تو اس میں سے ایک خاص پگڑی۔ کرتہ۔ مصلّٰی اور خلافت کا خرقہ نکال کر مولانا برہان الدین فقیر کو عطا فرمایا۔ اور حکم دیا کہ اسی وقت دکن کی طرف چلے جاؤ پھر ایک پگڑی اور ایک کرتہ مولانا شمس الدین یحیٰی کو عطا فرمایا۔ اس طرح اُس تھیلے میں جتنے کپڑے تھے۔ اپنے خلفاء میں تقسیم کر دیئے۔ حتّٰی کہ اُس میں کوئی چیز نہ رہی اس وقت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجلس میں موجود تھے انہیں کچھ نہ دیا گیا تمام حاضرین مجلس حیران رہ گئے کہ شیخ نصیر الدین کو کیوں محروم رکھا گیا ہے؟ کچھ وقت گزرا تو حضرت نے شیخ نصیر الدین کو اپنے پاس بلایا اور آپ کو ایک خرقہ، ایک مصلّٰی ایک تسبیح اور لکڑی کا ایک پیالہ عطا فرمایا۔ یہ وہ چیزیں تھیں جو آپ کو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے عطا فرمائی تھیں۔ یہ چیزیں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو دے کر فرمایا۔ آپ دہلی میں رہیں اور لوگوں سے ظلم وستم برداشت کریں۔ اس کے بعد آپ نے نماز عصر ادا کی ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ آفتاب ولایت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط (ہر ایک جاندار نے موت کا مزہ چکھنا ہے) کے پردے میں چھپ گیا۔ آپ کی رحلت بہت بڑا حادثہ تھا آپ بروز جمعرات اٹھارہ ربیع الاول سات سو ۷۲۵ھ پچیس ہجری کو وصل بحق ہوئے۔ اِسی تاریخ وفات پر تمام اہل تواریخ کا اتفاق ہے لیکن آپ کی عمر کے متعلق مختلف حضرات نے اختلاف کیا ہے مخبر الواصلین اور شجرہ چشتیہ کے مصنف نے آپ کی عمر چورانوے ۹۴ سال لکھی ہے تذکرۃ العاشقین اور سیر الاصفیاء نے اکانوے سال بیان کی ہے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات میں صرف ایک ماہ اور اٹھارہ دن کا فاصلہ ہے۔ غیاث الدین تغلق حضرت سلطان نظام الدین سے ایک مہینہ اور اٹھارہ دن پہلے فوت ہوا تھا۔

اگرچہ حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے خلفاء کی تعداد حدود شمار سے باہر ہے لیکن ہم یہاں تبرکاً چند حضرات کے اسمائے گرامی لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان تمام خلفائے کرام کے سردار حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت سراج الدین عثمان۔ شیخ قطب الدین منور (پسر شیخ برہان الدین) شیخ حسام الدین ملتانی۔ مولانا جمال الدین نصرت خانی مولانا فخر الدین مولانا ابوبکر مندوی۔ مولانا فخر الدین مروزی۔ مولانا علم الدین نیلی۔ شیخ برہان الدین۔ مولانا وجیہہ الدین پائلی۔ مولانا فصیح الدین۔ مولانا شمس الدین یحییٰ۔ مولانا شہاب الدین۔ مولانا شیخ محمد قاضی محی الدین کاشانی۔ خواجہ کریم الدین سمرقندی۔ شیخ جلال الدین اودہی۔ مولانا جمال الدین۔ قاضی شرف الدین۔ مولانا کمال الدین یعقوب۔ مولانا بہاء الدین۔ شیخ مبارک۔ خواجہ معز الدین۔ خواجہ ضیاء الدین برنی۔ شیخ تاج دین دادری۔ مولانا موید الدین انصاری۔ خواجہ شمس الدین خواہرزادہ امیر خسرو۔ نظام الدین شیرازی۔ خواجہ سالار۔ شیخ فخر الدین میرٹھی۔ شیخ علاء الدین اندیپتی۔ شیخ شہاب الدین کنتوری۔ مولانا حجۃ الدین ملتانی۔ شیخ بدر الدین تولہ شیخ رکن الدین چہری۔ شیخ عبدالرحمٰن سارنگپوری۔ حاجی احمد بدایونی۔ شیخ لطیف الدین۔ شیخ نجم الدین محبوب۔ شیخ شمس الدین دہاری۔ خواجہ یوسف بدایونی۔ شیخ سراج الدین حافظ۔ قاضی شاد علی۔ مولانا قوام الدین یکدانہ۔ مولانا برہان الدین ساوری۔ مولانا جمال الدین اودہی۔ شیخ نظام الدین مولیٰ۔ قاضی عبدالکریم قدوائی۔ قاضی قوام الدین قدوری۔ مولانا علی شاہ جاندار۔ خواجہ تقی الدین (خواہرزادہ سلطان المشائخ) سید کرمانی سید یوسف حسنی۔ حمید شاعر قلندر۔ امیر خسرو دہلوی امیر حسن علائی سنجری۔ قاضی فخر الدین الجبوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

نظام الدین نظام الدین احمد
ولی محبوب حق گو حق بیں
عجب تاریخ تولیدش عیانست
زمحبوب الہٰی سرور دین

۶۳۴ھ

تاریخ وفات

خرید ملک سلطان السلاطین + عدیم المثل
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

حسن فقر سلطان الولی + شمع دین سلطان الکریم
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

پیر اہل دین سلطان الکبیر + شہنشاہِ جلال + حبیب چشت
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

سردارِ حق قطب الہدیٰ + مقتدا مسعود + مسکین مقتدا
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

شہ سلطان کریم + زندہ دل سرِالہٰی پیشوا
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

محبوب الہٰی بحر عرفانی
۷۲۵ھ

خواجہ امیر خسرو شاعر چشتی دہلوی قدس سرہٗ:۔ آپ سلطان الشعراء برہان الفضلاء کے خطاب سے ملقب تھے۔ اگرچہ وہ بادشاہان وقت کے دربار میں بلند مناصب پہ

رہے۔ مگر ان کے دل میں حضرت خواجہ محبوب الہٰی دہلوی کی محبت کی حکمرانی رہی ہے اور بزرگان دین کے معتقد رہے۔ حضرت شیخ نظام الدین کو بھی آپ جیسا باوفا اور محرم اسرار مطلوب و محبوب نہیں ملا۔ آپ کا اسم گرامی ابوالحسن تھا۔ تخلص خسرو تھا جن دنوں آپ کے والد اور بھائی حضرت خواجہ نظام الدین کے مرید تھے تو آپ کی عمر ابھی آٹھ سال تھی۔ آپ مومن آباد میں پیدا ہوئے۔ جسے پٹیالی بھی کہا جاتا ہے یہ قصبہ دریائے گنگا کے کنارے پر واقعہ ہے۔ آپ کے والد امیر سیف الدین لاچین بڑے خدا پرست اور بے نظیر بزرگ تھے۔ آپ اسیؔ سال کی عمر میں شہید ہوئے تھے اس وقت خواجہ خسرو کی عمر ابھی نو سال تھی آپ کے نانا عماد الملک نے جو اپنے وقت کے ولی اللہ تھے۔ اور ایک سو تیرہ سال کی عمر میں تھے۔ حضرت امیر خسرو کو اپنی تربیت میں لیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہٰی قدس سرہٗ نے آپ کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا۔ حضرت خواجہ خسرو کے ایک شعر میں اس خطاب کی نشاندہی ملتی ہے۔

برزباں چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت
دست ترک اللہ دیگر ہم باِ لہش سُپار۔
چون من مسکین ترا دارم ہمینم بس بود
شیخ من بس مہربان و خالقیم آمرزگار

حضرت سلطان المشائخ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اے ترک اللہ میں اپنے آپ سے تو ناراض ہو سکتا ہوں۔ مگر تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ حضرت امیر خسرو کے بڑے بھائی کا نام اعزالدین علی تھا۔ وہ بھی حضرت خواجہ محبوب الہٰی کے بے پناہ محبوب دل اور منظور نظر تھے۔ حضرت نے آپ کو ڈو بار خلعت خلافت سے نوازا تھا۔ خواجہ خسرو شعر کہتے مگر جب تک اپنے بھائی کو دکھا نہ لیتے کسی کے

سامنے نہ لاتے حضرت خواجہ نظام الدین مجلس سماع میں تشریف لاتے۔ سب سے پہلے حضرت امیر خسرو غزل سناتے اور اپنے دائیں پہلو میں امیر خسرو کو بٹھایا کرتے تھے آپ کے بائیں پہلو میں خواجہ مبّشر کو بٹھاتے خواجہ مبّشر بھی حضرت شیخ کے زر خرید غلام تھے۔ آپ حسن صورت اور حسن لحن میں بے مثال تھے۔ حضرت خواجہ امیر خسرو کو مفتاح السمّاع کہہ کر پکارتے۔ اور فرمایا کرتے خسرو ظاہری حسن لطافت اور علم موسیقی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ دو ایسے قوال جن کے کلام اور آواز کی خوش الحانی سے اُڑتے پرندے بھی زمین پر آگرتے حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے سامنے بیٹھتے اور کلام سناتے تھے۔

حضرت خواجہ امیر خسرو ہر رات نمازِ تہجد میں قرآن کے سات سپارے پڑھا کرتے تھے۔ نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں جاتے اور ہر موضوع پر گفتگو کرتے دوسرے احباب بھی بات کرتے تو ان کی باتیں حضرت شیخ اور اہل مجلس سنتے۔ ایک دن امیر خسرو نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد میں اِس پُر فتنہ دنیا میں نہ رہوں پھر میری یہ بھی خواہش ہے کہ میری قبر بھی آپ کی قبر کے ساتھ ہو۔ آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ ایک دفعہ امیر خسرو نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نہیں چاہتا کہ فرشتے میدان حشر میں مجھے خسرو کے نام سے پکاریں کیونکہ اس نام سے تکبّر کی بو آتی ہے آپ نے فرمایا قیامت کے دن تمہارا نام محمد قاسیہ رکھا جائے گا حضرت سلطان المشائخ نے خواجہ خسرو کے حق میں یہ دو شعر پڑھے۔ جو تبرکاً یہاں لکھے جاتے ہیں۔

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خواست

ملک است کہ ملک سخن آن خسرو راست

این خسروِ ما است ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدای ناصر خسرو ما است

سیفلنۃ الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ خواجہ خسرو کے دل میں اتنی عشق کی آگ تھی اور آپ کے سینے میں اتنا سوز تھا کہ آپ جو بھی قمیض پہنتے دل کی جگہ سے ہمیشہ جل جاتی۔ نیا کپڑے پہنتے تو دل کے اوپر سے وہ کپڑا جلا ہوا نظر آتا۔ آپ چالیس سال تک روزے رکھتے رہے اور کئی بار اپنے پیر روشن ضمیر کے ساتھ حج کیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ نے نانوے [۹۹] کتابیں لکھیں جو نظم و نثر پر مشتمل تھیں۔ آپ کے مشہور شعروں کی تعداد پانچ لاکھ تک جاتی ہے اِس تصانیف کے علاوہ آپ کے ہندی اشعار تحریر و تقریر سے باہر ہیں آپ مانی البدیع کہنے پر اتنے قادر تھے کہ آپ کی کتاب مطلع الانوار شیخ نظام الدین گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب مخزن الاسرار کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب دو ہفتے میں مکمل ہو گئی تھی۔ آپ کو تمام مقام اور شرین کلامی اس آب دہن کی برکت سے حاصل ہوا جو آپ کے پیر و مرشد خواجہ نظام الدین نے نہایت محبت اور عنایت سے آپ کے منہ میں ڈالا۔ آپ کا یہ عاشقانہ شعر تو تقریباً ہر صاحبِ علم کی زبان پر رواں ہے۔

زلفت زہر دو جانب خونبر عاشقانیست
چیزی نمی توان گفت روی تو درمیانیست

ما[۱]:۔ اگرچہ فاضل مولف نے آپ کی تصافات نانوے [۹۹] لکھی ہیں۔ لیکن یہ ساری کتابیں زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ قلمی نسخے شاہی کتب خانوں میں محفوظ ہوئے اور انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھوں معدوم ہوتے گئے۔ اہل ذوق نے اپنی بساط کے مطابق انہیں محفوظ کرنے کی ہر چند کوششیں کیں مگر زمانے کی قیامت خیزیاں انسانی حفاظتی دائروں کو توڑ کر اپنا کام کرتیں گئیں (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں ایک درویش آیا اور آکر سوال کیا کہ مجھے کچھ دیا جائے آپ نے فرمایا آج جو کچھ بھی نذرانہ آئے گا وہ تمہیں دے دیا جائے گا اتفاق ایسا ہوا کہ سارا دن شام تک کچھ نہ آیا۔ آپ نے فرمایا اچھا کل جو بھی نذر و نیاز آئی وہ تمہاری ہو گی۔ دوسرے دن بھی کچھ نہ آیا۔ آخر حضرتِ شیخ نے اپنے جوتے اٹھائے اور اس درویش کو دے دیئے۔ درویش بھی ان جوتوں کو بڑی عقیدت سے اٹھا کر روانہ ہوا اور دہلی سے باہر نکل کر اپنے وطن کو چل پڑا۔ راستے میں امیر خسرو سے ملاقات ہوئی جو بادشاہ کے لشکر کے ساتھ آرہے تھے امیر خسرو نے اس درویش سے پوچھا کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین کی کوئی خبر ہے اُس نے بتایا کہ وہ خیر و عافیت سے ہیں۔ امیر خسرو نے کہا مجھے تم سے اپنے پیر کی خوشبو آتی ہے کیا ان کی کوئی شاہ تمہارے پاس ہے درویش نے بتایا ہاں ان کا جوتا مبارک جو انہوں نے مجھے دیا تھا میرے پاس ہے۔ فرمایا اِس کو بیچو گے۔ درویش کہنے لگا! ہاں۔ امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ روپیہ تھا سارا روپیہ درویش کو دے دیا اور حضرتِ شیخ کے جوتے خرید کر اپنے سر پر رکھ کر خواجہ محبوب الہیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا خسرو تم نے پانچ لاکھ روپیہ دے کر جوتوں کا سودا سستا کر لیا ہے۔ امیر خسرو نے عرض کی حضور درویش اتنے پر ہی راضی ہو گیا تھا۔ ورنہ میں تو اُسے اور بھی دینے کو تیار تھا۔

(بقیہ حاشیہ) پچھلے سو سال میں آپ کی بچی کچی تصانیف میں سے کچھ کتابیں مطبع نولکشور نے طبع کر کے زندہ کر دیں مگر پھر بھی علمی دامن ان شاندار کتابوں سے خالی رہا ہے۔ پاکستان میں پیکجز انڈسٹریز لمیٹڈ لاہور کے اشاعتی شعبے نے کلیاتِ امیر خسرو کی کئی جلدیں خوبصورت انداز میں شائع کی ہیں۔ جس سے امیر خسرو کے پانچ لاکھ اشعار میں سے کچھ حصہ محفوظ ہو گیا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جس دن حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو خواجہ خسرو دہلی میں نہ تھے وہ بادشاہ کے ساتھ بنگال گئے ہوئے تھے، یہ وحشت ناک خبر سن کر دہلی پہنچے چہرہ گرد آلود تھا۔ آتے ہی قبر پر گر گئے قبر کی مٹی اپنے چہرے پر ملی۔ سیاہ لباس پہن لیا اور چھ ماہ تک مزار پر ہی رہے۔ چھ مہینے گزرنے کے بعد بروز بدھ اٹھارہ ماہ شوال سات سو پچیس ہجری ۷۲۵ھ اس بیان پُر ملال سے رخصت ہو گئے۔ آپ کو حضرت شیخ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا ؏۱

خواجہ خسرو امیر دو جہاں ۔ یافت مثل گل چو در جنت مقام

رحلت اد اشرف الاقطاب خواں ۔ نیز فرما بلبل شیریں کلام

۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

عندلیب دل زیبا طوطئ گوئندہ ہندوستان

۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

مولانا مؤید الدین قدس سرہٗ:۔ آپ سلطان المشائخ کے خلیفہ اعظم تھے ابتدائی عمر دنیاداری میں گزری بڑے صاحب منصب اور جاہ و جلال کے مالک تھے۔ سلطان علاء الدین کے دورِ حکومت

؏۱ :۔ صاحب مخزن الواصلین نے آپ کی تاریخ وفات خسرو دہلوی بہشتی

۷۲۵ھ

چشتی بود افصح الشعراء بہشتی امدا

۷۲۵ھ ۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

شکمہ مثال طوطئ بھی لکھی ہیں

۷۲۵ھ

میں بڑے اہم معرکے سر کئے۔ اور بڑی بڑی شاندار خدمات بجالائے۔ لیکن جس دن حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے تو دنیا سے دست بردار ہوگئے سلطان علاؤالدین بادشاہی تخت پر جلوہ فرما ہوئے تو آپ نے خواجہ معین الدین کو یاد کیا اور حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ موید الدین کو اجازت دیں کہ وہ دربار میں آئیں کیونکہ اُن کے بغیر میرا کام نہیں چلتا۔ حضرت شیخ نے جواب میں کہا کہ انہوں نے اور کام بھی کرنے ہیں۔ اب ان کاموں کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ بادشاہ نے یہ جواب سُنا تو بہت ناراض ہوا۔ اور کہلا بھیجا کہ آپ تمام لوگوں کو اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا اپنے جیسا نہیں بلکہ اپنے سے کہیں بہتر دیکھنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے یہ بات سُنی تو خاموش ہوگیا۔

مولانا موید الدین سات سو چھبیس ۷۲۶ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

چون موید رفت از دنیائے دون
سال وصل آن شہ عالی لقا
عاشق صادق موید کن رقم
نیز فرما پیر مہدی مجتبےٰ

شیخ وجیہہ الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

آپ خواجہ نظام الدین کے عظیم خلفاء میں سے تھے حضرت سلطان المشائخ آپ پر بڑی رحمت و شفقت فرماتے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تو پاؤں کی آواز بھی نہ ہونے دیتے۔ یوں معلوم ہوتا کہ آپ سر کے بل حاضرِ خدمت ہو رہے ہیں۔ کئی دفعہ لوگوں نے آپ کو ہاتھوں کے بل جاتے ہوئے دیکھا۔ حضرت شیخ نے آپ کو دعا دی۔ آپ ہوا میں اُڑ سکتے تھے۔ پھر حاضر ہوتے وقت ہوا سے اُڑ کر آتے حضرت شیخ نے آپ کی تربیت

لی تو آپ مخلوق کی ہدایت میں مصروف ہو گئے اور چندیری کے علاقے میں قیام فرمایا۔ اور وہاں ہی سات سو انتیس ہجری ۷۲۹ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار چندیری میں ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں
شیخ مسعود یوسف ثانے
یوسف عاقبت بگو سالش
ہم نجوان بود یوسف ثانی

خواجہ محمد امام قدس سرہٗ:۔ آپ چشتی بزرگان برصغیر میں سے تھے۔ حضرت خواجہ شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خواہر زادے تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام شیخ بدرالدین اسحاق بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ اگرچہ آپ اپنے والد سے بھی بعیت تھے۔ مگر آپ کو حضرت شیخ المشائخ سے بڑا فیض ملا تھا۔ آپ نے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی کے ملفوظات پر ایک کتاب انوار المجالس لکھی جو بہت مشہور ہوئی۔ آپ کو علوم ظاہری و باطنی کے ساتھ ساتھ علوم موسیقی میں بھی کامل مہارت تھی۔ آپ کا وصال ۷۳۴ھ کو ہوا۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
شیخ اسعد امام عارف دہر
رحلتش معتبر جبیب نجواں
ہم محمد امام عارف دہر

۷۳۴ھ

شیخ حسام الدین ملتانی قدس سرہٗ:۔ آپ سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی کے خلفائے باوقار میں سے

تھے۔ زہد و تقویٰ۔ اور ریاضت میں اپنے احباب میں ممتاز تھے۔ حضرت شیخ سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے۔ کہ دہلی شہر شیخ حسام الدین کے ظلّ حمایت میں ہے۔

آپ ایک دن کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں مشغول بحق ہونے کی وجہ سے اتنی محویت طاری تھی کہ آپ کے کندھے پر سے مصلّیٰ گر پڑا۔ کسی شخص نے دیکھا تو چلّا کر آواز دی۔ یا شیخ۔ یا شیخ۔ مگر شیخ کو قطعاً کوئی خبر نہ ہوئی۔ آخر کار مصلّیٰ اٹھا کر آپ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے کئی بار یا شیخ یا شیخ کہا۔ مگر آپ نے کچھ نہ سنا۔ اور مصلّیٰ نہ اٹھایا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ بھلے آدمی۔ "میں دراصل شیخ نہیں ہوں۔ ایک فقیر بے نوا ہوں۔ اگر اس نام سے آواز دیتے تو میں سُن لیتا۔!

ایک بار آپ حضرت پیر روشن ضمیر کی اجازت سے حج بیت اللہ کو گئے حج کی سعادت اور گنبد خضریٰ کی زیارت سے واپس آئے تو شیخ نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص حج کو جاتا ہے۔ تو اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی علیحدہ نیت کرنا چاہیئے اس سے حضور کے روضہ کی زیارت کے ساتھ ساتھ حضور کی خصوصی توجہ ہو جاتی ہے حج کے دوران بھی اگرچہ روضہ اطہر کی حاضری ہو جاتی ہے۔ مگر حضور کی شرف زیارت کے فوائد سے محرومی رہتی ہے۔ شیخ حسام الدین نے یہ بات سنی تو اسی وقت دوبارہ حضور نبی کریم صاحب کوثر و تسنیم کے روضے کی زیارت کی نیت کی اور روانہ ہوئے اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔

معارج الولایت کے مولف نے آپ کی وفات ۷۳۵ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار موضع پٹن گجرات (کاٹھیہ واڑ) ہے۔ جن دنوں سلطان محمد تغلق نے دہلی کو چھوڑ کر دیوگری کو آباد کیا اور دہلی کے تمام لوگوں کو اس شہر میں رہنے کی سہولتیں دیں تو شیخ حسام الدین بھی دہلی سے گجرات چلے آئے تھے۔ اور وہاں ہی قیام پذیر ہوئے۔

چوں حسام الدین ملتانی ولی
رفت مثل گل بگلزار جہاں
رحلتش اشرف ولی حق بگو

۷۳۵ھ

ہم حسام الدین ملتانی نجواں

۷۳۵ھ

خواجہ فخر الدین روزی قدس سرہٗ: آپ سلطان الاولیاء کے مصاحبان خاص میں سے تھے بڑے متقی اور پرہیزگار تھے قرآن پاک کی کتابت کرتے عام لوگوں سے علیحدہ رہتے اور رجال الغیب آپ کی مجالس میں آیا کرتے تھے۔

ایک دن آپ نے حضرت محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کی کہ ایک دن مجھے سخت پیاس لگی مجھے غائب سے ایک کوزہ آتا نظر آیا۔ میں نے اسے توڑ ڈالا۔ اور سارا پانی زمین پر گر گیا۔ اور کہا میں کرامت سے درآمد شدہ پانی نہیں پیؤں گا۔ حضرت شیخ نے سن کر فرمایا۔ پی لینا چاہیئے تھا۔ یہ غیب سے تھا۔ بے عیب تھا۔ میں نے بھی ایک بار کنگھی کرنا چاہی۔ مگر میرے پاس اپنی کنگھی نہ تھی۔ دیوار پھٹی۔ ایک شخص ظاہر ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کنگھی تھی پکڑ کر میں نے کنگھی کر لی۔ ایک بار میں وضو کر رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ داڑھی کو کنگھی کروں میری کنگھی خانقاہ کے اندر طاق میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ کنگھی اپنے طور پر اڑتی اڑتی میرے ہاتھ میں آپہنچی۔ میں نے پکڑی اور کنگھی کر لی۔

شیخ فخر الدین ہر روز قرآن پاک کی جزو (سپارے) کی کتابت کرتے۔ اور لوگوں کو دے کر اجرت لیتے۔ لوگ خوشی سے آپ کو چھ آنے دے دیا کرتے تھے مگر آپ

صرف چار آنے لیتے۔ اور اپنے اخراجات کی کفالت کرتے۔ جب آپ بوڑھے ہو گئے نظر کمزور ہو گئی۔ کتابت کرنے سے معذور ہو گئے۔ ملک التجار حمید الدین نے سلطان علاء الدین خلجی سے سفارش کی۔ بادشاہ نے روزانہ ایک روپیہ مال غنیمت سے وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا اور کہا مجھے تو صرف چار آنے ہی چاہیئے اور یہی میں قرآن کریم کی کتابت سے حاصل کیا کرتا تھا۔ بادشاہ نے بڑا اصرار کیا مگر آپ نے بڑی مشکل سے بارہ آنہ یومیہ قبول کیا۔

یہ جامع الکمالات شخصیت ۷۳۶ھ کو سلطان محمد عادل تغلق بن غیاث الدین کے عہد حکومت میں فوت ہوئی۔

فخر روزی چوں شد بخلد بریں
وصل شد با وصال رحمانی
سال وصلش بگو خلیل اللہ
۷۳۶ھ
ہم بداں شاہ زیب عرفانی
۷۳۶ھ

میر حسن علائی سنجری قدس سرہٗ آپ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے خلیفہ حاضر تھے اپنے عہد کے علماء و فضلا اور شعرا میں مقتدر اور ممتاز مانے جاتے تھے معاشرے میں بڑی عزت اور قدر سے دیکھے جاتے تھے آپ کو سلطان المشائخ کے مریدوں میں خاص مقام حاصل تھا۔ آپ نے غیاث الدین اور خان شہید کے حق میں بڑے زوردار مرصع قصائد لکھے۔ اور اپنے ان قصائد کی وجہ سے شعراء وقت سے سبقت حاصل کی۔ اللہ نے ہدایت کی تو تہتر سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین کی مجلس میں حاضری دینے لگے۔ مرید ہوئے اور بہت تھوڑے وقت

ہیں مقامات عالیہ پر جا پہنچے۔ حضرت شیخ سلطان المشائخ کے ملفوظات پر فواد الفوائد جیسی مشہور زمانہ کتاب آپ نے ہی ترتیب دی تھی۔ یہ کتاب حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ نے اسے بے حد پسند فرمایا۔

آپ کا مولد اور منشا دہلی شہر تھا آخری عمر میں بادشاہ کے حکم سے دہلی چھوڑ کر دیوگری چلے گئے اور وہاں ہی ۷۳۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار وہاں ہی ہے۔

چوں حسن از دار نانی رفت پست
از حسن شد حسن در جنت مرید
سید میر حسن مرحوم حال
۷۳۶ھ
وصل او میر حسن سید فرید
۷۳۶ھ

مولانا ضیاء الدین برنی قدس سرہٗ: آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص تھے آپ پر حضرت شیخ کی خصوصی نظر عنایت تھی۔ آپ اکثر اوقات شیخ کی مجالس میں خوش گفتاری سے کام لیتے۔ جس سے حضرت شیخ کو بڑی مسرت ہوتی۔ خواجہ امیر خسرو اور شیخ میر حسن علائی بھی آپ کے شریک مجلس ہوتے۔ یہ تینوں دوست یکجا زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ نے فیروز شاہی جیسی مشہور کتاب لکھی تھی یہ کتاب سلطان جلال الدین فیروز شاہ ترک خلجی کے حکم سے ترتیب دی گئی۔ مولانا برنی نے اپنے حسرت نامہ میں لکھا ہے کہ ایک بار میں حضرت محبوب الٰہی دہلوی کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ پہلے بزرگ مرید بنانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا کرتے تھے مگر ہمارے پیر و مرشد پر کہتر و مہتر کو مرید بنائے جاتے ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا۔ کہ میں سوال کر کے حضرت شیخ سے وضاحت لوں۔ ابھی یہ سوال میری زبان پر نہیں آیا تھا

کہ حضرت نے نورِ باطن سے خود ہی میرے خیالات کو بھانپ لیا۔ اور فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنی حکمت و قدرت سے بعض خصوصیات کو رواج دیتا ہے اور ایک خاص خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر زمانے کے لوگوں کی طبیعتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ دراصل مرید ہونا غیر اللہ سے انقطاع کا ایک ذریعہ ہے۔ پہلے زمانے کے بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب تک ان سے بیعت ہونے والا شخص غیر اللہ سے قطع تعلق نہ کر لیتا تھا۔ اسے مرید نہیں بناتے تھے مگر حضرت خواجہ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے لے کر حضرت سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک پھر حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی سے لے کر حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہما کے زمانہ تک یہ طریقہ تھا۔ کہ ان روحانی بادشاہوں کے دروازوں اور خانقاہوں پر بے پناہ مخلوق جمع ہوا کرتی تھی۔ یہ لوگ آخرت کے خوف سے ان بزرگانِ دین کی پناہ میں خود بخود چلے آتے تھے۔ یہ بزرگ بھی ان لوگوں کے خوف زدہ دلوں کو اپنی پناہ میں لاتے تھے۔ میں بھی اپنے پیروں کی پیروی میں ایسے لوگوں کو مرید بنا لیتا ہوں جو کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی تلاش میں قدم اٹھاتے ہیں میری یہ بے احتیاطی دراصل اپنے پیروں کی سنت کا اتباع ہے میرا خیال ہے۔ کہ اس بے احتیاطی میں کچھ فائدے بھی ہیں۔ پہلے تو یہ بات ہے کہ میرے حلقۂ ارادت میں آنے والے اکثر لوگ بعض گناہوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ نماز با جماعت ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اورادو نوافل میں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر میں انہیں ابتدائے کار میں ہی راہِ سلوک کی مشکلات کا تذکرہ شروع کر دوں تو یہ عام لوگ ان نیکیوں سے بھی محروم رہ جائیں۔ دوسرے میں کسی وسیلے۔ شفیع یا درمیانی شخصیت کے بغیر براہِ راست مرید بنانے کے لئے دروازے کھلے رکھتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان عجز و انکسار سے آگے بڑھتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے

تمام گناہوں سے توبہ کر لی ہے میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ شائد ان کی یہ بات درست ہے مرید بنا لیتا ہوں۔ ان میں سے اکثر سچے ہوتے ہیں بعض سے کوتاہیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اس طریق کار سے اکثریت گناہوں سے بچ جاتی ہے۔ تیسری وجہ تمام وجوہات سے اہم ہے۔ ایک دن میرے پیر و مرشد حضرت فرید الحق والدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ نے میرے سامنے قلم دوات رکھ کر ارشاد فرمایا کہ تعویذ لکھو اور ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کو دیتے جاؤ۔ میں یہ کام کرتے کرتے تنگ آ گیا۔ حضرت نے میرے چہرے پر اس ملال کے آثار دیکھے۔ تو فرمایا۔ نظام الدین! تم اب ہی تھک گئے ہو۔ ایک وقت آئے گا کہ تمہاری خانقاہ کے دروازے پر ہزاروں حاجت مند جمع ہوں گے پھر کیا کرو گے؟ میں حضرت شیخ کے پاؤں پر گر گیا۔ رونا شروع کر دیا۔ اور عرض کی۔ مخدوم مجھے بزرگ بنا رہے ہیں مجھے خلافت سے سرفراز فرمایا جا رہا ہے۔ اور میں اللہ کی مخلوق سے دور بھاگ رہا ہوں۔ خلافت تو بڑا سخت اور محنت طلب کام ہے اور میں آج ہی انکار کر رہا ہوں۔ میں نے برملا کہا۔ حضور! یہ بہت مشکل کام ہے مجھے اتنی عظیم ذمہ داری کی طاقت نہیں ہے۔ حضرت خواجہ فرید میری اس بات سے ایک خاص قسم کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ میرے نزدیک آؤ۔ فرمایا۔ نظام الدین۔ کل میدان حشر میں اللہ سے مجھے عزت ملتی ہے۔ اور اللہ مجھے بڑی آبرو دے گا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میں اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گا۔ جب تک تمہیں یا تمہارے مریدوں کو جنت میں نہ پہنچا دوں۔ میں اکثر لوگوں کو اسی بشارت پر مرید بناتا جاتا ہوں کہ کوئی شخص محروم نہ رہنے پائے۔ میں جانتا ہوں کہ لوگ اکثر گناہگار ہیں۔ انہیں نیکی کی توفیق بہت کم ملتی ہے۔ لیکن اگر میرے پیر و مرشد کے وسیلہ اور وعدہ کے مطابق اگر یہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں تو اس میں مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی قدس سرہٗ ۷۳۸ھ میں فوت ہوئے کہتے ہیں۔ کہ آپ کے جنازے پر چادر کی بجائے وہ بوریا بچھایا گیا جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین کے مزار کے پاس اپنے والد مکرم کے قدموں میں دفنایا گیا۔

چوں ضیاء الدین برنی شیخ دیں
رفت زیں دنیا بجنت یافت جا
وصل او مخدوم امجد کن رقم
نیز فرما پیر برنی پارسا ۷۳۸ھ

۷۳۸ھ

شیخ برہان الدین غریب قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے خلیفہ خاص تھے۔ وقت کے کاملین مشائخ میں مانے جاتے تھے ذوق شوق عشق و مستی میں معروف۔ وجد و سماع کے دلدادہ تھے آپ کا شمار علماء عصر میں ہوتا تھا۔ امیر خسرو امیر حسن علائی سنجری وغیرہ دانشوروں کی صف میں بیٹھتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ اکثر آپ کے گھر تشریف لاتے۔ آپ حضرت خواجہ نظام الدین کے اتنے معتقد اور ارادت مند تھے۔ آپ کے ادب کا یہ عالم تھا۔ کہ ساری عمر غیاث پور کی طرف پشت بھی نہیں کی۔ آپ کو حضرت سلطان المشائخ نے دو بار خرقۂ خلافت سے نوازا پہلی بار جب خلافت ملی تو حضرت امیر خسرو اور میر علائی سنجری مجلس میں موجود تھے ان سب حضرات نے حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں سفارش کی کہ برہان الدین آپ کے قدیم خادم ہیں۔ انہیں خرقۂ خلافت ملنا چاہیئے۔ خواجہ اقبال جو حضرت خواجہ نظام الدین کے خادم خاص اور محرم مجالس تھے وہ اس معاملہ میں پیش پیش تھے۔ وہ پیراہن اور کلاہ لائے اور حضرت شیخ کو استدعا کی شیخ برہان الدین کو پہنایا جائے۔ خود

پہناتے وقت اعلان فرما دیا۔ مولانا آج سے آپ بھی خلیفہ ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین خاموش رہے۔ یہ خاموشی آپ کی اجازت اور رضامندی کی علامت تھی۔ پھر ایک وقت آیا۔ جب شیخ علی زرینی اور ملک نصرت جو سلطان علاء الدین کے رشتہ دار تھے۔ اور حضرت خواجہ نظام الدین کے ارادت مند تھے آئے اور حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ مولانا برہان الدین غریب پیر زمن ہو گئے ہیں۔ مگر ابھی تک اپنے گھر میں بوریا نشین ہیں اور گلیم بر دوش رہتے ہیں۔ مگر مخلوق خدا ان کے دروازے پر ہجوم کرتی ہے۔ اور سجادہ نشین کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی ہے اور آپ کی طرح ہی مرید بنا رہے ہیں۔ کیا یہ سب آپ کی اجازت سے ہو رہا ہے؟ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی کو ان کی اس بات سے غصہ آ گیا۔ جب مولانا رات کو حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ان سے بات نہ کی۔ ایک خادم نے مولانا برہان الدین کو کہا۔ کہ آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ آپ کو یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے آپ اٹھے۔ حیران و پریشان وہاں سے چل پڑے اور گھر جا کر صف ماتم بچھا دی۔ شہر کے لوگ آتے۔ تو آپ سے اظہار تعزیت کرتے امیر خسرو نے آپ کی یہ حالت دیکھی۔ تو حضرت خواجہ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس حالت میں کھڑے ہوئے کہ گلے میں ٹپکا ڈال رکھا ہے۔ حضرت خواجہ نے پوچھا! اے ترک اللہ! کیا معاملہ ہے۔ عرض کی حضور میں مولانا برہان الدین غریب کے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوں۔ شیخ نے مُسکرا کر فرمایا۔ معاف کر دیا گیا۔ انہیں لے آؤ مولانا برہان الدین اور خواجہ امیر خسرو دونوں گلے میں پگڑیاں ڈالے حاضر خدمت ہوئے۔ قدم بوسی کی۔ حضرت خواجہ نے مولانا برہان الدین کو از سر نو مرید کیا۔ نیا خرقۂ خلافت دیا اور ایک علاقہ پر قطب مقرر کیا۔ جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔

معارج الولایت کے مولف نے لکھا ہے کہ جب مولانا برہان الدین دہلی

سے دیوگری پہنچے۔ تو آپ وہاں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ انہی دنوں شیخ زین الدین داؤد شیرازی نے آپ کی کرامت کی شہرت سُنی۔ شیراز سے از روئے کرامت اڑ کر دیوگری پہنچے۔ لوگوں سے سنا۔ شیخ برہان الدین تو اکثر اوقات سماع میں مشغول رہتے ہیں۔ اور لوگ آپ کو سجدہ بھی کرتے ہیں۔ تو داؤد شیرازی کو بڑی مایوسی ہوئی۔ شیخ برہان الدین نے نور بصیرت سے معلوم کر لیا کہ ان کے دل میں ایسے خطرات موجود ہیں۔ ایک خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا۔ کہ ایک بزرگ کے لئے اتنا لمبا سفر کر کے آنا۔ اور پھر ایک بات سن کر مایوس ہو کر لوٹ جانا عقلمندی نہیں۔ اگر یہ شیطانی وسوسہ ہے یا غلط فہمی ہے تو ہمارے پاس آکر بیان کریں انشاء اللہ شکوک رفع ہو جائیں گے۔ شیخ زین الدین اسی وقت مجلس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت برہان الدین مجلس سماع میں وجد میں تھے۔ شیخ زین الدین بھی مجلس سماع میں بیٹھے اور رقت و وجد میں آگئے۔ دل صاف ہو گیا اور تمام خیالات محو ہو گئے۔ مجلس برخاست ہوئی تو آپ مرید بن گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں کمال حاصل کیا۔

شیخ زین الدین شیرازی۔ شیخ فرید الدین شیخ کمال الدین کاشانی۔ شیخ رکن الدین حجام کاشانی۔ حضرت شیخ برہان الدین کے خلفاء میں سے تھے۔ شیخ زین الدین کا حسین نامی بزرگ مرید تھا۔ آپ کے ملفوظات اسی نے ہی مرتب کئے تھے جس کا نام ہدایت القلوب تھا۔

شجرہ چشتیہ کے مصنف نے شیخ برہان الدین غریب کی وفات سات سو اکتالیس ۷۴۱ھ ہجری لکھی ہے۔ آپکا مزار پر انوار دیوگیر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ہندوستان کا ایک بہت بڑا شہر برہان پور آپ کے نام سے آباد کیا گیا۔ اس شہر کو آباد کرنے کے لئے شیخ صلاح الدین درویش اور شیخ رمضان جو آپ کے خلفاء تھے نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

چو شد برہان دین از دار فانی
خرد سال وصال او تشہیر
یکی فرمود عاشق منبع حق
دگر اہل صفا برہان دین پیر

شیخ حسام الدین سوختہ رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ شیخ فخر الدین بن خواجہ معین الدین حسن سنجری کے بیٹے تھے۔ آتشِ محبت میں سوختہ اور تیر عشق کے گھائل تھے۔ آپ شیخ نظام الدین دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں اکثر حاضری دیتے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کا نام اپنے بھائی کے نام پر رکھا تھا۔ جو زندہ ہی غائب ہو کر ابدال کی صحبت میں چلا گیا تھا۔ آپ کا سالِ وفات سات سو اکتالیس ہجری ہے اور آپ کا مزار قصبہ سانبھر میں ہے جو اجمیر سے مغرب کی جانب ہے آپ کی عمر سو سال سے بھی زیادہ ہوئی۔

چون حسام الدین ز دنیا رخت بست
سال وصل آن ولی متقی
عاشق اللہ صدیق آمدہ است
ہم حسام الدین سید جنتی

شیخ عزیز الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ حضرت سلطان المشائخ کے مرید تھے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت گنج شکر کی بیٹی تھیں۔ آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی سے بڑا فیض ملا۔ آپ نے ایک کتاب تحفۃ الابرار لکھی جو حضرت شیخ نظام الدین کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ آپ ظاہری علوم میں قاضی معین الدین کاشانی کے شاگرد تھے۔ تحفۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں

حاضر ہوا میں نے دیکھا تو ایک بزرگ اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں منہ قبلے کی طرف اور آنکھیں آسمان کی طرف۔ وہ جمال حق میں مستغرق ہیں۔ میں انہیں دیکھ کر ایک لمحہ حیران رہ گیا۔ دیکھا کہ شیخ تڑپے اور چڑیوں کی طرح پھڑپھڑانے لگے۔ عالم صحو میں آئے تو اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر فرمایا تم کون ہو میں نے کہا میرا نام عزیز ہے فرمایا انشاء اللہ عزیز ہو گئے۔ آپ کی وفات سات سو اکتالیس ۷۴۱ھ ہجری میں بیان کی گئی ہے۔

رفت چون از جہاں بخلد بریں
شیخ اہل یقین عزیز الدین
رحلتش آفتاب انور گو
نیز خواں فتح دین عزیز الدین

شیخ شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ بہت بڑے عالم دین اور ولی اللہ تھے خواجہ نظام الدین دہلوی کے خلیفہ تھے۔ اور آپ کے بہترین احباب اور اصحاب میں سے شمار ہوتے تھے۔ ہندوستان کے اکثر علماء آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کے شاگرد آپ پر فخر کرتے تھے آپ کا اصلی وطن اودھ تھا علم حاصل کرنے کے لئے دہلی آئے اور اس قدر علوم دینی میں کمال حاصل کیا کہ اُس وقت کے علماء میں سے فقہ حدیث اور تفسیر میں کوئی بھی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ آپ نے خواجہ نظام الدین کی کرامات کی شہرت سُنی تو شیخ صدر الدین کی وساطت سے حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں باطنی کمالات حاصل کر لئے۔ ساری عمر تجرید اور تفرید میں گزار دی ساری عمر شادی نہیں کی۔ خلافت حاصل کرنے کے باوجود کسی کو اپنا مرید نہیں بنایا۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے یہ شعر آپ کے اوصاف میں لکھا تھا۔

سألتُ العلم من احیاک حقا
فقال العلم شمس الدین یحییٰ

آپ کی وفات سات سو سنتالیس ۷۴۷ھ ہجری میں لکھی گئی ہے۔

شمس دین ماہ اوج برج کمال
شد ز دنیا چو در بہشت برین!
رحلتش عابد سخی آمد!
ہم نجوال ماہ بدر شمس الدین

خواجہ مالک زادہ احمد رحمۃ اللہ علیہ: آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے معتقد تھے۔ عشق و محبت کی وجہ سے فنا فی الشیخ ہو گئے۔ معارج الولایت کے مصنف نے جوامع الکلم سے نکل کیا ہے کہ وہ ایسے بزرگ تھے۔ جنہوں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے ظاہری بیعت نہیں کی۔ لوگوں نے پوچھا۔ آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا فرمایا مجھے یہ طاقت نہیں ہے کہ میں شیخ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھوں۔ آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو آپ اسے دیکھتے رہتے۔ اور کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے۔ کہتے جب تک میں اپنے پیر کی زیارت نہ کر لوں۔ میرے لئے کھانا حرام ہے۔ اُٹھ کر اپنے پیر کی طرف جاتے زیارت کرتے پھر کچھ کھاتے پیتے۔ زندگی کے آخری حصے میں خشکی کی وجہ سے بیمار ہو گئے ناک سے خون بہنے لگا اور وہ گلے میں ٹپکنے لگا۔ اگر کوئی خون کا قطرہ زمین پر گرتا تو آپ کے پیر کا نام لکھا جاتا۔ دوستوں کو پتہ چلا تو یہ واقعہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے سامنے بیان کیا گیا کہ بچارہ احمد آپ کے عشق میں جل گیا ہے۔ خدا را اس کی خبر لیں۔ حضرت شیخ اٹھے۔ آپ کے سرہانے پہنچے اور دیکھ کر فرمایا ہائے افسوس احمد کا کامِ تمام ہو گیا۔ مجھے تم لوگوں نے پہلے کیوں نہ بتایا۔ شیخ احمد نے آپ کے چہرے

پر نگاہ ڈالی اور جان اللہ کے حوالے کر دی۔ آپ کی وفات سات سو سنتالیس ۷۴۷ھ ہجری میں ہوئی۔

شیخ احمد عاشق دلسوختہ
گشت چون در خلد اعلیٰ جائیگیر
بہر سال ارتحال آنجناب
شد ندا از دل کہ احمد دستگیر

شیخ دانیال قدس سرہٗ المتعال آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ کا لقب مولانا عود تھا چند واسطوں سے حضرت عباس بن علی کرم اللہ وجہہ سے سلسلہ نسبت ملتا تھا۔ شیخ دانیال بن میر بدر الدین بن فضل بن حسن بن عبد اللہ بن عباس بن علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ آپ کے آباؤ اجداد کو اللہ تعالیٰ نے بڑی لمبی عمریں دی تھیں۔ آپ کے والد میر بدر الدین ایک سو بیالیس سال میں فوت ہوئے تھے۔

حضرت شیخ دانیال کے آباؤ اجداد میں سے سب سے پہلے بزرگ آپ کے والد مکرم ہی تھے۔ جو غیاث الدین بلبن کے عہد اقتدار میں ہندوستان آئے۔ اور بمقام ستر کہ قیام فرمایا۔ شیخ دانیال یہاں آکر پیدا ہوئے تھے۔ ہوش سنبھالا تو قصبہ سامامہ میں چلے گئے۔ اور قاضی عبد الکریم کے زیر تربیت ظاہری علوم حاصل کئے۔ چونکہ علمی اور اخلاقی اعتبار سے حضرت دانیال بڑے ہونہار اور ذہین تھے۔ قاضی عبد الکریم نے آپ کو اپنی فرزندی دامادی میں قبول کر لیا۔ آپ تلاش حق میں نکلے دہلی پہنچے۔ شیخ نصیر الدین محمود سے بیعت ہوئے۔ اور ظاہری اور باطنی کمالات تک پہنچے۔ تکمیل سلوک کے بعد آپ کو خرقہ خلافت عطا کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ اپنے وطن جا کر مخلوق کی ہدایت میں مشغول ہو جائیں۔ آپ سامامہ آگئے اور جہیز میں حاصل کردہ سارا سامان لے کر

اپنے وطن مالوف سترکھ کو روانہ ہوئے۔ لکھنؤ سے آگے بڑھے تھے۔ تو ڈاکوؤں نے آپ کے سامان کو لوٹ کر حضرت شیخ دانیال قدس سرہٗ کو شہید کر دیا۔ اور اسی لوٹ کھسوٹ میں آپ کے اہل و عیال بھی شہید کر دیئے گئے آپ کا مال واسباب لے کر ابھی چلے ہی تھے کہ ایک دہشت ناک آواز آئی۔ یہ آواز ایک کٹی ہوئی لاش سے آئی۔ تمام ڈاکو اندھے ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اور انہیں پھانسی لگا دی گئی۔ حضرت کی نعش مبارک لا کر سترکھ میں لا کر دفن کر دیا گیا آپ کا انتقال ۷۴۸ھ میں ہوا تھا

دانیال از عالمِ دنیا چو رفت
سال وصل آں ولی با کمال
گو ولی دین شہید پیشوا ۷۴۸ھ
ہم ولی سردار عالم دانیال
۷۴۸ھ

مولانا فخرالدین زرادی قدس سرہٗ: آپ نظام الدین اولیا بدایونی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص اور جلیس خاص الخاص تھے۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم میں جامع اور مانع بزرگ تھے ورع۔ تقویٰ اور ذوق وشوق وجد و سماع میں بے مثال تھے۔ فقہ حدیث تفسیر کے علاوہ دینی علوم کے مختلف شعبوں میں باکمال تھے ابتدائی عمر میں مولانا فخرالدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے۔ تو عملی زندگی میں قدم رکھا۔ آپ خوش طبع تھے۔ خوش کلام تھے۔ اور خوش بیان تھے۔ تقریر و تحریر میں یکتائے زمانہ تھے فصاحت و بلاغت کے امام مانے جاتے تھے۔ شعر و سخن میں لطافت کا یہ عالم تھا۔ کہ شاعران وقت میں ممتاز تھے

جب آپ پر غلبہ جذب آیا۔ تو کشاں کشاں حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ کئی بار حضرت خواجہ معین الدین کے روضہ عالیہ کی زیارت کو گئے۔ وہاں سے خواجہ فرید الملت والدین کے روضہ کی زیارت کے لئے پاک پتن جاتے تھے آپ کا زیادہ وقت سفر و سیاحت میں گزرتا تھا۔ شب و روز کوہ و بیابان میں گزرتی۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جو مقامات ہمیں ایک ماہ میں حاصل ہوئے۔ وہ حضرت شیخ زرادی کو ایک دن میں حاصل ہو گئے جن دنوں دہلی کے باشندے محمد تغلق بادشاہ کے حکم سے دیوگری پہنچے۔ آپ بھی دہلی سے دیوگیری پہنچے مگر وہاں سے کعبۃ اللہ کو روانہ ہوئے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد کعبۃ اللہ کی زیارت اور گنبد خضریٰ کی حاضری سے فارغ ہو کر بغداد شریف پہنچے۔ آپ جہاں جاتے علم حدیث میں علمائے وقت سے بحث و مناظرہ کرتے بغداد سے کشتی پر روانہ ہوئے۔ اور ہندوستان کا رُخ کیا۔ اتفاقاً جہاز تو سمندر میں غرق ہو گیا۔ مولانا بھی اس سفر میں طوفانوں میں غرق ہو گئے۔ آپ کی غرقابی کا یہ واقعہ ۷۴۸ھ میں ہوا۔

چو رفت از دہر در خلد معلیٰ
جناب شیخ فخر الدین مطلوب
جو پرسیدم ز دل سال وصالش
خرد گفتا بگو مخدوم محبوب
۷۴۸ھ

شیخ ضیاء الدین بخشی قدس سرہٗ آپ سلطان التارکین حضرت خواجہ حمید الدین صوفی قدس سرہٗ کے خلیفہ

اور مرید تھے۔ آپ کا ہندوستان کے مشہور اولیاء اللہ میں شمار ہوتا تھا۔ آپ شہر بدایوں میں خلوت گزیں ہوئے۔ اور عام لوگوں کی مجالس سے دور رہتے تھے۔ کسی کے عقیدہ یا انکار سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ بڑے صاحب تصانیف تھے سلک السلوک عشرہ مبشرہ۔ کلیات بخشی۔ جزئیات بخشی۔ شرح دعائے سریانی۔ طوطی نامہ چلپی مشہور زمانہ کتابیں آپ کے قلم کا شاہکار ہیں۔ آپ کے رنگین قطعات اور دلچسپ اشعار مجالس اہل ذوق کی رونق ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

بخشی خیز با زمانہ بساز ۔ ورنہ خود را نشانہ باختن است
عاقلان زمانہ میگویند ۔ عاقلی با زمانہ ساختن است

آپ کی وفات ۷۵۱ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

چوں ضیاء الدین زعالم رخت بست
سال وصل آج ولی بخشی
واقف اسرار اہل اسلام!
۷۵۱ھ
نیز مرشد ہادی عالم ولی
۷۵۱ھ

شیخ فرید الدین ناگوری قدس سرہٗ:- آپ سلطان التارکین حضرت حمید الدین ناگوری کے پوتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ عبد العزیز صوفی حالتِ سماع میں ہی جوانی کے عالم میں واصل بحق ہو گئے تھے لہذا آپ کو دادا نے ظاہری و باطنی علوم میں تربیت دی۔ شیخ حمید الدین ناگوری کے ملفوظات سرور الصدور کے نام سے جمع کئے آپ کی عمر سو سال سے زیادہ تھی اور ساری زندگی طالبانِ حق کو ہدایت فرماتے رہے سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں ناگور سے دہلی تشریف لے گئے۔ اور دہلی میں ہی فوت ہوئے

آپ کے مزار کے پاس ایک پتھر ہے جو سنگ خراس کی جنس سے ہے۔ یہ گول پتھر ہے یہ بات مشہور ہے کہ شیخ حالت سماع میں اس پتھر کو گلے میں ڈال لیا کرتے تھے اور وجد کرتے اس پتھر کو گلے میں لٹکا کر ناگور سے دہلی پہنچے۔

شجرہ چشتیہ کے مصنف نے آپ کا سال وصال ۷۵۲ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار پُرانوار دہلی میں زیارت گاہ عام و خواص ہے۔

چوں فرید الدین فرید دوجہاں
صورت گنج شد در خاک یاد
بندۂ خاص است سال رحلتش
ہم فرید فرد عالم پاک باد

۷۵۲ھ   ۷۵۲ھ

یاد رہے جس سال شیخ زید کا انتقال ہوا۔ اسی سال سلطان محمد عادل تغلق بن سلطان غیاث الدین کا انتقال ہوا تھا یہ بادشاہ ماہ ربیع الاول ۷۲۵ھ میں مسند آرائے تخت ہندوستان ہوا تھا، ۲۷ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۱ محرم الحرام ۷۵۲ھ کو فوت ہوا۔ یہ بادشاہ عجیب و غریب عادات کا مالک تھا بعض اوقات تو اس کے کارنامے جامع الاضداد بن کر رہ گئے خلیفہ بغداد نے اس کے دربار میں اپنا وکیل بھیجا اس نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا۔ اور اسے شاہی خلعت سے سرفراز کیا۔ ایک دفعہ اس نے حکم دیا کہ دہلی کو ویران کر دیا جائے اور ہر شخص اس کے بسائے ہوئے شہر دولت آباد میں پہنچے۔ اس شہر کو دارالخلافہ بنا دیا دہلی کے خورد و کلاں کو حکم دیا گیا کہ ہر ایک فرد دہلی چھوڑ کر دولت آباد پہنچے۔ اس نقل مکانی، سفر اور قحط کی وجہ سے بہت سے لوگ مر گئے۔ دولت آباد بھی اس کی منشا کے مطابق آباد نہ ہو سکا۔ اسی بادشاہ نے ایک لاکھ فوج تیار کی اور چین کو فتح کرنے کے لئے روانہ

کی لکھتے ہیں۔ اس فوج کا ایک سپاہی بھی زندہ واپس نہ آسکا۔ ان بربادیوں اور نقصانات کے باوجود اس کے ملک کے کئی صوبے بنگال۔ ملنگانہ۔ پنجاب اور اودھ بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر اس بادشاہ نے انہیں اپنی حکمت عملی سے رام کر لیا۔ البتہ دکن کا علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ایک حسن نامی شخص جو بڑا ہی اولعزم تھا۔ اٹھا اس نے دکن پر اپنی سلطنت کی بنیادیں استوار رکھیں اور اس کی اولاد نے اس خطہ پر دو سو سال حکومت کی۔ یہ بادشاہ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی کا دلی دشمن تھا ساری عمر آپ کی مخالفت میں لگا رہا مگر حضرت شیخ کے استقلال و تقویٰ کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ آخری عمر میں حضرت شیخ کا معتقد اور مرید ہو گیا۔

چوں بصد درد و غم سفر ورزید
از جہاں در جہاں محمد شاہ
سال وصلش شہہ ولایت دال
۷۵۲ھ
نیر نور زماں محمد شاہ

۷۵۲ھ

شیخ کمال الدین علامہ قدس سرہٗ: آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اور آپ کے خواہر زادہ بھی تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ چونکہ آپ علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ میں یگانہ روزگار تھے۔ اس لئے آپ کو علامہؒ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ احمد آباد گجرات تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔ آپ کی اولاد اور خلفا آج تک احمد آباد میں موجود ہیں۔

مولانا کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ شجرۃ الانوار اور شجرۂ چشتیہ کی تحقیق کے مطابق ۷۵۶ھ

میں فوت ہوئے تھے۔ یہ سانحہ حضرت شیخ نصیر الدین کی رحلت سے ایک سال پہلے ہوا تھا۔

چوں کمال الدین ولی باصفا
رفت از دنیا بفردوس بریں
رحمت حق گو وصال پاک او
ہم سفر با متقی اہل یقین

۷۵۶ھ

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہٗ: آپ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہٗ کے عظیم خلفاء میں سے تھے۔ بڑے صاحب اسرار، عابد و زاہد اور کریم النفس بزرگ تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کے وصال کے بعد آپ کو دہلی کی ولائیت کی سربراہی ملی آپ کا طریقہ صبر و شکر، فقر و فاقہ اور رضا و تسلیم تھا۔ آپ کے جدّ امجد حضرت عبد اللطیف یزدی اور آپ کے والد مکرم یحییٰ قدس سرہما سادات حسنی تھے۔ آپ کے والد لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر شیخ نصیر الدین محمود اودھ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی عمر ابھی نو سال ہی تھی۔ کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ نے جو سیّدہ زمانہ اور عارفہ وقت تھیں۔ آپ کی خصوصی تربیت کی۔ آپ دینی علوم میں مولانا عبد الکریم شروانی کی شاگردی میں رہے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا افتخار الدین گیلانی سے کتابیں پڑھیں نوجوانی میں ہی ترک و تجرید کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ محاسنِ اخلاق اور مجاہدہ نفس کی روشنیاں ظاہر ہونے لگیں سن بلوغت کے بعد ایک نماز بھی جماعت کے بغیر ادا نہ کی۔ اور ہمیشہ روزہ رکھتے۔ آپ اکثر اوقات سنبالو کے پتوں سے افطار فرمایا کرتے چالیس سال کی عمر میں اودھ سے چل کر دہلی آگئے ان دنوں حضرت شیخ نظام الدین بدایون سلسلہ چشتیہ کے سلوک میں سرگرم تربیت تھے۔ آپ بھی صبح و شام آپ کی مجالس میں حاضر

رہنے لگے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اللہ نے دیوگری میں ایک بالاخانہ تعمیر کروایا ہوا تھا۔ یہ بالاخانہ دریا کے کنارے پر واقعہ تھا۔ آپ اکثر اسی میں مشغول عبادت رہتے اس خلوت کدہ میں خواجہ نصیر الدین کے بغیر کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ انہی ایام میں آپ کی خصوصی تربیت ہوئی اور آپ کو چراغ دہلی کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپ بھی حضرت خواجہ محبوب الہیٰ قدس سرہٗ کی خدمت میں دن رات کمر بستہ رہتے آپ کو حضرت اپنے بالاخانہ میں عبادت گزاری اور خلوت گزینی کا شرف بخشتے تھے۔

ایک بار حضرت خواجہ بہاء الدین ملتانی قدس سرہٗ کے چند مرید آئے انہوں نے اس خلوت کدہ میں رات گزارنے پر اصرار کیا۔ انہیں اس خصوصی نسبت کی وجہ سے وہاں رہنے کی اجازت مل گئی صبح ہوئی تو ایک درویش وضو کرنے دریا پر جا نکلا۔ کپڑے اتار کر کنارے پر رکھے اور خود نہانے کے لئے پانی میں غوطہ زن ہوگیا۔ ایک بدبخت وہاں جا پہنچا تو درویش کے کپڑے اٹھا کر بھاگ نکلا۔ اب درویش ننگا نہ پانی سے باہر آسکتا تھا۔ نہ اس وقت کوئی اس کی فریاد سن سکتا تھا۔ وہ دریا کے پانی سے ہی آوازیں دینے لگا۔ خواجہ نصیر الدین خلوت کدہ سے باہر آئے اور اپنے کپڑے اتار کر اسے دیئے اور اسے کہا اب خاموشی سے آجاؤ۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس درویش کی باتوں سے حضرت خواجہ نظام الدین کی عبادت و اذکار میں خلل نہ آئے۔ مگر حضرت خواجہ یہ سارا واقعہ نور باطن سے دیکھ رہے تھے۔ چاشت کی نماز کے بعد آپ نے خواجہ نصیر الدین محمود کو بلایا۔ اور بڑی مہربانی فرمائی اور اپنی خلعت خاص مرحمت فرمائی۔

اخبار الاخیار کے مصنف شیخ عبد الحق محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شیخ نصیر الدین محمود کی اودھ کے علاقہ میں ایک ہمشیرہ تھیں۔ عمر میں آپ سے بڑی تھیں۔ مگر نہایت ہی نیک سیرت تھیں۔ ان کے دو بیٹے زین الدین اور

کمال الدین حامد تھے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین کبھی کبھی اپنے پیر و مرشد سے اجازت لے کر ہمشیرہ کو ملنے جایا کرتے تھے۔ اور ملاقات کے بعد واپس دہلی چلے آتے تھے۔

ایک دن شیخ برہان الدین غریب جو خواجہ نصیر الدین کے خواجہ تاش اور ہم مجلس بھی تھے۔ کی ممدے کی ایک ٹوپی جو آپ کو حضرت نظام الدین دہلوی نے عطا فرمائی تھی گم ہوگئی بڑی تلاش کی مگر مل نہ سکی۔ برہان الدین کو اس ٹوپی کے کھو جانے پر بڑا ملال ہوا۔ آپ بڑے پریشان رہنے لگے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین نے آپ کو تسلی دی اور کہا زیادہ فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ اس تحفہ سے بڑھ کر عمدہ تحفہ ملے گا۔ حضرت خواجہ نظام الدین نے اسی دن شیخ برہان الدین کو بلایا اور ایک خاص مصلیٰ عنایت کیا۔ دوسرے دن آپ کے اپنے بیچے سے گم شدہ ٹوپی بھی مل گئی حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی مجلس سماع میں مزامیر کا استعمال ممنوع تھا صرف تالی یا نعرہ کی آواز سے سماع ہوتا تھا۔ ایک دن اس شعر پر وجد آیا۔

نظر در دیدہ ہا ناقص فتادہ است
وگرنہ یار ما از کس نہاں نیست

(ہماری آنکھوں کی بینائی میں نقص آگیا ہے۔ ورنہ ہمارا محبوب تو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے)

اسرار الاصفیاء کے مولف نے لکھا ہے کہ عمیر سمرقندی اور علی قندزی کا سلطان محمد تغلق پر بڑا اثر تھا۔ یہ دونوں حضرت خواجہ شیخ نصیر الدین کے مخالفین میں سے تھے۔ انہوں نے سلطان محمد تغلق کو آپ کے خلاف کر دیا اور آمادہ کیا کہ شیخ کو حراست میں لینا چاہیئے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک دن کسی بہانے سے حضرت شیخ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور کھانا تمام سونے اور چاندی کے برتنوں میں سجا کر سامنے رکھا۔ اس کا منشاء یہ تھا کہ اگر آپ ان برتنوں میں کھانا کھالیں تو شرعی

طور پر محاسبہ کیا جائے اور اگر انکار کریں گے تو سیاست سلطانی اور توہین دربار کے جرم میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ حضرت شیخ بادشاہ کی اس حرکت سے نور بصیرت سے واقف ہو گئے تھے۔ چنانچہ مجلس طعام میں چند لقمے اٹھائے اور علیحدہ اپنے ہاتھ پر رکھ کر بادلِ نخواستہ لقمہ لقمہ کھانے لگے یہ دیکھ کر آپ کے مخالفین اور حاسد سخت شرمندہ ہوئے۔ مجلس کے بعد بادشاہ نے عرض کی حضور مجھے کچھ نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا۔ بادشاہ کی طبیعت میں درندوں کی خصلتیں بڑھ گئی ہیں۔ اور درویشوں کے خلاف حسد کی قوت زیادہ ہو گئی ہے انہیں مزاج اور دل سے دُور کرنا چاہیئے اس کے بعد بادشاہ نے ایک تھیلی میں روپے اور ایک خلعت ریشم پیش کئے۔ مگر آپ نے ان دونوں چیزوں کی طرف توجہ نہ فرمائی اسی دوران خواجہ نظام الدین جو سلطان کا خاص پیر بھی تھا۔ اور حضرت شیخ کا عقیدت مند بھی اٹھا۔ اور دونوں چیزیں اٹھا کر بغل میں رکھیں اور اپنے دامن سے حضرت کے جوتے صاف کر کے آپ کے سامنے سیدھے رکھ دیئے اور دیوان سے حضرت کو ساتھ لے کر الوداع کہنے کے لئے نکل آیا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس واپس گیا تو بادشاہ سخت غصے کی حالت میں تھا وہ اس قدر غضبناک تھا کہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر نظام الدین کو قتل کرنے لگا اور گرج کر کہنے لگا۔ نظام الدین تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی۔ کہ دونوں چیزیں اٹھا کر میرے سامنے ہی شیخ نصیر الدین کے جوتے صاف کر کے سامنے رکھنے لگے۔ اور اس طرح شیخ کو میری تلوار کے وار سے صاف نکال کر لے گئے۔ نظام الدین نے جواب دیا حضور میں ایک طرف حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی کے خانوادہ کا غلام ہوں اور دوسری طرف آپ کا بھی خدمت گزار ہوں۔ میں خاندان نظام الدین کی خدمت کو اپنا ایمان جانتا ہوں۔ ان کے جوتے میرے سر کا تاج ہیں۔ اگر آپ غصے میں ہیں تو مجھے قتل کر دیں۔ میری یہ جان بھی حضرت کے قدموں پر قربان ہو گی۔ یہ بات سن کر

سلطان دل ہی دل میں بل کھا کر رہ گیا۔ تلوار نیچے رکھ دی اور نظام الدین کو کچھ نہ کہا۔

ایک دن مجلس سماع میں قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد ہم کردی

قلم میسر دلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے یہ شعر سنا تو وجد میں آ گئے۔ مولانا مغیث مجلس میں موجود تھے۔ وہ سخن شناس بھی تھے اور مزاج شناس بھی۔ آپ نے اس شعر سے تاثر لیا۔ حضرت کی حالتِ وجد و حال کی کیفیت دیکھی۔ تو مجلس کے احوال پر ایک رسالہ لکھا۔ اور لکھا۔ کہ اس شعر کا مطلب کن کن اشاروں سے بیان کیا جائے اگر جور و جفا ہے تو اسے اللہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بات کفر ہے کہ اللہ کو جور و جفا کا مرتکب مانا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس شعر کے بہت سے معانی لکھے اس کی توجیہات کیں۔ کئی شرعی اور عقلی اعتراض اٹھائے اور سب کو لکھ کر مولانا معین الدین عمرانی کے پاس بھیجا۔ اس نے یہ تحریر اٹھائی اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے مولانا معین الدین کو اپنے پاس بلایا اور رسالہ واپس کرتے ہوئے کچھ نہ کہا اور ایک اعلیٰ قسم کی دستار دے کر دوا ع کر دیا۔

دوسرے دن پھر مجلس سماع گرم ہوئی۔ تو حضرت شیخ نصیر الدین اس شعر پر وجد میں آ گئے۔

ماطبل جفا نہ دوش بے باک زدیم

عالی علمش بر سر افلاک زدیم

از بہر کلے یفچۂ مے خوارہ

صد بار کلہ توبہ پہ خاک زدیم[۱]

---

[۱]: ہم نے کل رات میر حفاں کے طنبورے کی آواز پہ بے باک ہو کر ہا ہو شروع (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

ہوش میں آئے۔ مجلس برخاست ہوئی۔ تو آپ مکان کی چھت پر جا بیٹھے وہاں ہی مغیث شاعر کو بلایا۔ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ہاں! مولانا آج ایک اور رسالہ لکھو۔ اور اس میں لکھو۔ کہ یہ کیا جہالت ہے کہ شیخ نصیر الدین کو اس پر وجد آ گیا۔ یہ کہا مگر مولانا مغیث بے حد شرمسار ہوئے۔ پھر کبھی خانقاہ کا رخ نہ کیا اور تین دن بعد فوت ہو گئے۔

ایک دن نماز ظہر کے بعد حضرت شیخ نصیر الدین اپنے حجرہ خاص میں مشغول عبادت تھے۔ آپکے ہمشیرہ زادہ خادم خاص شیخ زین الدین بھی حاضر نہ تھے۔ شیخ مراقبہ میں سر جھکائے دنیا و ما فیہا سے بے خبر بیٹھے تھے۔ اسی اثنا میں ایک قلندر تراپی نام حجرے میں داخل ہوا۔ یہ شخص کئی برسوں سے حضرت کے خلاف آتشِ حسد میں جلتا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آج حضرت شیخ تن تنہا مراقبہ میں مستغرق ہیں۔ وہ بلا خوف و خطر آگے بڑھا۔ اور بغل سے ایک چھرا نکالا۔ اور آپ پر حملہ کر دیا۔ اس نے چھرے کے گیارہ زخم لگائے اس نے جب یہ محسوس کیا کہ اب شیخ ہلاک ہو گئے ہیں۔ نکل کر بھاگ کھڑا ہوا حضرت شیخ محویت کے عالم میں اپنی جسمانی حالت کا احساس نہ کر سکے۔ مگر خون بہتے بہتے حجرے سے باہر نکلا تو لوگوں کو معلوم ہوا۔ آپ کو زخمی حالت میں دیکھا۔ دوڑ کر قلندر تراپی کو پکڑا۔ اور آپ کے پاس لے آئے۔ آپ کے عزیز اس کی بوٹی بوٹی کرنا چاہتے تھے۔ مگر آپ نے انہیں روک دیا۔ اور اپنے طبیب شیخ صدر الدین اور اپنے خواہرزاد شیخ زین الدین کو قسم دے کر کہا کہ اسے کچھ نہ کہا جائے۔ بلکہ بیس روپے انعام دیئے۔ اور فرمایا تم نے بہت مشقت اور محنت کی ہے۔ اس واقعہ کے بعد آپ

(بقیہ حاشیہ) لکھ دی تھی۔ اور اس کے بلند و بالا جھنڈے آسمانوں پر گاڑ دیئے تھے۔ ایک بے خوار بلغچہ کے لئے اپنی توبہ کی ٹوپی کو سو بار سر سے اتار کر زمین پر دے مارا۔

تندرست ہو گئے۔ غسل صحت فرمایا۔ اور تین سال تک زندہ رہے۔

سیدالاولیاء اور سفینۃ الاولیاء تذکرہ شجرۂ چشتیہ اور دوسرے مشہور تذکروں میں آپ کا سن وفات ۷۵۷ھ لکھا ہے یہ صحیح تاریخ وفات اٹھارہ ماہ رمضان المبارک ۷۵۷ھ ہے۔ صاحب مخزالواصلین کا آپ کا سال وصال ۷۵۲ھ لکھا ہے مگر ہمارے نزدیک ۷۵۷ھ ہی صحیح ہے۔ آپ نے رحلت کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دفن کرتے وقت حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین کا خرقہ میرے سینہ پر رکھ دینا اور میرے پیرومرشد کا عصا میرے پہلو میں رکھنا۔ حضرت شیخ کی تسبیح میری انگشت شہادت پر ہونی چاہیئے اور چوبیں نعلیں بغل میں رکھی جائیں۔ آپ کے خدام نے اسی طرح کیا۔

ہم تبرکاً آپ کے چند خلفائے کرام کے اسمائے گرامی لکھنے پر اکتفاء کرتے ہیں میر سید محمد گیسودراز۔ میر سید محمد بن جعفر المکی الحسینی۔ ملک زادہ احمد۔ مولانا معین الدین عمرانی۔ میر سید علاء الدین برادرزادہ مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت۔ شیخ یوسف مؤلف تحفۃ النصائح۔ محمد وصیبہ ادیب۔ سید علاء الدین کشوری۔ شیخ دانیال۔ شیخ قوام الدین۔ قاضی عبدالمقتدر۔ مولانا خواجگی۔ مولانا احمد تھانیسری۔ شیخ زین الدین خواہرزادہ شیخ صدرالدین حکیم اور شیخ سعد اللہ کیسہ قدس سرہم۔

گشت چوں جلوہ گر نصیرالدین - ہم چناں چوں چراغ پُر انوار
ہست مہتاب نیرّ دہلی - سال ترحیل آل شہ ابرار
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

آفتاب روح جان - قبلۂ حق نصیرالدین محمود
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

یار محبوب نیرّ اکبر (بہ تکرار) - پیر سید و سردار
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

طالب اللہ واقف اسرار - صدیق حق نصیر الدین

۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

شاہ نامی نصیر - ولی مشکل کشا - شاہ والدجاہ ابرار

۷۵۷ھ ۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

ولی حق نصیر الدین محسن - نصیر عارفان - رہبر نصیر

۷۵۷ھ ۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

ناصر نصیر (بتکرار) - محبوب رب مہتاب دہلی

۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

مطلع الانوار حق یار - واقف اسرار حق (دوبار) جان چشت

۷۵۷ھ ۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

شیخ اخی سراج الدین بدایونی قدس سرہٗ: آپ خواجہ نظام الدین کے مشاہیر خلفاء میں سے تھے۔ شیخ اخی عنفوان شباب میں ہی حضرت خواجہ کی خدمت میں وابستہ ہو گئے تھے۔ ابھی آپ کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں آئی تھی۔ اس لئے آپ ظاہری علوم کی تحصیل سے محروم رہے۔ حضرت شیخ نے حضرت فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ یہ نوجوان اچھی طبیعت اور عمدہ سیرت کا مالک ہے۔ کیا کیا جائے۔ علم سے بے بہرہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بے علم زاہد شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔ فخر الدین نے حضرت خواجہ نظام الدین کے اس التفات مشفقانہ کو دیکھا تو عرض کی۔ اگر حضور اجازت دیں تو میں اس نوجوان کو دینی نگرانی میں لے کر ضروری علوم کی تعلیم دے دوں میرا خیال ہے کہ آپ کے لطف و کرم سے اسے علمی استعداد حاصل ہو جائے گی آپ نے فرمایا یہ تو بہت اچھی بات ہے۔

؎ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

چنانچہ مولانا فخر الدین زرادی اخی سراج الدین کو اپنے گھر لے گئے۔ اور چھ ماہ کے اندر اندر انہیں بہت سے علوم سے واقف کر دیا۔ بعض اوقات آپ کے ہم عصر علماء بعض نکات پر گفتگو کرے تو اخی سراج الدین انہیں حیران کر دیتے تھے۔

علوم ظاہری سے فارغ ہوئے تو حضرت خواجہ نے آپ کو باطنی اسرار و رموز سے مالا مال کر دیا۔ خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور ولائیت بنگال کا روحانی نگران مقرر کر دیا۔ آپ اخی سراج الدین کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ کہ آپ "ہندوستان کے آئینہ ہیں"۔ شیخ اخی سراج دین قدس سرہٗ ۷۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

چوں سراج الدین شد از دنیائے دوں
سال وصل آں شۂ والامکاں
عارفِ احمد سراج الدین بگو
سالک محرم سراج دین نجواں

شیخ صدر الدین حکیم قدس سرہٗ آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے حضرت سلطان المشائخ کے منظور نظر تھے۔ آپ کے والد ماجد ایک بہت بڑے تاجر تھے۔ مگر حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے عقیدت مند تھے۔ بڑھاپا آگیا۔ مگر آپ کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ آپ اولاد کی محرومی کو اکثر محسوس کرتے تھے۔ ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین حالت وجد میں تھے۔ کہ آپ نے اولاد کے لئے سوال کر دیا۔ حضرت شیخ نے اپنی پشت ان کی پشت سے لگا دی۔ اور خوشخبری دی کہ اللہ تمہیں بیٹا دے گا۔ ان کی منکوحہ بھی ضعیف ہو چکی تھی۔ مگر قدرت خداوندی سے اسی رات حاملہ ہوئی اور نو ماہ بعد اللہ تعالےٰ نے بیٹا دیا۔ جس کا نام صدر الدین رکھا گیا۔ والد نو مولود کو اٹھا کر حضرت کی خدمت میں

لے گیا۔ آپ نے اٹھایا گود میں بٹھایا۔ چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ اور اپنے ہاتھ سے خرقہ تیار کر کے پہنایا۔ اور شیخ نصیر الدین کی گود میں دے کر کہا کہ اس بچے کی ظاہری باطنی تعلیم و تربیت میں پوری پوری کوشش کرنا چنانچہ آپ کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے پرورش کی اور کاملین وقت سے بنا دیا۔

آپ بڑے فصیح و بلیغ قلم و زبان کے مالک تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جو معارف و حقائق پر مشتمل ہیں۔ آپ علم طب میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے۔ ایک بار حضرت شیخ صدر الدین کو پریاں اٹھا کر لے گئیں۔ ان کی ایک شہزادی بڑی سخت بیمار تھی جو کسی علاج سے صحت یاب نہیں ہوئی تھی۔ یہ اٹھا کر آپ کو کوہِ کاف میں لے گئیں۔ جب تک وہ پری صحت یاب نہ ہوئی آپ کو وہاں ہی رکھے رکھا۔ آخر انہیں اٹھا کر جہاں سے لے گئیں تھیں لا رکھا۔ اور آپ کے ہاتھ میں ایک خط دے دیا۔ اور کہا کہ آپ فلاں شہر کی فلاں گلی میں ایسے رنگ اور شکل کا کتا رہتا ہے۔ یہ خط اسے دکھا دینا حضرت شیخ نے ایسے ہی کیا۔ کتے نے خط کو دیکھا تو آپ کے آگے آگے ہو لیا۔ اور شہر کے باہر ایک جگہ لے گیا۔ اور ایک مقام سے زمین کھودنا شروع کر دی زمین سے ایک پرانا خزانہ برآمد ہوا۔ شیخ وہاں سے بے پناہ دولت اٹھا لائے اور غریبوں میں تقسیم کرتے رہے۔

شجرۂ چشتیہ میں آپ کا سال وصال ۷۵۹ھ لکھا ہے۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
شیخ اہل یقین صدر الدین
شاہ جنت بگو توارِ بخش
ہم بخواں شاہ دین صدر دین

۷۵۹ھ

شیخ قطب الدین منور قدس سرہٗ

آپ خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کے خاص خلیفہ تھے تجرید و تفرید میں یگانۂ روزگار تھے۔ ساری عمر خلوت میں گزار دی۔ اپنی مرضی سے حجرے سے ایک قدم بھی باہر نہیں رکھا۔ اور کسی دنیادار کے گھر نہیں گئے آپ کے والد برہان الدین بن شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہما تھے۔ بچپن میں والد کے انتقال کے بعد خواجہ فرید شکر گنج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ظاہری و باطنی تعلیم حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی سے حاصل کی۔ آپ ہر سال ہانسی سے دہلی آتے۔ اور حضرت محبوب الٰہی کی صحبت میں رہ کر تربیت پاتے۔

ایک بار سلطان محمد تغلق نے قاضی کمال الدین حیدر جہاں کو حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں ہانسی بھیجا۔ اور ساتھ ہی چند مواضعات کی ملکیت کے کاغذات بھی بھیجے۔ اس کی خواہش تھی۔ کہ پہلے آپ کو دنیاوی لالچ میں دے کر زیر کرے۔ پھر شاہی عتاب سے سرنگوں کرے کیونکہ یہ بادشاہ درویشوں اور فقراء کے خلاف تھا۔ قاضی کمال الدین ہانسی پہنچے۔ اور بادشاہ کے فرامین اور انعامات پیش کئے۔ مگر آپ نے ایک نگاہ غلط انداز سے انہیں مسترد کر دیا۔ فرمایا جس چیز کو ہمارے پیروں نے قبول نہیں کیا۔ میں کیسے لے سکتا ہوں۔ ان کاغذات کو واپس لے جائیے۔ ایسی چیزوں کے طالب بہت مل جاتے ہیں

ایک بار بادشاہ تغلق ہانسی کے علاقہ میں گیا ہوا تھا۔ وہ موضع بینی میں جو ہانسی سے صرف چار کوس کے فاصلہ پر لشکر انداز ہوا۔ اس نے اپنے ایک درشت خو اور سخت گیر حاکم نظام الدین عرف مخلص الملک کو ہانسی میں بھیجا وہ ہانسی کے قلعہ کی دیوار کے پاس سے گزر رہا تھا۔ نزدیک ہی حضرت شیخ قطب الدین کا گھر تھا۔ آپ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر لوگوں سے پوچھنے لگا یہ کس کا گھر ہے۔ لوگوں نے بتایا۔ یہاں قطب الدین منور جو حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی کے مرید ہیں رہتے ہیں۔ اس نے کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ سارے ہندوستان کا شہنشاہ اپنے لاؤ لشکر کے

ساتھ ہانسی کے پاس جلوہ فرما ہوا۔ خواجہ نظام الدین کا ایک مرید انہیں ملنے کو نہ جانے دے یہ حاکم واپس بادشاہ کے لشکر گاہ میں گیا۔ اور صورت حال سے آگاہ کیا بادشاہ نے حسن سر برہنہ کو جو ایک بہت بڑا امیر دربار تھا طلب فرمایا اور حکم دیا کہ شیخ قطب الدین کو ہر حالت میں لاکر پیش کیا جائے۔ حضرت کے گھر پہنچا۔ دہلیز کے پاس کھڑا ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا تو شیخ قطب الدین کا بیٹا نورالدین باہر آیا۔ اور حسن سر برہنہ کو شیخ قطب الدین کے پاس اندر لے گیا۔ اس نے بادشاہ کا پیغام دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں مجھے بھی کچھ اختیار ہے یا آپ لوگوں نے اپنی ہی بات منانی ہے۔ حسن نے کہا مجھے حکم ہے کہ آپ کو طوعاً کرہاً بادشاہ کے دربار میں پیش کر دوں۔ فرمایا الحمد للہ میں اپنے اختیار سے نہیں جارہا۔ پھر آپ نے اپنے اہل خانہ کو الوداع کیا۔ اور جانماز کندھے پر رکھا اور پاپیادہ روانہ ہو گئے۔ حسن نے بڑا اصرار کیا کہ میں سواری لے کر آیا ہوں۔ مگر شیخ نے قبول نہ کی۔ اور پیدل چلتے گئے۔ راستے میں شیخ جمال الدین اور برہان الدین جو شیخ قطب الدین منور کے باپ اور دادا تھے کے مزارات آئے تھے۔ آپ نے حسن کو پوچھا اگر اجازت ہو تو میں اپنے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کر لوں۔ اُس نے کہا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ اپنے باپ اور دادا کی قبر کے پاؤں کی طرف کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے کہنے لگے کہ میں آپ لوگوں کے خلوت کدے سے اپنی مرضی سے باہر نہیں آیا۔ چند لوگوں نے زبردستی بادشاہ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ میرے گھر کے چند افراد موجود ہیں جن کے لئے میں نے کوئی خرچا نہیں چھوڑا۔ یہ کہہ کر آپ روضے سے باہر نکلے دروازے پر ایک شخص کھڑا تھا۔ اس نے چاندی کے سکے پیش کئے اور کہا یہ آپ کے اہل وعیال کا خرچ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں میرے گھر پہنچا دو کیونکہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

آپ بادشاہ کے لشکر گاہ میں پہنچے تو بادشاہ نے دیدہ دانستہ آپ کی طرف توجہ نہ

دی نہ اپنے پاس بلایا اور وہاں سے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ دہلی پہنچ کر شیخ قطب الدین کو اپنے پاس ملاقات کے لئے طلب کیا۔ شیخ اندر داخل ہوئے تو وہ بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی اٹھا اور اس کے ہاتھ میں ایک تیر اور کمان تھا جسے وہ درست کر رہا تھا۔

یہ دونوں چیزیں شیخ کو دیکھتے ہی ہاتھ سے گر گئیں۔ تعظیم کے لئے آگے بڑھا اور مصافحہ کیا۔ حضرت شیخ نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر اتنا دبایا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ چنانچہ یہ ظالم بادشاہ جو ہزاروں مشائخ اور علماء کو اپنی تلوار کی نوک سے نیچے لا چکا تھا۔ شیخ کا معتقد ہو گیا۔ کہنے لگا ہم آپ کے شہر گئے تھے۔ آپ نے نہ ہم سے ملاقات کی نہ مہربانی فرمائی اور نہ ہی خوش کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ درویش اپنے حجرے میں بیٹھ کر تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرتا ہے۔ اِس میں ہر چھوٹا بڑا شریک ہوتا۔ فقیروں کو دربار میں آنے سے معذور رکھا کرو۔ بادشاہ کو آپ کی یہ باتیں بڑی پسند آئیں اور خوش ہو کر کہنے لگا کہ آپ کی جو مرضی ہو گی وہی کروں گا۔ میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو حکم کریں۔ حضرت شیخ نے کہا کہ میرا حکم یہی ہے کہ مجھے یہاں سے رخصت کر دیا جائے تاکہ اپنے خلوت کدہ میں بیٹھ کر ذکر خداوندی میں مصروف رہوں۔ بادشاہ نے حضرت شیخ کو رخصت کیا۔ اور شیخ فیروزہ احمد ضیاء برنی کو ایک لاکھ روپیہ دے کر شیخ کے ساتھ بھیجا۔ حضرت شیخ نے جب روپوں کی تھیلیاں دیکھیں تو فرمایا نعوذ باللہ من ذالک ایک درویش کو ایک لاکھ روپے سے کیا فائدہ ہے۔ اسے بادشاہ کی خدمت میں واپس لے جاؤ بادشاہ نے پچاس ہزار روپیہ رکھ لیا اور پچاس ہزار روپیہ دوبارہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے پھر انکار کیا۔ آخر کار آپ نے صرف ایک ہزار روپیہ لیا اور وہ بھی شیخ فیروزہ اور ضیاء برنی کے سامنے غربا میں تقسیم کر دیا۔

شیخ قطب الدین منور سات سو ساٹھ ۷۶۰ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

چوں جناب شیخ قطب الدین
رفت از دنیا بفردوس برین
سال ترحیلش ندا شد از فلک
قطب دنیا آفتاب اہل دین
۷۶۰ھ
ہم بخواں مہر منور قطب حق
۷۶۰ھ
سال وصل آں شہ اہل یقین

خواجہ معین الدین خورد قدس سرہٗ:- آپ شیخ حسام الدین سوختہ کے بڑے بیٹے تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے آپ کا رتبہ یہاں تک تھا کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہوتی براہ راست حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کر لیتے۔ آپ کے چھوٹے بھائی کا نام شیخ قیام الدین تھا۔ وہ بڑے ہی خوبصورت بہادر اور عظیم الشان بزرگ تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی بڑی اولاد تھے جن میں علماء اور مشائخ بھی ہوئے۔

آپ سات سو اکاسٹھ ۷۶۱ھ ہجری میں فوت ہوئے

معین الدین چو از دنیا سفر کرد
بہ پیش اہل جنت گشت منظور
معین الدین متوکل رقم کرد
تبار یخش چو سرور گشت کمور

آپ اودھ کے عالمِ اجل تھے

شیخ علاؤالدین نیلی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ کا ظاہری اور باطنی مزاج عالمانہ تھا لیکن صوفیانہ طرزِ زندگی کو اپنائے رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ کو حضرت سلطان المشائخ سے خرقۂ خلافت واجازت ملا تھا۔ لیکن کسی کو بعیت نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے اگر میرے پیرو مرشد زندہ ہوتے تو میں یہ اجازت نامہ انہیں واپس کر دیتا۔ کیونکہ مجھ جیسے ناکارہ آدمی سے اِتنی عظیم ذمہ داری پوری نہیں ہو سکتی۔

میر حسن علائی سنجری کی کتاب فوائدالفوائد جو حضرت خواجہ نظام الدین کے ملفوضات پر مشتمل ہے اپنے قلم سے لکھ کر ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور دن رات مطالعہ کرتے لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ تصوّف۔ فقہ۔ حدیث اور تفسیر کی ہزاروں کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں۔ مگر آپ سوائے فوائدالفواد کے کسی میں دلچسپی نہیں لیتے اور اسے تعویذ بنا کر پاس رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سلوک کی کتابوں سے سارا جہاں بھرا پڑا ہے مگر میرے پیرو مرشد کے ملفوضات دل کو جس انداز سے فرحت بخشتے ہیں اس کا مزہ کچھ اور ہی ہے۔

آپ سات سَو باسٹھ ۷۶۲ سال میں فوت ہوئے۔

علاؤ الدین چو از دنیا سفر کرد
بذات ایزدی شد محو مطلق

رقم شد بہر سال انتقالش
علاؤ الدین عارف صاحبِ حق

۷۶۲ھ

شیخ سراج الدین چشتی قدس سرہٗ:- آپ کمال الدین علامہ کے بیٹے بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ بڑے صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے۔ کوشش کرتے کہ ان کی کوئی کرامت ظاہر نہ ہونے پائے۔ آپ کے والد بزرگوار نے موت سے پہلے آپ کو اپنے پاس بلایا اور بڑی روحانی نعمتیں عطا کیں۔ اُس دن سے آپ جس پر نگاہ ڈالتے وہ اللہ کی محبت میں مست ہو جاتا۔

آپ کی وفات سات سو باسٹھ ہجری (۷۶۲ھ) یکم جمادی الاوّل کو ہوئی تھی۔ آپ کا مزار ضلع احمد آباد کے موضع پیراں پتن میں ہے۔

شیخ دنیا و دین سراج الدین
رفت چون از جہاں بباغ جہان
سال تاریخ اوست اہل خلوص
۷۶۲ھ
ہم دگر صاحب کرامت خوان
۷۶۲ھ

شیخ جلال الدین محمود پانی پتی الگازرونی قدس سرہٗ:- آپ بڑے صاحب کشف و کرامت تھے شریعت۔ طریقت۔ حقیقت اور معرفت کے علوم میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے آپ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کا اصلی نام محمد بن محمود تھا لیکن پیر و مرشد کی طرف جلال الدین کا خطاب ملا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ بچپن سے ہی جذبہ و محبت اور عشقِ خداوندی میں غرق تھے اور آخری عمر تک اسی حالت میں رہے۔ آپ پر اکثر مدہوشی طاری رہتی۔ جب نماز کا وقت ہوتا

تو آپ کے خادم آپ کے کان میں تین بار حق حق کہتے۔ آپ ہوش میں آتے اور پھر نماز پڑھتے۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر مراقبے میں چلے جاتے۔

شیخ جلال الدین وجد و سماع میں مشغول رہے آپ کی دعا کبھی نامنظور نہ ہوتی زبان سے جو کچھ فرمادیتے وہی ہوتا۔ آپ کے چالیس خلفاء ہوئے ہیں۔ ہر ایک خلیفہ سے علیحدہ علیحدہ سلسلہ تصوّف جاری ہوا۔ آپ کی کتاب زاد الابرار تصوف میں ایک عمدہ تصانیف سے ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ جلال الدین دو بار حج کرنے گئے۔ آپ کے لنگر میں کم از کم ایک ہزار آدمی صبح و شام کھانا کھاتا اور اگر کبھی خادم اور مرید کم ہو جاتے تو پھر بھی ایک ہزار سے کم مہمان ہوتے۔ تو بازار سے اتنے آدمی بلا کر دستر خوان پر ایک ہزار کی تعداد پوری کر لیتے۔ حضرت شیخ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ شکار پر جاتے تو غیب سے ایک ہزار آدمیوں کا کھانا جنگل میں آجاتا۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسوی کا وہ سلسلہ جو شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر کی دعا سے بند ہو گیا تھا آپ کی دعا سے دوبارہ جاری ہو گیا۔ آپ کی دعا یہ اثر تھا کہ شیخ برہان الدین ہانسوی قطب الدین منور ہانسوی اور شیخ نور الدین انور ہانسوی رحمۃ اللہ علیہم آپ کی دعا سے صاحبِ کرامت ہوئے ہیں اگرچہ یہ لوگ سلسلہ نظامیہ چشتیہ میں سے وابستہ تھے مگر شیخ جلال الدین کی دعا سے انہیں بہت فائدہ پہنچا۔

ایک دفعہ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ سفر میں تھے رات ایک ایسے گاؤں میں ٹھہرے جہاں کے رہنے والے تھیلے پکڑے بھاگنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اُن سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس سال ژالہ باری کی وجہ سے ہماری فصلیں تباہ ہو گئیں ہیں غلہ نہیں ہو سکا۔ اس کے باوجود اس علاقے کا حاکم ہم سے معاملہ اور باج وصول کرنے کے لئے سختی کرتا ہے۔ ہمیں اس کی ادائیگی کی طاقت نہیں۔ اس لئے ہم یہاں سے بھاگ جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم لوگ یہ گاؤں میرے ہاتھ بیچ دو اور اس کا

نام جلال آباد رکھ دو تو میں تمہیں اتنا روپیہ دوں گا جس سے تم معاملہ بھی ادا کر دو گے اور امیر بھی ہو جاؤ گے۔ گاؤں والوں نے یہ بات مان لی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس جتنی لوہے کی چیزیں ہیں ایک جگہ جمع کر لو۔ اور خشک لکڑی بھی لے آؤ چنانچہ آپ نے لکڑیوں پر لوہا رکھ کر ان کو آگ لگا دی۔ اور حکم دیا کہ صبح ہوتے ہی اس لوہے کو دیکھنا۔ خود ہی آدھی رات کے وقت سب سے چھپ کر اپنے وطن چلے گئے۔ صبح کے وقت لوگوں نے لوہے کی چیزوں کو دیکھا تو تمام خالص سونے کی بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے حاکم کو معاملہ ادا کیا۔ اور سب کے سب امیر ہو گئے اور اُس گاؤں کا نام جلال آباد رکھا۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ دریا کے کنارے پر پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک ہندو جوگی آنکھیں بند کئے دریا کے کنارے پر بیٹھا ہے۔ اُس نے آنکھیں کھول کر حضرت کو دیکھا تو فرمایا۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ میرے پاس آ گئے ہیں۔ میرے پاس سنگِ پارس ہے۔ میں نے دل میں عہد کیا تھا کہ جو شخص آنکھیں کھولے میرے سامنے آئے گا۔ میں اُسے سنگِ پارس دے دوں گا۔ اب تم اسے لے لو اور اپنے استعمال میں لاؤ۔ کہ تم بہت خوش قسمت ہو۔ جنہیں ایسی دولت ملی۔ حضرت شیخ نے جوگی سے پتھر لے لیا اور دریا میں پھینک دیا آپ کی اس حرکت سے جوگی بہت ناراض ہوا۔ اور کہنے لگا۔ آپ کو اس پتھر کی قدر و قیمت معلوم نہیں کہ اسے تم نے دریا میں پھینک دیا ہے۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ میرا پتھر مجھے واپس دے دو حضرت شیخ نے جواب دیا جب تم نے پتھر مجھے بخش دیا تھا۔ میں جو چاہتا کرتا۔ اب تمہیں اس سے کیا سروکار ہے؟ جوگی افسوس کرتا تھا۔ روتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ افسوس تم نے اتنی بڑی دولت کو دریا میں پھینک دیا ہے۔ اب تمہیں میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ تاوقتیکہ میرا پتھر میرے

حوالے نہ کیا جائے۔ شیخ یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا دریا میں اتر جاؤ اور اپنا پتھر اٹھا کر باہر لے آؤ۔ مگر دیکھنا اسی طرح کا اگر کوئی دوسرا پتھر ملا تو لالچ کر کے اسے نہ اٹھا لینا صرف اپنا پتھر ہی لانا۔ جوگی نے یہ بات قبول کر لی۔ اور دریا میں کود پڑا۔ اس نے دیکھا کہ پانی میں ہزاروں سنگِ پارس موجود ہیں۔ جیسے اس نے حضرت شیخ کو دیا تھا۔ اس کو لالچ ہوا اور اس نے کئی پتھر اٹھا لئے اور انہیں چوری اپنے تھیلے میں چھپا لیا حضرت شیخ نے آواز دے کر کہا اوئے ظالم تم نے اپنا وعدہ بھلا دیا جوگی شرمندہ ہوا۔ دریا سے باہر آیا اور سارے پتھر شیخ کے سامنے لا رکھے اور یہ شیخ کے قدموں میں گر کر کلمہ پڑھ لیا۔ اور آپ کا مرید ہو گیا۔ آپ کی دعا سے وہ کمالات کو پہنچا۔

اسی کتاب میں ایک اور واقعہ لکھا کہ احمد نامی ایک قلندر ترکستان سے مرشد کی تلاش میں چلا اور ہندوستان آ پہنچا۔ اس نے لکھی کے جنگلات میں ڈیرہ جما لیا۔ اس نے پانی پت کے کئی مشائخ کو اپنے اس ارادے سے آگاہ کیا۔ چنانچہ مشائخ کا ایک گروہ حضرت شیخ جلال الدین کی قیادت میں لکھی کے جنگلات میں قلندر کے پاس پہنچا۔ جب کھانا کھانے لگے۔ اور طعام سے کپڑا اٹھایا۔ تو تمام غیر مشروع چیزیں پکی ہوئی تھیں۔ یہ ایسی چیزیں تھیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے لیکن وہ اس انداز سے پکائے گئے تھے۔ کہ کھانے والے کو ترغیب دینے میں موثر تھا۔ حضرت جلال الدین نے مشائخ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کراہت کی بجائے اللہ سے دعا کرو کہ یہ حرام کھانے دستر خوان سے اٹھ کر خود شہادت دیں تاکہ اس قلندر کی یہ چال نمایاں ہو جائے چنانچہ حضرت شیخ جلال الدین نے ان کھانوں پر نگاہ ڈالی تو ہر جانور جس کا گوشت تیار کیا گیا تھا۔ اٹھ کر سامنے آ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس قلندر نے حضرت شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور نہایت عجز سے اعتراف کیا۔ کہ میں دیدہ

دانستہ یہ کام اس لئے کیا تھا کہ دیکھوں کہ مشائخ اپنی نگاہ سے معلوم کر لیتے ہیں یا نہیں میں شیخ کو کامل وقت پاکر مرید ہوتا ہوں۔ اور تکمیل سلوک کے لئے ان کے ہر اشارے پر زندگی وقف کردوں گا۔ حضرت نے اسے مرید بناکر درجہ کمال تک پہنچا دیا۔

ایک دن حضرت شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کہیں جارہے تھے کہ ایک ضعیف عورت سر پر پانی کا گھڑا رکھے جارہی تھی۔ اس کے پاؤں کانپ رہے تھے آپ نے پوچھا کیا آپ کا کوئی اور آدمی پانی نہیں لا سکتا۔ کہنے لگی۔ میں بے کس اور بے سہارا ہوں۔ حضرت نے پانی کا گھڑا اٹھایا۔ اور اپنے کندھے پر رکھ کر چلنے لگے اور اس کے گھر پہنچے گھڑا رکھ کر فرمایا۔ آج کے بعد انشاء اللہ یہ گھڑا پانی سے بھرا رہے گا۔ تمہیں پانی لانے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ وہ ضعیف عورت اس گھڑے سے پانی استعمال کرتی رہی۔ مگر پانی کبھی کم نہ ہوا۔

سلطان فیروز الدین کے عہد حکومت میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اوچ شریف سے دہلی تشریف لائے۔ آپ یہاں آکر سخت بیمار ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے آپ کو موت کے قریب پایا۔ پانی پت میں شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو غیبی اشارہ ہوا۔ کہ وہ فوراً دہلی پہنچیں اور اپنی عمر کے دس سال حضرت مخدوم جہانیاں کو نذرانہ پیش کریں۔ آپ زور کرامت سے طے الارض کر کے فی الفور دہلی پہنچے۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں پہنچ کر اسلام علیکم کہا۔ اور آپ نے آنکھیں کھولیں تو شیخ جلال الدین نے کہا۔ اٹھیں تازہ وضو کریں۔ مخدوم نے وضو کیا۔ تو آپ نے دونوں ہاتھ بڑھا کر فرمایا میں نے اپنی زندگی کے دس سال آپ کو بخشتے ہیں۔ مخدوم نے کہا میں نے قبول کر لئے۔ یہ کہتے ہی حضرت شیخ جلال الدین پانی پت آ گئے۔ مخدوم جہانیاں صحت یاب ہوئے۔ حضرت کی صحت یابی کی خبر سن کر سلطان فیروز الدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا صورت حال معلوم کرنے پر آپ نے بتایا کہ مجھے شیخ جلال الدین نے اپنی زندگی کے دس

سال دیئے ہیں ورنہ میرا وقت آپہنچا تھا۔ سلطان فیروز الدین کو حضرت شیخ جلال الدین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ چل کر پانی پت آیا اور آپ کی زیارت سے مشرف ہوا

شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پانچ بیٹے تھے۔ خواجہ عبدالقادر۔ خواجہ ابراہیم خواجہ شبلی۔ خواجہ کریم الدین اور خواجہ عبدالاحد۔ آپ پانی پت میں پنج گنج ولایت کہلاتے تھے اگرچہ آپ کے خلفاء کی تعداد چالیس سے بھی زیادہ تھی۔ مگر آپ کا سلسلہ عالیہ شیخ عبدالحق قدس سرہٗ سے جاری ہوا تھا۔

شیخ جلال الدین پانی پتی کی وفات ۱۳ ماہ ربیع الاول ۷۶۵ھ کو ہوئی تھی آپ کا مزار پانی پت میں ہے۔

چوں جلال از جہاں سفر ورزید　　　یا رحق بود وصل شد با یار
زاہد پاک اشرف الاقطاب　　　ہست تاریخ آں شہِ ابرار

۷۶۵ھ　　　۷۶۵ھ

بندہ مقتدا جلال الدین + پیر والی ارشاد + بحرِ عرفان جلال بے نیاز

۷۶۵ھ　　　۷۶۵ھ　　　۷۶۵ھ

کامل پیرِ عالیشان + مفتاح جلال حق جلال + ساکن خلد شد

۷۶۵ھ　　　۷۶۵ھ　　　۷۶۵ھ

خداوندِ اہل جلال (بہ تکرار)

۷۶۵ھ

شیخ حمید قلندر قدس سرہٗ:- آپ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ بچپن میں اپنے والد مکرم کے ساتھ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہوئے۔ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ کے خلفائے کرام سے استفادہ کیا مولانا برہان الدین غریب۔ شیخ نصیر الدین

چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے علاوہ دوسرے خلفاء سے سلوک چشتیہ میں تربیت پائی حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے ملفوظات میں ایک کتاب بحر المجالس ترتیب دی یہ کتاب ۷۵۰ھ سے ۷۶۰ھ کی مجالس کے احوال پر مشتمل ہے۔ آپ بڑے کامل شاعر اور سخنور تھے۔ اگرچہ آپ قلندری سلوک کے بھی واقف تھے۔ مگر قلندرانہ زندگی بسر نہیں کی تھی۔

ایک دن آپ بچپن میں اپنے والد کے ساتھ حضرت خواجہ محبوب الٰہی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے دستر خوان بچھایا تو آپ نے ایک روٹی کے دو حصے کر کے ایک حصہ آپ کو دیا۔ شیخ حمید نے یہ روٹی کھانے کی بجائے اپنے پاس رکھ لی۔ اور باپ کے ساتھ باہر نکل آئے۔ باہر چند قلندر بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا۔ شیخ زادے ہمیں کچھ دو۔ ہم نے روزہ افطار کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تو کچھ نہیں قلندروں نے کہا۔ تمہارے پاس آدھی روٹی ہے۔ یہ ہمیں دے دو۔ قلندروں کے اس کشف پر شیخ حمید بڑے حیران ہوئے اور وہ روٹی انہیں دے دی۔ قلندروں نے روٹی بانٹ کر روزہ افطار کیا۔ آپ کے والد نے فرمایا۔ حمید تم نے یہ کیا کیا حضرت کی عطا کردہ روٹی ان قلندروں کو دے دی۔ یہ تو ایسی نعمت تھی۔ کہ سات پشتوں تک کام آتی تھی۔ والد گرامی شیخ حمید کو پکڑ کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں واپس لے گئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا چلو درویشوں کا حق درویشوں کو پہنچا دیا۔ پھر آپ شیخ حمید کے والد کو مولانا تاج الدین نے فرمایا۔ فکر نہ کرو۔ تمہارا یہ بیٹا بلند قدر قلندر بنے گا۔ اس دن سے مولانا حمید کا خطاب حمید قلندر رکھا گیا۔

آپ کی وفات ۷۶۸ھ کو ہوئی تھی۔

چوں حمید از لطف و افضال خدا
رفت از دنیا و در جنت رسید
شاہ عالیشان بگو سالِ وصال
ہم بخواں سرورشہ عرفاں حمید

سیّد محمد بن سید مبارک بن سیّد محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ نصیرالدین محمود کے بڑے خلیفہ تھے اور سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ اگرچہ آپ نے بچپن میں سلطان مشائخ سے بیعت کر لی تھی۔ لیکن تکمیل کے مراحل شیخ نصیرالدین کی نگرانی میں گزرے اس طرح آپ سلطان المشائخ کے اویسی تھے اور کئی بار خواب میں اُن کی زیارت بھی کی تھی۔ اور ان سے خواب میں بیعت بھی کی۔ آپ کے والد اور دادا بھی حضرت شیخ کے مقربین میں سے تھے۔

مبارک بن سید محمد کرمانی سیرالاولیاء کتاب لکھی، یہ اتنی بے مثال اور مستند کتاب ہے جس میں چشتی بزرگوارانِ دین کے احوال درج ہیں۔ یاد رہے۔ چشتی بزرگوں کے تذکرے میں سیرالاولیاء کے نام سے دو کتابیں مشہور و معروف ہیں۔ ایک بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ جس میں حضرت خواجہ فرید شکر گنج کے ملفوظات ہیں۔ دوسری اسی نام کی کتاب سیّد محمد بن مبارک کرمانی کی ہے۔

شجرۂ چشتیہ میں آپ کا سنِ وفات سات سو ستر ہجری ہے۔ جبکہ فیروز شاہ تغلق کا زمانۂ اقتدار تھا۔

محمد بن مبارک میر عالم
چو حق بکشود بروے جنتی باب

عجب سال وصالش حق پرست است

۷۷۰ھ

بخوان تحریر کن بشمار دریاب
دگر سرور بتار بخش رقم کرد
محمد بن مبارک میرا خطاب

۷۷۰ھ

شیخ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ بھی شیخ محمود چراغ دہلوی کے خلیفہ اور مرید تھے۔ ظاہری علوم فقہ حدیث تفسیر میں بڑے ماہر تھے۔ آپ کی ایک مشہور کتاب تحفۂ نصائح ہے۔ اس میں احکامِ شرع فرائض اور سنتیں درج ہیں۔ بڑی خوبصورت نظم میں لکھی گئی ہے اُس کا ہر ایک شعر لفظ پر ختم ہوتا ہے۔ کتاب کے آخر میں اپنے پیر کی یوں تعریف لکھتے ہیں۔

شیخ معظم پیر ما محمود آں صاحب قرآن
چوں او نباشد ہیچ کس ہِم محتشم ہم معتبر
عالم بعالم مثل او ہرگز ندیدہ مردمی
اندر کرامت مثل او خیز و کجا دَور قمر
او بود شیخ مقتدا اور جائے مقتدا
گشتند اعمی دیدہا چوں رفت آں اہلِ نظر
گو ہدیمی یوسف گدا در وعظ سخنے چند را
از بر خلف خوش لقا بوالفتح آں ابوالنصر

آپ کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی تھی۔

یوسف دین احمدی یوسف
کرد چوں از جہاں بخلد مکان
رحلتش یوسف حقیقت گو
یوسف حسن ماہ تاباں داں

سید تاج الدین شیر سوار قدس سرہٗ آپ شیخ قطب الدین منور ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلیفہ اور نامور مرید تھے۔ ہمیشہ زہد و ریاضت میں مصروف رہتے ایک وقت ایسا آیا کہ جنگل کے درندے پرندے وچار پائے اور مویشی آپ کے اشارے پر چلنے لگے۔ جنگل میں چلتے چلتے اگر انہیں اپنے پیر روشن ضمیر کی زیارت کا خیال آتا تو کسی شیر ببر کو پکڑتے اور اُس پر سوار ہو جاتے اور خونخوار سانپ کو اٹھاتے چابک بنا کر چل نکلتے۔ اور شہر کو جا نکلتے۔ شہر کے قریب پہنچ کر سانپ اور شیر کو شہر کے باہر چھوڑ دیتے اور خود ننگے پاؤں حضرت پیر کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ ایک دن آپ بے خودی کی حالت میں شیر پر سوار اپنے پیر کی خدمت میں جا پہنچے۔ آپ کے پیر اس وقت ایک دیوار پر بیٹھے تھے۔ سید تاج دین کو شیر پر سوار دیکھ کر فرمایا۔ تاج دین شیروں اور حیوانوں کو قابو کر لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے اللہ کے بندے تو دیوار کو حکم کریں تو وہ بھی چل پڑتی ہے۔ ابھی تک شیخ قطب الدین کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ دیوار چلنے لگی۔ حضرت شیخ نے دیوار کو پاؤں مار کر کہا ہم نے تو یہ بات تمثیلاً کہی ہے ہم نے تمہیں تو نہیں کہا تھا کہ تم چل پڑو لہذا جہاں سے چلی ہو واپس جا کر کھڑی رہو۔

سید تاج دین کا ایک بیٹا تھا جسے شیخین ابدال کہتے تھے۔ بڑا ہی بزرگ اور تارک الدنیا انسان تھا۔ اُس کے گھر میں ایک بہت بڑا پتھر پڑا تھا۔ اور ابھی تک وہ پتھر اُس کے گھر کی دہلیز کے باہر پڑا ہے۔ آپ اپنی زندگی میں ایک لکڑی کا پیالہ اس پتھر پر رکھ

دیتے تھے۔ آنے جانے والے اس میں نقدی ڈال دیتے تھے۔ شام کے وقت شیخین ابدال ان چیزوں کو اٹھاتے اور کچھ خرچ کر دیتے اور باقی غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔ اس پیالے کا معمول یہ تھا کہ اگر بازار میں غلہ مہنگا ہوتا تو اس میں پیسے زیادہ آتے اور اگر سستا ہوتا تو تھوڑے پیسے آتے۔

شیخ تاج الدین نے سات سو چوراسی ہجری میں وفات پائی۔

شیخ تاج الدین شہ عالم در او صاف
تاج دین اعز از دنیا شیخ حق بین گفتہ اند
کرد چوں رحلت بجنت خلق تاریخ وصال
تاج فقر و نیز تاج شاہ دین گفتہ اند

۷۸۴ھ　　　۷۸۴ھ

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ سید تاج الدین کا مزار پرُ انوار نارنول میں ہے۔

شیخ عبد المقتدر قدس سرہٗ آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ بہت بڑے عالم دین تھے۔ اور صاحب باطن درویش بھی تھے آپ کی گفتگو میں فصاحت و بلاغت بھری ہوئی تھی۔ آپ کے والد قاضی رکن الدین الکندی بھی وقت کے بہت بڑے عالم اور فاضل تھے ابتدائی زندگی میں آپ درویشوں کے منکر تھے اور شرعی مسائل پر بحث کرنے کے لئے حضرت چراغ دہلوی کی خدمت میں جاتے۔ ایک عرصہ تھا اسی بحث و تکرار میں مصروف رہے۔ آخر کار آپ کے مرید ہو گئے اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے۔ مناقب الصدیقین آپ کی مشہور کتاب ہے اس میں حضرت شیخ کی کرامات لکھی ہوئی ہیں۔ قاضی شہاب الدین آپ کے ہی شاگرد تھے۔

ایک دن قاضی شہاب الدین کو کہیں سے سونا ملا دل میں کہنے لگے کہ اس سونے کو

میں اُس جگہ چھپاؤں گا۔ جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔ اِسی حالت میں حضرت شیخ عبد المقتدر کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کی نگاہ قاضی پر پڑی تو فرمایا قاضی صاحب آپ سونا دفن کرنے کی فکر میں ہیں۔ علم کا بوجھ کہاں لے جاؤ گے۔

آپ اٹھائیس محرم سات سو اکانویں (۷۹۱ھ) ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار اپنے والد کی قبر کے ساتھ بنایا جو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے میں ہے۔ پاس ہی شیخ عبد الصمد جونپوری کی خانقاہ ہے۔

چون باکرام خداوندی وفضل لایزال
رفت از دار الفنا در خلد عالی مقتدر
صاحبِ مخدوم شد سال وصالش نیز عقل
گفت اولی مقتدر (۷۹۱ھ) فرمود والیِ مقتدر

۷۹۱ھ

معارج الولایت کے مصنّف نے قاضی عبد المقتدر قدس سرہٗ کی وفات کے متعلق دو روائتیں نقل کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شیخ موصوف بتاریخ چھبیس محرم الحرام ۷۹۱ھ کو فوت ہوئے۔ دوسری روایت میں سال وفات ۷۸۲ھ لکھی ہے

شیخ عبد المقتدر شیخ زمان
شد چو از دنیا بگلزار بہشت
گشت آخر سال وصل او عیاں
از خرد سرور و محبِ اہل چشت

۷۸۹ھ

شیخ علاؤ الدین علاء الحق بن اسعد لاہوری قدس سرہٗ: آپ شیخ سراج الدین رضی عثمان قدس سرہٗ

کے خلیفہ اعظم تھے۔ ابتدائی زندگی میں بہت خوشحال۔ دنیادار علما، وقت اور اکابر زمان کی حیثیت سے رہتے تھے مگر جب سلسلہ نظامیہ میں داخل ہوئے تو سب شان و شوکت چھوڑ کر صرف یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ جن دنوں حضرت شیخ سراج الدین رضی حضرت خواجہ محبوب الٰہی سے خرقۂ خلافت پاکر جدا ہونے لگے تو آپ نے آپ کی خدمت میں استدعا کی۔ کہ یہاں ایک عالم دین اور دانش ور منکرہ ہے۔ جس سے ہمیں تاب بحث و مناظرہ نہیں ہے مگر وہ عام طور پر مسائل دینیہ پر گفتگو کرنے آجاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ فکر نہ کرو۔ وہ ایک دن آپ کا مرید ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معارج الولایت کے مصنّف لکھتے ہیں کہ علاء الدین صحیح النسب قریشی تھے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ رضی سراج قدس سرہٗ کے یہاں آنے سے پہلے بڑے متکبرانہ انداز میں رہا کرتے تھے اور دولت و احتشام میں گزر کیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ بود و باش اور جاہ و جلال کی خبریں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کو پہنچیں۔ تو آپ نے غصے میں فرمایا کہ میرا پیر گنج شکر ہے اور وہ مصری کا خزانہ ہے۔ مگر تکبر کی بو تک نہیں یہ شخص اپنے آپ کو گنج شکر سے بھی اعلیٰ اور برتر خیال کرتا ہے۔ یا اللہ اس کی زبان کو لگام دے کہتے ہیں۔ یہ بات کہتے ہی علاء الدین کی زباں گنگ ہو گئی۔ لیکن جب سراج الدین رضی سے بیعت ہوئے تو زبان کھل گئی۔ اور پھر پے در پے زہد و تقویٰ سے بلند مقامات پر پہنچے کہتے ہیں۔ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ اپنی سلطنت کو خیرباد کہہ کر حضرت خضر علیہ السلام کی راہنمائی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو بہت سے مدارج حاصل کئے آپ کے فرزند اور سجادہ نشین نور الدین قطب عالم آپ کی توجہ سے قطب عالم بنے شیخ نصیر الدین مانک پوری آپ کے فیض سے ہی مقامات عالی کو پہنچے۔ وہ آپ کے

ہی مرید تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے انہیں ابدالوں میں بلند رتبہ کر دیا۔

اخبار الاخیار میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ جن دنوں شیخ علاء الدین حضرت شیخ سراج الدین انی قدس سرہ کی خدمت میں سرفراز ہوئے اور دنیاوی خواہشات اور مال و منال سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ تو وہ اپنے پیر و مرشد کے سفر میں ہم سفر رہتے۔ درویشوں کے لئے طعام پکا کر ساتھ ہوتا۔ یہ گرم گرم دیگچہ حضرت شیخ علاء الدین سر پر رکھ لیتے اور حضرت کے ساتھ ساتھ چلتے۔ اس دیگچے کی گرمی سے آپ کے سر کے بال جھڑ گئے تھے۔ حضرت شیخ انی اکثر اوقات ان مقامات سے بھی گزرتے جہاں شیخ علاء الدین کے رشتہ دار بڑی شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن آپ ننگے پاؤں اپنے شیخ کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے۔ مگر اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو اس شان و شوکت میں دیکھ کر حضرت علاء الدین پر کوئی دنیاوی تاثر نہ ہوتا اور آپ خوش خوش یہ خدمت سرانجام دیتے رہتے۔

ایک بار حضرت شیخ علاء الدین قدس سرہٗ کی خانقاہ پر چند قلندر آپہنچے۔ ان کے پاس ایک بلی تھی جو وہاں آکر گم ہو گئی اور کہیں چلی گئی۔ قلندروں نے حضرت کو کہا کہ آپ کی خانقاہ میں ہماری بلی گم ہو گئی ہے۔ اسے کہیں سے تلاش کر کے ہمیں دو۔ آپ نے فرمایا۔ میں کہاں سے تلاش کروں۔ ایک قلندر نے کہا "شاخ آہو" سے تلاش کرو۔ مگر ہمیں لا کر دو۔ آپ نے فرمایا تمہیں تو شاخ آہو (ہرن کے سینگ)، سے ہی سزا ملے گی اور قلندر آگے بڑھا اس نے بدزبانی شروع کر دی۔ اور کہنے لگا۔ ہماری بلی تو دینی پڑے گی۔ ہم اپنی بلی کہاں سے لائیں۔ کیا ہم اپنے خصیوں سے لائیں۔ آپ نے فرمایا ہاں تمہیں تو تمہارے خصیوں سے ہی ملے گی۔ جب قلندر خانقاہ سے روانہ ہوئے۔ تو سامنے سے ایک طاقتور بیل آرہا تھا۔ اور جس قلندر نے شاخ آہو سے بلّی لانے کو کہا تھا۔ اسے اپنے سینگوں پر اٹھایا اور زمین پر دے مارا اور ہلاک کر دیا۔ جس نے خصیوں سے بلی لانے کو کہا تھا۔ اس کے خصیے اس قدر سوج گئے۔ کہ وہ اسی وقت مر گیا۔ یہ دونوں

قلندر اپنی گستاخی کی سزا کو پہنچ گئے۔

شیخ علاء الدین قدس سرہٗ کی خانقاہ کا خرچ بہت زیادہ تھا۔ ہزاروں روپیہ روز لوگوں کے کھانے پر خرچ ہو جاتا تھا۔ جو مسافر۔ حاجت مند مقامی یا غیر مقامی آتا۔ اسے کھانا ملتا۔ جب یہ خبر بادشاہِ وقت کو ملی تو سخت حیران ہوا۔ کہ ایک درویش اس قدر خرچ کہاں سے کرتا ہے میری سلطنت کا سارا مال شیخ علاء الدین کے دو روزہ خرچ سے بھی کم ہے ایسے فضول خرچ آدمی کو شہر میں رکھنا اچھا نہیں۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شہر سے باہر سنارہ گاؤں میں سکونت کرلیں چنانچہ حضرت شیخ شہر چھوڑ کر دو سال تک موضع سنارہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ اور اپنے خادموں کو کہہ دیا کہ جس قدر ہمارا خرچ شہر میں ہوتا تھا۔ اس سے دوگنا شروع کر دو۔ تاکہ دنیا دار فقیروں کی زندگی پہ جلتے رہیں۔ ظاہری طور پہ شیخ کے پاس مال و دولت تو نہ تھا صرف والد کی میراث سے دو باغ ملے تھے۔ ان سے آٹھ ہزار روپیہ آتا تھا۔ یہ باغ بھی ایک سائل کو بخش دیئے لنگر پہ جس قدر صرف ہوتا تھا۔ وہ خزانۂ غیب سے آتا تھا۔

اخبار الاخیار شجرۂ چشتیہ۔ اور معارج الولایت کے مؤلفین نے آپ کی وفات یکم رجب ۸۰۰ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار پنڈوہ میں ہے۔

بفردوس معلّٰی شد علاء الدین جو از عالم
بروئیش زینت تازہ بگلزار جناں آمد
ولی رہبر علاء الحق والدین است تاریخش
دگر والی علاء الحق والملت عیاں آمد

۸۰۰ھ

مخدوم حسام الدین فتح پوری قدس سرہٗ آپ قاضی عبد المقتدر کے خلفا میں سے تھے عرفانی اوصاف سے موصوف

تھے۔ کشف و کرامت میں معروف تھے۔ صاحبِ معارج الولایت لکھتے ہیں کہ حسام الدین اولیائے تاجدار اولیائے باوقار میں مانے جاتے تھے۔ آپ نے اپنی خصوصی توجہ سے بے پناہ مخلوق کی راہنمائی فرمائی۔ آپ کے خلیفہ شیخ بڈھن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن سے ہی تربیت دی اور ظاہری و باطنی کمالات تک پہنچا دیا۔ کہتے ہیں کہ شیخ بڈھن ابھی چھ سال کی عمر میں تھے کہ آپ کے والد ماجد نے انہیں حضرت شیخ حسام الدین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور عرض کی حضور میرے کئی بچے بچپن میں ہی فوت ہو گئے ہیں۔ اس بچے کو میں آپ کی نگرانی میں دیتا ہوں تاکہ یہ طبعی عمر تک پہنچے۔ آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ یہ بہت بڑا پیر بنے گا۔ باپ نے پھر کہا۔ اگر اس بچے کو تھوڑا سا علم بھی عطا فرما دیا جائے تو میرا دل خوش ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ عالم متبحر ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ باپ نے عرض کیا۔ حضور علم معرفت الٰہیہ کے بغیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کے فضل سے عارف ربانی بھی ہو گا۔ اور عمر بھی لمبی ملے گی۔ چنانچہ حضرت شیخ حسام الدین نے جیسے فرمایا تھا۔ ویسے ہی ہوا۔

شیخ حسام الدین معارج الولایت کی روایت کے مطابق ۸۰۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔

شد بجنت چو زیں جہان فنا
شیخ دین جنتی حسام الدین
گفت سرور لبال رحلت او
شاہ مرد ولی حسام الدین

۸۰۰ھ

قاضی سادی چشتی قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے۔ وقت کے

نامور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ نہایت متقی اور متورع تھے۔ ہزاروں لوگ آپ کی توجہ سے ہدایت یافتہ ہوئے۔ خواجہ اختیار الدین عمر ایرچی قدس سرہٗ آپ کے خلیفہ تھے۔

شجرہ چشتیہ اور دوسرے تذکروں میں آپ کا سال وفات ۸۰۱ھ لکھا گیا ہے۔ معارج الولایت کے مؤلف نے ۷۸۹ھ تحریر کیا ہے۔ مگر ہماری تحقیق میں پہلا قول درست ہے اور ہم نے جتنی بھی کتابیں دیکھی ہیں۔ ان میں سال وصال ۸۰۱ھ ہی دیکھا ہے

قاضی سادی کہ مثلش مادرِ گیتی نزاد
شد چو از دار الفنا آں شیخ والا در عدم
کن بیان محبوب خالق سال وصل آں دگر
۷۸۹ھ
سالک مخدوم وہم مخدوم عالی کن رقم
۸۰۱ھ ۸۰۱ھ

شیخ سعد اللہ کیسہ دار بن شیخ متوکل قدس سرہٗ: آپ بھی شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ حضرت چراغ دہلوی کے علاوہ آپ کو اپنے والد ماجد شیخ متوکل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت حاصل تھی۔ نہایت پاک سیرت اور متقی بزرگ تھے۔ معارج الولایت کے مؤلف نے لکھا ہے کہ شیخ سعد اللہ کو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک کیسہ (تھیلی) عطا فرمائی تھی۔ جو ہر وقت درہم و دینار سے بھری رہتی تھی۔ شیخ کو جب ضرورت ہوتی اسی تھیلی سے نکالتے اور خرچ کرتے جاتے۔ مگر وہ کسی وقت بھی خالی نہ ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ شیخ سعد اللہ کیسہ دار مشہور ہوگئے۔ آپ کو حضرت

میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ السامی سے بھی خرقۂ خلافت ملا تھا۔

معارج الولایت نے آپ کا سال وصال ۸۰۶ھ لکھا ہے۔

شیخ سعد اللہ کیسہ وار پیر
شد چو از دنیائے دوں اندر جناں
ناصر دین کاشیف ۸۰۶ھ آمد رحلتش
ہم عیاں گردید تاج عارفاں

۸۰۶ھ

پیر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس اللہ باسرارہ السامی آپ خطۂ ہندوستان کے عظیم اولیاء اور نہایت متقی بزرگ تھے۔ آپ علاء الدین بنگالی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کو چاروں سلسلوں سے فیض ملا تھا۔ کیونکہ آپ کو وقت کے تمام پیران عظام کی صحبت میسر ہوئی تھی اور آپ نے ہر ایک سے روحانی تربیت پائی تھی۔ آپ کے والد ماجد سلطان ابراہیم سمنان کے بادشاہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد سید پیر جہانگیر سمنانی تخت نشین ہوئے۔ چند سال حکومت کی۔ پھر تارکِ تاج و تخت ہو گئے۔ اور فقراء کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔

معارج الولایت کے مؤلف نے لطائفِ اشرفی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سید اشرف جہانگیر مادر زاد ولی اللہ تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور ساتوں قرأت میں ماہر ہو گئے تھے چودہ سال کی عمر میں عقلی اور نقلی علوم سے فارغ ہو گئے۔ اسی سال آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا۔ اگرچہ آپ طبعاً اقتدارِ ملک کی طرف متوجہ نہ تھے۔ مگر امراء دربار کے اصرار پہ آپ تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوئے آپ امور سلطنت سے فارغ ہو کر حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہٗ

اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام آئے اور فرمایا۔ اگرچہ آپ کو امور سلطنت سے فراغت نہیں۔ مگر نقش اسم اللہ کے اجمالی معانی ذہن نشین کر لیں۔ اور اسم ذات کو دل کی زبان سے ادا کرتے رہا کریں۔ اور انفاس سے واقف ہونا چاہیئے آپ حضرت خضر علیہ السلام کے کہنے پر گامزن رہے تو آپ کو بے پناہ روحانی فوائد حاصل ہوئے پھر حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لائے اور آپ کو اذکار اویسیہ سے واقف کر دیا۔ آپ سات سال تک ان اذکار و وظائف میں مشغول رہے رمضان المبارک کی ستائیویں رات آپ نوافل ادا کر رہے تھے۔ اور ذکر میں بھی مشغول تھے۔ خضر علیہ السلام پھر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
دین خیال ست و محال ست جنوں

(آپ خدا بھی چاہتے ہیں۔ اور دنیائے دوں بھی۔ یہ خیال مشکل ہے اور ایک جنوں ہے) بیٹا یاد رکھو۔ طلب خداوندی اور دنیاوی معاملات یکجا نہیں ہو سکتے۔ اگر آپکو محبوب کی طلب ہے۔ تو امور سلطنت کو چھوڑنا ہو گا۔ اور جلدی سفر کر کے ہندوستان میں جا کر علاء الدین بنگالی کی خدمت میں حاضری دیں۔ تاکہ ان کی وساطت سے خدا تک پہنچ سکو۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ارشاد پر حضرت سید میر اشرف جہانگیر نے فوراً تاج و تخت کو چھوڑ دیا۔ اور سلطان محمود کو اپنا جانشین مقرر کر کے اپنی والدہ ماجدہ بی بی خدیجہ بیگم سے ہندوستان جانے کی اجازت لی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ بیٹا! ابھی تم پیدا نہیں ہوئے تھے۔ تو مجھے حضرت خواجہ احمد یسوی قدس سرہٗ نے بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسا بیٹا دے گا جس سے تمام دنیا روشن ہو جائے گی۔ الحمد للہ اب اس بشارت کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ میں اپنے حقوق

تمہیں بخشتی ہوں۔

حضرت میر جہانگیر تیئیس ۲۳ سال کی عمر میں سمنان سے ہندوستان روانہ ہوئے برصغیر میں سب سے پہلے آپ اوچہ شریف (پاکستان) میں پہنچے۔ اور حضرت مخدوم سید جہانیاں جہاں گشت جلال الدین سے ملاقات کی بڑی روحانی نعمتیں حاصل ہوئیں وہاں سے روانہ ہوئے اور دہلی پہنچے یہاں بزرگانِ چشت کی زیارتوں سے فیض حاصل کیا۔ دہلی سے مشرق کو روانہ ہو کر حضرت علاء الدین بنگالی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت علاء الدین کو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت میر جہانگیر سمنانی کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ اپنے اصحاب کو لے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ ملاقات کے بعد نہایت شفقت اور محبت سے اپنی بہیلی میں سوار کیا۔ اور اپنے ساتھ خانقاہ میں لے آئے اسی دن آپ کو بیعت فرمایا اور اپنا لباس پہننے کو دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے تکمیل سلوک کر لی اور آپ کو جہانگیر کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ خرقۂ خلافت دے کر جونپور کی ولایت پر مامور فرمایا گیا۔ آپ نے عرض کی حضور جونپور میں تو ایک شیر ببّر کی فرمانروائی ہے۔ میری وہاں کیا مجال ہوگی۔ شیر ببّر سے مراد حاجی چراغ ہند سہروردی خلیفہ حضرت رکن الدین ابوالفتح بنیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ نے جواب دیا۔ فکر نہ کرو تمہیں بھی ایک شیر کا بچہ دیں گے۔ جس سے پہلا شیر چلا جائے گا۔ پہلے جا کر ظفر آباد میں قیام کرنا۔

میر جہانگیر سمنانی اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق جونپور کو روانہ ہوئے۔ پہلے قصبہ محمد پور میں قیام فرمایا۔ آپ کے پاس اس علاقہ کے علماء و فضلا کی ایک جماعت ملنے آئی دوران گفتگو حضور سید الانبیاء کے چار صحابہ کبار کا ذکر چل پڑا حضرت میر جہانگیر نے چاروں صحابہ کی شان میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ آپ نے ان علماء کرام کے سامنے یہ رسالہ پڑھا۔ اس رسالہ میں تینوں صحابہ کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کے مناقب اور محامد قدرے زیادہ لکھے گئے تھے ۔حضرات علماء کرام نے اعتراض کیا اور حضرت کو رافضی کہا گیا۔ اگرچہ حضرت میر جہانگیر نے انہیں قائل کرنے کے لئے بڑی بحث کی اور بڑے دلائل دیئے۔ مگر ان علماء کی رائے تبدیل نہ کر سکے۔ دوسرے دن اور زیادہ علماء کرام جمع ہوئے تو یہ سلسلہ باقاعدہ مناظرہ اور مباحث کی صورت اختیار کر گیا۔ اور محضر نامہ لکھا حضرت میر جہانگیر کو مجمع عام میں مناظرہ کرنے پہ آمادہ کیا گیا ان دنوں ایک شخص سید خان زبردست عالم دین تھا جو جونپور کے تمام علاقہ میں علماءٔ کرام کا سربراہ مانا جاتا تھا۔ اس نے جمعرات کو سرکار دوجہاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ جہانگیر اشرف میرا جگر گوشہ ہے وہ ایسا نہیں ہے جیسا تم لوگ خیال کرتے ہو۔ اس کے مقابلہ میں نہ بحث و تمحیص کام آئے گی نہ دلائل۔ اگر خیریت چاہتے ہو۔ تو معذرت کر کے تائب ہو کر صاف دلی سے ان کے پاس حاضری دو۔ سید خان علی علی الصباح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قدم بوسی کی اور عرض کی حضور! علماء کے استفسار کا جواب میں دونگا آپ کو جواب دینے کی ضرورت نہیں نماز جمعہ کے بعد علماء کرام نے وہ محضر نامہ پیش کیا جس میں تینوں صحابہ کرام کو حضرت علی پر فضیلت ثابت کرنے کے لئے دلائل تھے۔ ابھی حضرت میر جہانگیر اشرف نے زبان نہ کھولی تھی کہ سیّد خان نے علماء کرام کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ آپ کا اعتراض میر جہانگیر پر صرف اتنا ہی ہے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت میں مبالغہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! سید خان نے کہا۔ یہ اعتراض اس شخص پہ کیا جا سکتا ہے جو سیّد نہ ہو۔ یہ اعتراض سیّد پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کی عزّت اور مراتب بیان نہیں کرتا تو اسے اسلام میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ اسے اپنے والدین کے اوصاف اور مناقب بیان کرنے سے نہیں روکا جا سکتا ہے علماء کرام

نے فرمایا۔ کہ اس نکتہ پر ہمیں کسی مجتہد کا قول چاہیئے یا کسی معتبر کتاب سے سند چاہیئے۔ سید خان نے جامع العلوم کی یہ عبارت پیش کی۔ اِلنّاس اَبنا الدّنیا لا یُلام الرجل علٰی البویہ دبمد۔ ہما دلوگ دنیا کے بیٹے ہیں کسی شخص کی اس بات پر ملامت نہ کرو کہ وہ اپنے والدین کی تعریف کرتا ہے) یہ روایت سن کر معترض خاموش ہو گئے۔ اور بحث و تکرار کو ختم کر کے مطمئن ہو گئے۔

حضرت میر اشرف جہانگیر نے جب دیکھا کہ علماء مطمئن ہو گئے ہیں تو تمام مخلصین کے لئے دعا خیر کی۔ سید خان جو ابھی تک بے اولاد تھا۔ چار بیٹوں کی بشارت دی جو عالم فاضل اور کامل فی العلم ہوں گے۔ اس کے باوجود جن معترفین نے دل میں کدورت رکھی وہ اپنی زندگی میں کئی مصائب میں مبتلا ہوئے۔

پروانہ ازاں سوخت کہ با شمع یا فتاد
باید سوختگاں ہر کہ درافتاد برافتاد

معارج الولایت میں لکھا ہے۔ کہ جن دنوں آپ ظفر آباد میں قیام فرما تھے چند بھانڈوں نے بعض معاندین اور حاسدین کے اکسانے پر ایک زندہ شخص کو کفن پہنا کر آپ کے پاس جنازے کی شکل میں اٹھایا۔ اور حضرت کے پاس لے گئے اور کہا۔ حضرت اس مردے کا جنازہ پڑھا دیں۔ آپ ان کے کہنے پر اپنے احباب سمیت اٹھے اور جنازہ گاہ میں پہنچ کر نماز جنازہ کی جماعت کرائی۔ بھانڈوں کا ارادہ تھا۔ کہ جب آپ جنازہ پڑھائیں گے تو مردہ اُٹھ کر بھاگ کھڑا ہو گا اور ہم حضرت کا مذاق اڑائیں گے۔ حضرت میر جہانگیر سمنانی کو نور باطن سے یہ ساری صورت حال معلوم تھی۔ آپ نے بار بار لوگوں کو کہا۔ کہ یہ جنازہ کسی اور سے پڑھوائیں۔ مگر انہوں نے اصرار کیا کہ نہیں آپ ہی پڑھائیں۔ آپ نے جنازہ کی قیادت فرمائی۔ ابھی آپ نے پہلی تکبیر کہی تھی کہ ملک الموت نے اس شریر جعلی مردے کی روح

قبض کر لی وہ نماز جنازہ مکمل ہونے تک نہ اٹھا۔ بھانڈ اور دوسرے لوگ اس کے سرہانے پر پہنچے دیکھا تو واقعی وہ مرا پڑا ہے۔ رونا دھونا شروع کیا اگرچہ انہوں نے بڑی معافی مانگی۔ معذرت کی مگر آپ نے کہا اب کوئی فائدہ نہیں۔ اس کرامت کی شہرت نے تمام علاقہ کے لوگوں کو آپ کا عقیدت مند بنا دیا۔

حضرت حاجی شیخ چراغ ہند قدس سرہٗ اس ولایت کے مالک تھے۔ پہلے پہلے تو آپ کو حضرت میر جہانگیر سمنانی کی یہ مقبولیت اور شہرت پسند نہ آئی۔ لیکن آپ کو اتنی ہمت نہ تھی کہ آپ کے خلاف اُٹھ کر کوئی ایسا کام کر سکیں۔ حضرت کو تکلیف پہنچا سکیں اسی اثنا میں ایک شخص کبیر سرہرپوری جو دربار کا بہت بڑا امیر تھا۔ ظاہری علوم کے حصول کے بعد سوچنے لگا۔ کہ میں کسی کا مرید نہ ہوں اور باطنی کمالات حاصل کروں ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک سرخ رنگ بزرگ نے اسے اپنا مرید بنا لیا ہے اس نے اپنے دل میں سوچا کہ اس شہر کا بزرگ تو حاجی شیخ ہیں۔ میں انہی کے پاس جاؤں۔ میں حاضر ہوا۔ مگر میں نے آپ کو دیکھا جو شکل وصورت مجھے خواب میں دکھائی گئی تھی وہ نہیں ہے۔ بہر حال میں کچھ دن آپ کی خدمت میں رہا۔ مگر انہوں نے مجھے بیعت نہ کیا کچھ دنوں بعد میں میر سید اشرف جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شکل وصورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب میں دکھائی تھی۔ میں اسی وقت آگے بڑھا اور بیعت ہو گیا۔

میرے بیعت ہونے کے بعد آپ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کبیر وہی شیر کا بچہ ہے جس کی طرف شیخ علاء الدین نے اشارہ فرمایا تھا۔ کبیر جیسے امیر و رئیس کی بیعت کی خبر سنی تو حضرت شیخ حاجی بڑے غضبناک ہوئے۔ جلال میں آ کر کہا کبیر جوانی میں ہی مر جائے گا۔ یہ بات سن کر حضرت میر اشرف جہانگیر نے فرمایا غم نہ کرو۔ تم پیر کبیر بنو گے۔ اور بوڑھے ہو کر وفات پاؤ گے۔ تم اپنا کام کرو

اور کسی کی پرواہ نہ کرو۔ پیر کبیر نے کہا۔ پہلے حاجی شیخ مر جائیے۔ پھر شیخ کبیر کو موت آئے۔ چونکہ یہ تینوں ارشادات اولیاء اللہ کی زبان سے نکلے تھے۔ اللہ نے پورے کر دیئے۔ شیخ کبیر پچیس سال کی عمر میں بوڑھے دکھائی دینے لگے۔ آپ کے بال سفید ہو گئے۔ شیخ حاجی چراغ شیخ کبیر کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے ان کے پانچ سال بعد شیخ کبیر بھی فوت ہو گئے۔

شجرہ چشتیہ میں لکھا ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر جونپور کی سیر کرنے کے بعد کچھوچھہ شریف تشریف لے گئے ان دنوں وہاں ایک کامل جوگی رہتا تھا۔ اس جوگی کے پانچ سو چیلے ہر وقت فضا میں پرواز کرتے رہتے تھے۔ حضرت کو اس جوگی سے واسطہ پڑا۔ جوگی نے کئی قسم کے استدراج۔ شعبدے اور حیلے گئے۔ مگر حضرت پیر میر جہانگیر اشرف ہر وار سے بچ جاتے۔ آخر تنگ آ کر جوگی نے اپنی شکست مان لی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے تمام چیلوں کو لے کر آپ کا مرید ہو گیا حضرت جہانگیر نے جوگی کی قیام گاہ پر ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔ خاص حجرہ بنوایا اور ایک فرحت بخش باغ کی بنیاد رکھی۔ جسے روح آباد کے نام سے مشہور کیا۔ وہاں سے شیخ بدیع الدین مدار کو ساتھ لے کر حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے فارغ ہوئے تو شیخ بدیع الدین تو واپس ہندوستان آ گئے مگر میر اشرف جہانگیر مدینہ منورہ سے نجف اشرف کو روانہ ہوئے اور وہاں سے بغداد شریف اور کربلا معلی پہنچے۔ وہاں سے روم پہنچے جہاں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین اور بیٹے سلطان دارا اور دوسرے مشائخ وقت کی زیارت کرتے ہوئے شام کو چلے آئے۔ دمشق میں حضرت فخر الدین عراقی کی زیارت کی دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچے اور حج ادا کر کے بغداد آئے حضرت غوث الاعظم امام ابو حنیفہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی زیارات پر حاضری دے کر کاشان جا پہنچے۔ شیخ

عبدالرزاق کاشانی رضی اللہ علیہ کی زیارت کی وہاں سے سمنان آئے۔ ان دنوں آپ کی ہمشیرہ ابھی زندہ تھیں۔ ان کے پاس کچھ عرصہ رہ کر اس کی دلدہی کی۔ پھر وہاں سے اجازت لے کر مشہد مقدس پہنچے۔ امام علی رضا کے کاشانہ پر معتکف ہوئے انہی دنوں امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضا کے مزار پُر انوار کی زیارت کو آیا ہوا تھا وہ حضرت میر جہانگیر اشرف کا معتقد تھا۔ خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا۔

آپ مشہد سے روانہ ہو کر ہرات آئے اور ماوراءالنہر سے ہوتے ہوئے بخارا کے پاس حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی زیارت گاہ پر حاضری دی ایک عرصہ تک وہاں قیام پذیر رہے۔ وہاں سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا اور سلوک نقشبندیہ کے مناصب حاصل کئے وہاں سے چل کر ترکستان پہنچے۔ اور حضرت خواجہ احمد لیسوی کے بیٹوں کی زیارت کی وہاں سے قندھار۔ غزنین۔ کابل اور بخارا سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے۔ ملتان سے چل کر پاک پٹن آئے۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کے مزار کی زیارت کی۔ وہاں سے دہلی پہنچے۔ دہلی سے اجمیر شریف پہنچے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے روضہ پر انوار سے ایک عرصہ تک فیضان حاصل کئے۔

اجمیر شریف سے روانہ ہو کر دکن میں حضرت سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی وہاں سے سراندیپ (سری لنکا) جا نکلے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد گجرات کاٹھیاواڑ کے راستے سے ہندوستان آئے اور ارادہ کر لیا کہ اب عالم اسلام کے بزرگان دین کی زیارت کے بعد سارے برصغیر کے مشائخ کی زیارت سے مستفیض ہونا چاہیئے۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد کبیر اور سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کے ساتھ دنیا کی سیر کو روانہ ہوئے۔ اپنے پیر و مرشد علاء الدین منور کی خدمت میں بنگال میں حاضر مجالس رہے۔ حضرات چشت کے تبرکات حاصل کئے۔ حضرت میر علی ہمدانی کے

ساتھ سفر طی الارض کے انداز میں کیا گیا۔ کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے اس سفر میں ایک سو نو پیران عظام سے باطنی فیضان حاصل کیا تھا۔ تیسری بار اوچ شریف پہنچے تو مخدوم سید جلال الدین مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ سے بڑا فیض پایا۔ حضرت مخدوم جہانیاں آج تک چار سو سے زیادہ مشائخ سے فیض پا چکے تھے۔ اس فیض سے حضرت میر جہانگیر اشرف کو پورا پورا حصہ دیا گیا۔ اس روحانی سیر کے بعد آپ اپنے مسکن پر آکر قیام فرما ہوئے۔

ایک دن حضرت پیر میر جہانگیر اشرف قدس سرہٗ روح آباد میں تشریف فرما تھے۔ بہت سے بزرگان وقت بھی مجلس میں موجود تھے۔ ایک قلندر علی نامی اپنے پانچ سو قلندر ساتھیوں کو لئے ہوئے آیا اور آپ کی مجلس میں آ پہنچا اور لاطائل اور بے معنی گفتگو شروع کر دی۔ پوچھنے لگا۔ آپ نے جہانگیر کا خطاب کہاں سے پایا ہے؟ فرمایا۔ اپنے پیر و مرشد قلندر سے پوچھا۔ آپ کی جہانگیری کی تصدیق کیا ہے اور مجھے کس طرح یقین آئے کہ آپ جہانگیر پیر ہیں قلندر کی یہ بات سنتے ہی آپ کے چہرے پر جلال کے آثار نمایاں ہوئے فرمایا۔ میں صرف جہانگیر ہی نہیں جان گیر (جان لینے والا) بھی ہوں۔ یہ بات سنتے ہی قلندر لڑکھڑایا۔ اور وہیں ڈھیر ہو گیا مجلس میں شور مچ گیا۔ قلندر کے تمام مرید اور ہمراہی آپ کے قدموں پر گر پڑے اور مرید ہو گئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جہانگیر اشرف قدس سرہٗ کو جوگیوں کے ایک بت خانے میں اسلام کی حقانیت پر مناظرہ کرنا پڑا ان لوگوں نے آپ کی ولایت کی یکی دلیل (برہان قاطع) طلب کی۔ آپ نے بتوں میں سے ایک پتھر کی مورتی کو اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔ وہ اسی وقت آپ کے قدموں میں آ گری اور حضرت کی ولایت کی تصدیق کا اعلان کرنے لگی اس کرامت کو دیکھ کر

کئی ہزار ہندو مسلمان ہو گئے۔

معارج الولایت میں ایک اور واقع لکھا ہے کہ حضرت جہانگیر اشرف کی زندگی سے لے کر آخر تک آپ کے باغ میں کوئی جانور بیٹھ نہیں کرتا۔ آپ کے روضے سے متصل حوض کا پانی آج تک مکدّر (گدلا) نہیں ہوا۔ آسیب زدہ مرید آپ کے روضہ پر نظر پڑتے ہی صحت یاب ہو جاتا ہے آپ کا اسم گرامی پڑھ کر آسیب زدہ پر دم کریں تو آسیب بھاگ جاتا ہے۔

آپ کے وصال کا واقعہ کتابوں میں یوں درج ہے کہ حضرت سید جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے محرم الحرام کی ستائیسویں تاریخ کو اپنے وقت کے چیدہ چیدہ مشائخ کو جمع کیا۔ ان سے ملاقات کی اور ایک ایک کو الوداع کہا۔ اپنے دینی بیٹے عبدالرزاق کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور اپنا جانشین قرار دیا۔ نماز ظہر کے بعد قوالوں کو بلا کر مجلس سماع منعقد کرائی۔ قوال سعدی شیرازی کا یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

گر بدست تو آمدست اَجلم
قَدْ رَضینا بِمَا جَرٰی قلمُ

(اگر آپ کے ہاتھ سے میری موت آئی ہے تو ہم نوشتہ قلم پر راضی ہیں)

یہ شعر سن کر آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ اور بے ہوشی طاری ہو گئی آپ اس قدر تڑپے کہ حد و حساب سے باہر تھا۔ ایک لمحہ تسکین ملی تو قوالوں نے یہ شعر شروع کیا۔

خوب تر زیں دگر چہ باشد کار
یار خنداں آمد بجانب یار

(اس سے بڑھ کر اچھا کام کیا ہو گا۔ کہ یار ہنستے ہوئے یار کے قدموں میں جا گرے)

سیرہیند جمال جاناں را
جاں سپارو نگار خنداں را

(اپنے محبوب کے حسن و جمال کو جی بھر کر دیکھ لے۔ پھر مسکراتے ہوئے محبوب کو جان قربان کر دے۔)

یہ اشعار سنتے ہی آپ کے دل میں آگ لگ گئی۔ سینہ دھڑکنے لگا مستی و شوق سے مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ ماہی بے آب کی طرح زمین پہ لوٹنے لگے آخر ایک آہ نکالی اور جان جان ستاں کے سپرد کر دی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت میر جہانگیر اشرف قدس سرہٗ کی وفات ستائیسویں ماہ محرم الحرام ۸۰۸ھ کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی۔ روح آباد میں جو باغ آپ نے تعمیر کیا تھا۔ اس میں دفن کئے گئے۔ حضرت نے بہت سی قابلِ قدر تصانیف یادگار زمانہ چھوڑیں۔ بشارت المریدین اور مکتوبات بہت مشہور ہیں آپ کے حالات پر لطائف اشرفی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

چو رفت از عالم دنیا بجنت
جناب میر اشرف شیخ حق پیر
بسال انتقال آں شہِ دین
عیاں شد راہ بر قطب جہانگیر

امام مومناں میر جہانگیر + مکمل عارف والا جہانگیر (بہ تکرار)

۸۰۸ھ ۸۰۸ھ

واصل کامل شریف + ولی ہند میر جنت + سید شریف سعید

۸۰۸ھ ۸۰۸ھ ۸۰۸ھ

واحد اشرف مقبول + سید محمود دلی شریف

۸۰۸ھ ۸۰۸ھ

تاج ابرار + رہبر کشاف

۸۰۸ھ ۸۰۸ھ

سیّد اختیار الدین عمر ایرجی قدس سرہٗ:- آپ قاضی سادی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مرید تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد ایرج سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر آپ اللہ کی محبت میں دنیا سے دست بردار ہو گئے۔ تارک الدنیا ہو کر پہلے تو ظاہری علوم میں مہارت حاصل کی پھر باطنی سعادت کے لئے تگ و دو کرنے لگے۔ قاضی محمد سادی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی توجہ سے ولی کامل ہو گئے۔ خرقۂ خلافت ملا تکمیل کو پہنچے معارج الولایت کے مؤلف نے آپ کا سن وصال ۸۰۹ھ لکھا ہے۔

چو رفت از فنا سوئے دار البقا
عمر پیشوا راہنمائے یقین
بگو سال وے قدوۂ دستگیر
۸۰۹ھ
بفرما عمر پیشوائے یقین

۸۰۹ھ

مولانا خواجگی قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص تھے۔ مولانا معین الدین عمرانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور حضرت قاضی شہاب الدین کے استاد مکرم تھے۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں۔ جن دنوں حضرت مولانا خواجگی دہلی میں زیر تعلیم تھے۔ اور حضرت مولانا معین الدین کے سامنے زانوائے ادب طے کئے ہوئے

تھے ساتھ ساتھ ہی شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی رموز سیکھا کرتے تھے۔ مولانا معین الدین کو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے پاس ان کا جانا اور تصوّف کے رموز حاصل کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ آپ انہیں وہاں جانے سے منع بھی کیا کرتے تھے۔ مگر مولانا خواجگی کو دونوں سے عقیدت و محبت تھی وہ ان دونوں بزرگوں کی قلبی پرکاش کی وجہ سے ایک گونہ عذاب میں تھے ایک دفعہ مولانا معین الدین کو ضیق النفس اور قے کا شدید حملہ ہوا۔ اطباء نے جواب دے دیا مولانا بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ مولانا خواجگی نے اپنے استاد مکرم کی خدمت میں نہایت درد سے عرض کی حضور اب اطباء آپ کے علاج سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اور عزیز و اقارب بھی آپ کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس ناامیدی کے عالم میں اگر آپ اجازت دیں تو اللہ سے التجا کی جائے اور کسی مرد خدا سے استدعا کی جائے۔ ان دنوں دہلی شہر میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی مستجاب الدعوات ہیں اگر آپ ایک بار ان کے پاس تشریف لے جائیں اور استدعا فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ ان کی نگاہ کیمیا اثر سے کامل شفا مل جائے گی یہ بات سن کر اگرچہ مولانا کا دل تو نہیں چاہتا تھا۔ مگر مرض کی شدت اور لاعلاج ہونے کی وجہ سے راضی ہو گئے اور حضرت شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو گئے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو مولانا کی بیماری کے علم میں آنے کی اطلاع ملی۔ تو گھر سے اٹھے اور آپ کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اپنی خانقاہ میں لے جا کر بڑے اعزاز سے بٹھایا۔ ہر قسم کے کھانے دستر خوان پر سجا دیئے۔ اور سادہ چاولوں کا ایک طشت سامنے لا رکھا۔ پھر دہی کا ایک پیالہ جو بظاہر دمہ کی مرض والوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ پیش کیا اور فرمایا حضرت

مولانا بسم اللہ کیجئے اور کھائیے مولانا نے طوعاً و کرہاً چند لقمے اٹھائے اور منہ میں ڈالے۔ دستر خوان سمیٹا گیا تو مولانا کا دمہ اور کھانسی زور دل پر ہو گئی حتیٰ کہ آپ نے وہاں قے کر دی۔ اسی وقت طشت لاکر رکھا گیا۔ اور مولانا کے سینے سے بلغم اور سفر اتمام و کمال باہر نکل آیا۔ اسی وقت آپ کا سینہ ہلکا ہو گیا اور آپ کو صحت کاملہ ہو گئی آپ صحیح البدن گھر گئے۔ اور دوسرے دن سے صحت مند ہو گئے اس دن سے مولانا معین الدین حضرت شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ کے معتقد اور عقیدت مند ہو گئے۔

مولانا خواجگی نے نور باطن سے امیر تیمور کے دہلی پر حملہ کی خبر پائی۔ تو آپ کالپی میں تشریف لے گئے کچھ عرصہ وہاں ہی قیام فرما ہوئے۔ آخر کار ۸۱۹ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار کالپی میں زیارت گاہ خلق ہے

جو اجگی چوں رفت زیں دار فنا
سال وصل آں ولی متقی
خواجہ صدیق دل فرمود نیز
خواجگی نامی ولی ایزدی ۸۰۹ھ

۸۰۹ھ

شیخ احمد تھانیسری قدس سرہٗ:

آپ بھی حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ برحق تھے اگرچہ آپ کے اور حضرت مولانا جو اجگی کے درمیان محبت اور الفت تھی۔ مگر آپ نے دہلی چھوڑنے میں مولانا خواجگی سے موافقت نہ کی حتیٰ کہ امیر تیمور کی فوجیں دہلی پر حملہ آور ہو گئیں اور دہلی اور اس کے مضافات کو تاخت و تاراج کر دیا۔ مولانا احمد اور آپ کے رشتہ دار گرفتار کر لئے گئے۔ تاخت و تاراج ختم ہوا

تو آپ کو امیر تیمور کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ کے اور شیخ الاسلام جو حضرت مولانا برہان الدین غیتانی صاحب ہدایہ کے درمیان مجلس میں ہی سخت گفتگو شروع ہو گئی۔ امیر تیمور نے کہا کہ مولانا برہان الدین صاحب ہدایہ تھے اور ان کے پوتے کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دربار میں آپ سے اعلیٰ جگہ پر بیٹھیں۔ مولانا احمد نے فرمایا کہ برہان الدین نے تو ہدایہ لکھتے وقت فلاں فلاں مقام پر غلطی کی ہے۔ عزت تو علم سے ہوتی ہے۔ کتاب سے تو نہیں ہوتی۔ شیخ الاسلام نے جواب دیا کہ وہ جگہ دکھائی جائے جہاں صاحب ہدایہ نے غلطی کی تھی۔ مولانا احمد نے اپنے شاگردوں اور بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ صاحب ہدایہ کی غلطیاں بیان کریں۔ امیر تیمور نے صاحب ہدایہ کے احترام اور شیخ الاسلام کے مقام کی وجہ سے بات کا رُخ موڑ دیا۔ اور کہا کہ یہ موضوع کسی اور مجلس میں اٹھایا جائے۔ مگر پھر یہ بات کسی موقعہ پر نہ ہو سکی۔

مولانا احمد تو دہلی سے نکل کر کالپی کو روانہ ہو گئے۔ اور وہاں ہی رہے۔ مگر حضرت مولانا خواجگی کے ساتھ جو دوستانہ مراسم تھے انہیں قائم رکھا۔ آپ وہاں ہی ۸۲۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک بھی کالپی میں ہی ہے۔ وہ محل اجابت بھی ہے۔ اور مقام برکات وحسنات بھی یہ بات بڑی مشہور ہے کہ آپ کے مزار پاک پر جو شخص صدق دل سے چالیس دن متواتر حاضری دے گا۔ اپنی مراد پائے گا۔ آپ کے سالانہ عرس پر بے پناہ ہجوم ہوتا ہے جن لوگوں کو آپ سے روحانی نسبت یا عقیدت ہے وہ دور دراز راستوں سے چل کر پہنچتے ہیں۔

شیخ دین احمد چو از فضل خدا
رفت از دنیا بجنات النعیم
ہست مخدوم مکمل رحلتش
نیز احمد متقی عابد سلیم

شیخ فتح اللہ اودھی قدس سرہٗ:- آپ شیخ صدرالدین حکیم کے مخلص دوستوں اور مشہور خلفاء میں سے تھے۔ ابتدائی زندگی میں دہلی کے مشہور علماء میں شمار ہوتے تھے اور دہلی کی جامع مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ مگر جب جذب حقیقی نے اثر کیا تو شیخ صدرالدین حکیم قدس سرہ الحکیم کے مرید ہو گئے ریاضت اور مجاہدہ اختیار کر لیا فقر و فاقہ اور محنت کے باوجود کام نہ بنا تو اپنے مرشد مکرم کے سامنے شکایت کی آپ نے فرمایا۔ تم کتابیں پڑھنا پڑھانا چھوڑ دو۔ جو کتابیں تمہاری ملکیت میں ہیں انہیں لے آؤ آپ نے ایسا ہی کیا۔ مگر چند نادر اور لطیف کتابیں اپنے گھر میں رکھ لیں۔ اس کے باوجود بھی آپ کے دل پر عرفان خداوندی کے دروازے نہ کھل سکے۔ آخر کار شام کی تمام کتابیں جمع کر کے دریا کے کنارے بیٹھ گئے اور کتابوں کو دریا برد کرنے لگے۔ ساتھ ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو کے دریا بہہ رہے تھے۔ اس حالت میں آپ کے دل کی تختی ماسوای اللہ کے نقش سے پاک ہو گئی۔ اور صفحہ باطن پر رب المعبود کا نقش مرتسم ہو گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں کاملین وقت میں ہو گئے۔ ہزاروں طالبان حق آپ کی خانقاہ میں جمع ہونے لگے۔ چنانچہ قاسم دہلوی جیسے آپ کے خلیفہ بنے۔ شیخ محمد عیسٰی تاج جونپوری آپ کے مرید بن گئے۔ شاہ عاشقان جناب موسٰی آپ کی خلافت سے مشرف ہوئے۔ شیخ حاجی چراغ ہند قدس سرہٗ ظفر آبادی جیسے مشاہیر سلسلہ طریقت میں آئے۔ شیخ جمال گوجر۔ شیخ مظفر بلخی کے خلیفہ تھے حضرت شیخ فتح اللہ کے معاصر تھے۔ آپ کے مرید باصفا بنے۔

آپ کی وفات ۸۲۱ھ میں ہوئی۔

جناب شیخ فتح اللہ مقبول
چو حق بکشود بر وے جتنی باب
بگو وصلش امام اولیا خاص
بفرما نور دین فتاح ابواب
۸۲۱ھ

۸۲۱ھ

شیخ عین الدین قتّال قدس سرہٗ المتعال:- آپ شیخ سعد اللہ کیسہ دار قدس سرہٗ کے مرید بھی تھے اور فرزند بھی والد مکرم کے علاوہ سید امیر ماہ بہرائچی کے بھی مرید تھے اور ایک عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے اس دوراں بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے اس طرح کمالات ظاہری اور باطنی حاصل کئے۔ وہاں سے رخصت لے کر کنتور میں متوطن ہو گئے اور طریقہ ملامتیہ اختیار کر لیا۔ سر عام شراب نوشی کرتے بھنگ کو استعمال میں لاتے علماء شہر نے آپ کے اس رویہ کی شکایت آپ کے والد مکرم سے کی۔ شیخ سعد اللہ نے آپ کو ان حرکات سے روکنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر جس طرف سے پانی لایا جاتا۔ یا وضو کے لئے بھی مہیا کیا جاتا۔ تو آپ کا ہاتھ لگتے ہی شراب میں تبدیل ہو جاتا۔ پھر شیخ سعد اللہ نے کہا کہ میرے سامنے کنویں سے پانی نکال کر لاؤ۔ جب کنویں سے پانی لا کر پیش کیا گیا تو یہ بھی شراب بنا ہوا تھا پھر دریا سے پانی منگوایا گیا۔ مگر وہ بھی آپ کا ہاتھ لگتے ہی شراب ہو گیا۔ جب یہ صورت حال دیکھی تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

حضرت شیخ سعد اللہ کا وقت رحلت آیا تو آپ کا بڑا بیٹا سیّد معین الدین موجود تھا۔ آپ نے اسے بلایا مگر پتہ چلا وہ کہیں گیا ہوا ہے۔ فرمایا۔ اس شرابی۔ فاسق فاجر اور بدعتی عین الدین کو ہی بلا لاؤ۔ عین الدین اس وقت شراب خانہ میں بیٹھے

تھے۔ جب والد کی طرف سے آنے والے آدمی کو آتے دیکھا۔ تو ساقی کو کہنے لگے ایک آخری پیالہ پلا دو۔ اب ہم پر شراب بند ہونے والی ہے۔ ساقی نے پیالہ بھر کر دیا۔ آپ نے پی کر شراب کی صراحی زمین پر دے ماری اور اسے توڑ کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت شیخ سعد اللہ نے خرقہ خلافت اور دوسرے تبرکات ان کے حوالے کئے۔ اور خود داعی اجل کو لبیک کہا۔ عین الدین والد کے مرنے کے بعد سجادہ مشیخیت پر مسند نشین ہو گئے۔ پابندی شریعت کرنے لگے اور اتنے متقی و پرہیز گار بنے کہ اس سے بڑھ کر تصور نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ عین الدین کا سال وصال ۸۲۲ھ ہے۔ آپ کا مزار کنتور میں ہے۔

چو عین الدین ولی ہادی قتال
ز دنیا سوئے جنت گشت پدرور
عیاں شد طرفہ سال انتقالش
ز نور العین عین الدین مسعود

۸۲۲ھ

میر سید محمد گیسو دراز بن سید یوسف چشتی دہلوی قدس سرہٗ: آپ حضرت خواجہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے۔ وقت کے اولیائے حق اور مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ سیادت۔ نجابت۔ کرامت میں جامع تھے آپ اولیائے چشت اہل بہشت میں ایک خاص مشرب (طریقت) کے مالک تھے۔ اسرار حقیقت اور طریقت میں بے مثال تھے۔ معرفت میں اسرار و رموز کے ماہر مانے جاتے تھے۔ ابتدائی زندگی دہلی میں گزاری مگر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے وصال کے بعد دکن چلے گئے وہاں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور

اس ملک کے خورد و کلاں آپ کے مرید بننے لگے۔ ہزاروں لوگ آپ کی مجالس کے اثر سے خدا رسیدہ بن گئے۔ آپ کا سلسلہ آج تک دکن میں رائج ہے۔ حضرت سیّد محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کی شہرت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ایک دن وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اپنے پیر و مرشد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی پالکی اٹھائے دہلی کے پر رونق بازار سے گزر رہے تھے۔ آپ کے سر کے لمبے لمبے بال لٹک کر پالکی کے نیچے پھنس گئے۔ آپ ادب و احترام کے پیش نظر ان بالوں کو نکالنے کی بجائے پالکی کے ساتھ ساتھ دوڑتے رہے۔ اور ایک لمبا فاصلہ چلتے گئے۔ حضرت شیخ چراغ دہلوی کو آپ کی اس کیفیت کا علم ہوا تو آپ نہایت خوش ہوئے اور حضرت گیسو دراز کی اس جانثاری اور ادب پر یہ شعر کہا۔

ہر کو مرید سیّد گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد[۱]

آپ کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ محمد نامی تھا۔ جس نے آپ کی مجالس کی گفتگو پر مشتمل ایک کتاب (ملفوظات) ترتیب دی اور اس کا نام جوامع الکلیم رکھا۔ یہ کتاب بڑی پسند اور مقبول ہوئی۔ اور چشتیہ مشائخ اسے اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے۔

معارج الولایت کے مؤلف نے لکھا ہے کہ سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ ۷۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ اس طرح آپ کی عمر ایک سو پانچ سال تھی جب آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی وفات فیروز شاہ بن غیاث الدین بن

ع۱:۔ جو شخص حضرت گیسو دراز کا مرید ہوگا۔ مجھے خدا کی قسم ہے وہ زندگی میں عشق باز ہوگا۔

محمد شاہ بن سلطان علاؤالدین بہمنی کے عہد اقتدار میں ہوئی۔ آپ کا مزار پر انوار دکن میں کلبر کے مقام پر ہے۔

اشرف الاولاد آل مرتضیٰ
شیخ دین سید محمد پیشوا،
ہادی محبوب آل بو تراب ۷۲۰ھ
کن رقم تولید آں شاہ ہدا
زیب تاج عارفاں وصلش بخواں
ہم رقم کن بادشاہ اتقیاء ۸۲۵ھ

۸۲۵ھ

حضرت سید محمد گیسو دراز اپنی وفات سے ایک سال پہلے بھی سترہ جمادی الاول آٹھ سو چوبیس میں سید خضر خان بن ملک سلیمان جو دہلی کے بادشاہ تھے سات سال دو مہینے اور دو دن حکومت کرنے کے بعد دہلی میں فوت ہوئے اور دریائے جمنا کے کنارے بمقام گٹی خضر میں دفن ہوئے۔ یہ بادشاہ خاندان سادات خضر خانیا کی سلطنت کا بانی تھا۔ اس کے مختصر حالات یہ ہیں کہ خضر خان ناصر الدین محمود شاہ تغلق کے زمانہ اقتدار میں ملتان کا گورنر تھا۔ جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے تیمور بادشاہ کی بڑی خدمت کی اور بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ امیر تیمور واپس جانے لگا تو تمام مقبوضہ علاقے خضر خان کے حوالے کر دے گا۔ مگر گجرات اور مالوہ کی حکومت فیروز شاہ بلیجی کو دے گیا۔ چنانچہ شاہ رخ مرزا جو امیر تیمور کا بیٹا تھا۔ کے زمانے تک یہ حکومتیں قائم رہیں۔ اور سکہ اور خطبہ تیمور اور شاہ رخ کا ہی چلتا رہا۔ یہ بادشاہ سخاوت اور بہادری میں بڑا مشہور تھا اور اپنی رعایا کے آرام کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اُس کے زمانے میں سارا ہندوستان بڑا خوشحال رہا۔ عام لوگوں کے دل بادشاہ

کی محبت سے پڑے تھے۔ اس کی وفات کے بعد معز الدین۔ ابوالفتح۔ مبارک شاہ تخت نشین ہوا۔

شیخ محمد متوکل کنتوری قدس سرہٗ آپ بھی شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کے والد ہرات کے علاقے سے ہندوستان میں آئے اور قصبہ اجوّلی میں قیام کیا۔ اور آپ کو شیخ نصیر الدین سے خرقۂ خلافت ملا

ایک دفعہ آپ بھرا بیچ میں اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حجرے کو چٹخنی لگا کر بند رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اچانک دیکھا کہ ایک جوگی اپنے تمام بدن پر خاکستر ملے ہوئے حجرے کے کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت شیخ نے یونہی نظر ڈالی معلوم کیا کہ یہ جوگی اپنے تصرّف سے میرے حجرے میں آبیٹھا ہے۔ آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اللہ، اللہ کرنے میں مشہور رہے۔ آخر جوگی اٹھا اور سلام عرض کیا۔ شیخ نے سلام کا جواب دیا جوگی نے آگے بڑھ کر آپ سے مصافحہ کیا اور حضرت شیخ سے باتیں کرنا شروع کیں۔ حضرت شیخ اپنے حجرے میں جس طرف نگاہ ڈالتے ہر طرف ہر چیز سونے کی دکھائی دیتی تھی۔ مگر شیخ نے کسی چیز کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جوگی نے سمجھا کہ شیخ بے پرواہ سا آدمی ہے۔ آگے بڑھا شیخ کے قدم چومے اور کہنے لگا میں تو صرف آپ کو آزما رہا تھا۔ یہ کہہ کر کلمہ پڑھا مسلمان ہوا اور شیخ کا مرید ہو گیا۔ ایک دن شیخ نے جوگی کو کہا اب وہی کام کرو جوگی نے بڑا زور لگایا مگر کوئی چیز سونے کی نہ بن سکی۔

ایک بار عزیز نامی ایک آدمی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے علم کیمیا آتا ہے اگر آپ کہیں تو میں آپ کو سکھا دوں لیکن حضرت شیخ نے انکار کر دیا وہ کہنے لگا میرے پاس تھوڑا سا اکسیر موجود ہے۔ یہ رکھ لیں۔ اس سے ایک ذرہ ایک من لوہے پر پھینکیں تو وہ سونا بن جائے گا۔ شیخ نے اپنے بھانجے

علاؤالدین کو بلایا اور کہا کہ اس شخص کو دھکے دے کر گاؤں سے نکال دو۔

آپ کی وفات ۸۲۷ھ ہجری میں ہوئی اور آپ کی عمر سو سال سے بھی زیادہ تھی۔

چون محمد شیخ متوکل امین
رفت از دنیا بفردوس برین
گفت سرور سال نقل آنجناب
مرشد کامل محمد اہل دین

شیخ یوسف بدہ ایرچی قدس سرہٗ:۔ آپ شیخ اختیار الدین عمر ایرچی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین اُچ شریف اور شیخ صدر الدین راجن قتال سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ اگرچہ یہ دونوں بزرگ سلسلۂ سہروردیا کے عظیم مشائخ میں سے تھے۔ اِس طرح شیخ یوسف کو سہروردی اور چشتی دونوں سلسلوں سے فیض ملا تھا۔

معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ شیخ یوسف ایرچی کے آباؤ اجداد خوارزم کے علاقے سے ہندوستان کے علاقے سے آئے اور یہاں ایرچ کے قصبے میں سکونت پذیر ہو گئے اللہ تعالیٰ نے شیخ یوسف کو اولیاء اللہ کی محبت سے بڑا فیض بخشا۔ بڑے بلند مقامات پر پہنچے اور بڑے صاحب کرامت بزرگ ہوئے۔ آپ مریدوں کی تربیت میں بڑے ہی مصروف رہتے حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب منہاج عابدین کا فارسی میں بڑا اچھا ترجمہ کیا۔ مخدوم محمد شیخ سارنگ آپ کے ہی خلیفہ اعظم تھے۔ آپ نے حضرت شیخ یوسف سے فتوحاتِ مکیہ پڑھی۔ تاریخ محمدی کے مصنف بھی آپ کے مرید تھے اس کتاب میں شیخ یوسف رحمۃ اللہ کی بہت سی کرامات درج ہیں۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ شیخ یوسف ۸۳۴ ہجری میں فوت ہوئے اس وقت نعت خوان نعت سنا رہے تھے آپ کو اپنے خانقاہ کے صحن میں دفن کیا۔ مالوہ کے بادشاہ نے آپ کے مزار پر بڑا عالی شان گنبد تعمیر کروایا۔

یوسفِ دین نبیِ شیخ زمان
رفت از دنیا چو در باغ جناں
گفت سرور سال نقل آنجناب
یوسفِ ثانی، محبوب جہاں
۸۳۴ھ

شیخ احمد عبدالحق رودلی قدس سرہٗ:۔ آپ اہل طریقت کے اُستاد اور ارباب حقیقت کے قبلہ تھے۔ معرفت کی رموز کے واقف اور حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کے خلیفہ اعظم تھے بچپن سے ہی اللہ کی محبت اور عشق سے سینہ سرشار تھا۔ حضرتِ مرشد کی محبت سے پہلے ہی بڑی ریاضتیں کرتے رہے۔ جب شیخ جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے تو بڑے بلند مقامات اور کرامات کے مالک بن گئے۔ پیر و مرشد کی وفات کے بعد ان کی مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے۔

ابھی آپ کی عمر سات سال تھی آپ کی والدہ انہیں نمازِ تہجد کے لئے اٹھایا کرتیں تھیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا آپ والدہ سے چوری چوری اُٹھ کر گھر میں کسی کونے میں چلے جاتے اور نفل پڑھنے لگتے والدہ کو پتہ چلتا تو محبت کی وجہ سے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن چونکہ آپ کے دل میں اللہ کی محبت موجزن تھی بارہ سال کی عمر میں اپنے گھر سے نکلے اور اللہ کی طلب میں دہلی پہنچے۔ اُن دنوں آپ کے بڑے بھائی تقی الدین ایک دینی مکتب کے سربراہ تھے وہ بڑے دانشور اور عالم

فاضل انسان تھے۔ اس مکتب میں آ پہنچے۔ تو آپ کے بھائی نے آپ کو ظاہری علم کی کتابیں پڑھانا شروع کیں۔ مگر آپ نے کہا کہ مجھے علمِ معرفت سکھا دیں۔ چونکہ آپ ظاہری علم سے دل چسپی نہیں رکھتے تھے۔ مدرسہ چھوڑ کر صحرا اور بیابان میں نکل جاتے اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ وہ ایک عرصہ تک اسی حالت میں رہے آپ کو الہام ہوا اور آپ غائبانہ حکم پا کر پانی پت پہنچے۔ وہ شیخ جلال الدین پانی پتی کی خدمت میں رہ کر عارفانِ حق میں شمار ہونے لگے۔

شیخ جلال دین پانی پتی کو شیخ احمد عبدالحق کے آنے کی خبر ہوئی آپ نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ آج اعلیٰ قسم کا کھانا تیار کیا جائے۔ اور وسیع پیمانے پر دستر خوان بچھایا جائے۔ کھانے میں مکروہ اور حرام چیزیں بھی رکھ دی جائیں۔ اور ساتھ ہی بہت عمدہ گھوڑے جن پر زریں زینیں آراستہ ہوں ہمارے دروازے کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں۔ آج ہمارے پاس ایک ایسا مہمان آ رہا ہے جس کا امتحان لینا ہے جب سارے انتظامات ہو گئے۔ دستر خوان پر کھانا لگا دیا گیا۔ شیخ احمد عبدالحق آپ کے دروازے پر پہنچے۔ تو آپ نے دیکھا بڑے عمدہ گھوڑے سونے کی زینوں کے ساتھ تیار کھڑے ہیں دل میں خیال آیا کہ جو شخص اتنی شان و شوکت سے رہتا ہے وہ دنیا دار ہے اُسے محبت الٰہی سے کیا واسطہ۔ تاہم آگے بڑھے دستر خوان دیکھا کہ اس پر طرح طرح کے کھانے رکھے ہوئے ہیں اور شراب کے برتن بھرے ہوئے ہیں اور دوسری کئی مکروہ چیزیں بھی موجود ہیں۔ وہیں سے واپس ہوئے۔ اور سارا دن چلتے رہے۔ شام ہوئی تو لوگوں سے پوچھا کہ جس شہر میں پہنچا ہوں۔ اس کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ پانی پت۔ خیال آیا کہ شائد میں راستہ بھول گیا ہوں رات شہر کے باہر پڑے رہے صبح ہوئی تو دوبارہ پانی پت سے روانہ ہوئے۔ سارا دن چلتے رہے شام کو ایک شہر میں پہنچے۔ غور سے دیکھا تو وہ شہر پانی پت ہی

تھا۔ تیسرے دن پھر شہر سے نکلے اور ایک طرف روانہ ہوئے ایک ایسے جنگل میں جا پہنچے جہاں راستہ بھول گئے۔ بڑے پریشان ہوئے ایک خشک درخت کی ٹہنی پہ دیکھا کہ ایک خوبصورت سا نوجوان سر نیچے جھکائے بیٹھا ہے۔ اس سے پوچھا اے جوان آبادی کا راستہ کدھر ہے۔ اُس نے کہا کہ تم راستہ بھول چکے ہو۔ صحیح راستہ شیخ جلال الدین پانی پتی کے دروازے سے بھول آئے ہو اب کدھر جاؤ گے۔ اگر تمہیں میری بات پر یقین نہ آئے تو وہ سامنے دیکھو وہ دو شخص آرہے ہیں اُن سے پوچھ لینا۔ شیخ احمد عبدالحق چند قدم چلے دیکھا کہ دو سبز پوش آدمی آرہے ہیں۔ ان کے نزدیک جا کر سلام عرض کیا اور صحیح راستہ پوچھا۔ اُنھوں نے بھی کہا کہ صحیح راستہ تو تم شیخ جلال الدین پانی پتی کے دروازے سے ہی بھول آئے ہو۔ شیخ کو یقین ہو گیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ مجھے غیبی رہنمائی ہو رہی ہے۔ خیالات میں تبدیلی آئی تو واپس پانی پت کو چل پڑے۔ حضرت مخدوم جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت اپنی ٹوپی اُتار کر خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی گرد میں لپیٹ رہے تھے۔ وہی ٹوپی شیخ احمد عبدالحق کے سر پہ رکھی نان اور حلوہ عنایت فرمایا۔ مرید ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ شیخ احمد تمہارے دل میں ان چیزوں کی تمنا تھی اس لئے یہ چیزیں مل گئیں۔ آپ نے از راہ تصدیق تین بار حق حق کہا۔ حضرت شیخ جلال الدین نے بھی جواب میں تین بار حق حق کہا۔ آپ کا ہاتھ پکڑا اور تھوڑے ہی وقت میں آپ کو تکمیل کے مدارج طے کروا دیئے اور خرقۂ خلافت عطا کیا اور فرمایا میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ ہمارے سلسلے کو تمہاری وساطت سے جاری رکھے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔

شیخ احمد عبدالحق ردولی کے ہزاروں مشہور خلفاء ہوئے ہیں اور آپ کے لاکھوں مریدوں نے آپ کی تربیت سے بڑے درجے حاصل کئے ہیں، وہ دنیا

کے تمام ممالک میں آپ کے سلسلے کو لے کر پہنچے۔ عرب و عجم سے لے کر چین اور روس تک پھیلتے گئے۔ غرضیکہ دنیا میں ایسا ملک نہیں جہاں شیخ احمد کا خلیفہ نہ پہنچا ہو۔ آپ کے ایک بیٹے کا نام شیخ احمد محمد عارف تھا اور آپ کے ایک پوتے شیخ محمد بن عارف بھی صاحب کمال ہوئے ہیں۔ شیخ عبدالقدوس گنگوھی بن اسماعیل حنفی شیخ جلال الدین محمود تھانیسری۔ شیخ عبدالغفور اعظم پوری اور شیخ جان محمد جونپوری جیسے عظیم القدر خلفاء ہوتے ہیں۔ آپ کے خلفاء دنیا پر چھا گئے۔ اور وقت کے اولیاء سے آگے نکل گئے۔ ہر ایک خلیفہ سے علیحدہ سلسلہ جاری ہوا۔ سلسلہ عالیہ صابریہ چشتیہ شیخ احمد عبدالحق کی وساطت سے ہی پھیلا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوھی نے اپنی کتاب انوارالعیون میں آپ کے حالات اقوال کرامات اور مقامات لکھے ہیں۔

معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ شیخ احمد عبدالحق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہا کی اولاد سے تھے۔ آپ کے دادا بزرگوار شیخ داود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی اولاد میں سے تھے اور عرب سے چل کر بلخ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ہلاکو خان کے حملے کے بعد چند ساتھیوں کو لے کر ہندوستان پہنچے اور سلطان علاؤالدین خلجی جو اُس وقت دہلی کا بادشاہ تھا کو ملے۔ آپ نے اُنہیں اودھ کا گورنر مقرر کر دیا۔ آپ کا مزار قصبہ رودلی میں ہے۔ آپ کے ایک پوتے شیخ تقی الدین تھے اور دوسرے شیخ عبدالحق۔ دونوں اپنے زمانے کے مشہور مقتداء ہوئے ہیں۔ شیخ تقی الدین ظاہری علوم میں عالم و فاضل تھے اور دہلی میں رہتے تھے۔ شیخ احمد عبدالحق باطنی علوم کے عالم تھے اور اپنے وقت میں اُن کا کوئی بھی ثانی نہ تھا۔

سیرالاقطاب کے مصنّف لکھتے ہیں کہ جب شیخ احمد عبدالحق کے گھر میں پہلا بیٹا پیدا ہوا تو اُس کا نام عزیز رکھا گیا۔ پیدا ہوتے وقت اُس کی زبان پر حق کا لفظ جاری

تھا۔ جو تمام حاضرین نے سُنا۔ اس سے بڑی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ ایک دن اس سے ایسی کرامت ظاہر ہوئی کہ سارے شہر میں شور مچ گیا۔ شیخ احمد عبد الحق نے پوچھا یہ شور کیسا ہے لوگوں نے بتایا کہ آپ کے بیٹے سے ایک کرامت کا ظہور ہوا ہے۔ جس سے شور مچا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے گھر میں شور نہیں چاہیئے۔ گھر سے باہر نکلے قبرستان پہنچے۔ اور ایک جگہ نشان لگا کر فرمانے لگے کہ ہمارے عزیز بیٹے کی قبر یہاں ہوگی صاحبزادہ دوسرے دن ہی فوت ہو گئے۔ اس لڑکے کے بعد آپ کے ہاں یکے بعد دیگرے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ جو بچہ پیدا ہوتا اُس کے منہ سے حق حق حق کی آواز آتی جس سے سارے شہر میں شور مچ جاتا۔ آپ دعا کرتے تو آپ کا وہ بیٹا بھی فوت ہو جاتا۔ آخر کار آپ کا بیٹا جس کا نام عارف تھا زندہ رہا اور بڑے ہو کر بڑے بلند مقامات پر پہنچا۔

شیخ احمد عبد الحق اپنی زندگی کے ابتدائی دنوں میں مسجد میں تشریف لے جاتے ہاتھ میں جھاڑو ہوتا اور ساری مسجد کو صاف کرتے یہ سلسلہ پچاس سال تک جاری رہا آپ اللہ کی یاد میں اتنے مشغول رہتے کہ آپ کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ مسجد کا راستہ کون سا ہے۔ دن ہے یا رات ہے کون سا مہینہ یا کون سا دن ہے۔ جب سفر پر جاتے تو مرید آگے آگے حق حق کے نعرے بلند کرتے روانہ ہوتے۔ شیخ اسی آواز پر قدم اٹھاتے جاتے۔ آج تک اس سلسلۂ عالیہ احمدیہ چشتیہ میں یہ بات جاری ہے کہ آپ کے مرید ایک دوسرے کو سلام کرنے کے بعد ایک دوسرے کو حق حق کہتے ہیں۔ جب وہ کسی کو خط لکھتے ہیں تو خط کے سرنامے پر تین بار حق حق حق لکھ دیتے ہیں۔ اس خاندان میں آج تک یہ رسم جاری ہے۔

بعض علماء کرام نے اس طریقے کار کو خلاف سنت قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلۂ کے اکثر علماء و مشائخ نے اِس عادت کو چھوڑ دیا ہے لیکن ابھی تک بعض حضرات اپنے خطوں پر تین بار حق حق حق لکھ دیتے ہیں۔ شیخ جلال الدین نے شیخ احمد کو

عبدالحق کا خطاب دیا تھا اور اس خاندان کے اکثر مرید کلمۂ حق کہتے تھے۔ اور عشق و محبت میں حق حق کرتے جان دیتے تھے۔

سیر الاقطاب میں ایک اور جگہ پر لکھا ہوا ہے کہ ایک دن شیخ احمد عبدالحق نے اپنے دوستوں کو فرمایا کہ خواجہ اسحاق گازدونی کی خانقاہ پر آج جو چراغ جل رہا ہے وہ قیامت تک روشن رہے گا۔ ہم بھی آج ایک دیگ پکا رہے ہیں جس سے قیامت لوگ کھانا کھاتے رہیں اور اس دیگ سے کھانا ختم نہیں ہو گا۔ آپ نے ایک دیگ منگوائی اور دیگ دان پر رکھی نیچے آگ جلائی اور کھانا پکانا شروع کر دیا اور دیگ کو راستے میں رکھ کر آواز دی کہ جو شخص یہاں سے گزرے گا وہ یہاں سے کھانا کھائے گا۔ لوگ اُسی دیگ سے کھانا کھائے جاتے اور اس میں کمی نہ ہوتی تیسرے دن کہنے لگے اے عبدالحق اللہ تعالیٰ رازق ہے وہ لوگوں کو رزق دینا جانتا ہے۔ تو اس کام سے باز آجا۔ یہ کہا اور دیگ دیگ دان سے نیچے اتار لی۔

شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ پندرہ جمادی الثانی آٹھ سو چھتیس ۸۳۶ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

شیخ عبدالحق چو رفت از دادِ دہر
شد بجنت جلوہ گراں ماہِ حق
مقتدائے اہل حق　　　کامل ولی
۸۳۶ھ　　　۸۳۶ھ
سالِ وصلش او بگو از برحق

شیخ شبر خان بک رحمۃ اللہ علیہ آپ شاہ فیروز کے نزدیکی رشتہ دار تھے۔ ایک عرصہ تک اغنیا اور امراء کے انداز میں زندگی بسر کی۔ اتنے متکبر۔ درشت خو۔ اور متکبر تھے کہ کسی کو آپ سے

بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اچانک شیخ رکن الدین بن شیخ شہاب الدین امام کی نگاہ پڑی۔ تو آپ کے مرید ہو گئے۔ ہر وقت خوف الٰہی سے روتے رہتے۔ سلسلہ چشتیہ میں سے آپ کے علاوہ کسی نے اسرار الٰہیہ کو فاش نہیں کیا اور نہ ہی جذب دستی کا اظہار کیا جس قدر حضرت شیخ شیر خان نے کیا تھا۔ آپ کے آنسو اس قدر گرم تھے۔ اگر ایک قطرہ کسی کے ہاتھ پہ گر پڑتا تو جل جاتا۔ آپ نے علم تصوف و توحید میں چند گراں قدر کتابیں لکھیں اور امیر خسرو کے دیوان کے جواب میں ایک دیوان لکھا۔ اور عین القضا ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی تمہیدات پر تعلیقات لکھیں آپ کی کتاب یوسف و زلیخا اور مرأۃ العارفین لوگوں میں بہت مقبول و مشہور ہوئیں آپ کو مقبول اللہ کا خطاب ملا تھا۔ آپ کی وفات ۸۳۶ھ میں ہوئی تھی۔

شیر خان چوں ز دار فانی دہر
یافت وصلے بقرب سبحانی
دل بسال وصال اے سرور
گفت شیر دلیر یزدانی

۸۳۶ھ

حضرت شیر خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ایک سال بعد ۸۳۷ھ میں سید معز الدین ابو الفتح مبارک شاہ بادشاہ میراں صدر اور قاضی عبد الصمد کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اور مقام کوٹلہ جسے اس نے تعمیر کرایا تھا۔ دفن کر دیا گیا۔ اس نے تیرہ سال اور ایک ماہ حکومت کی تھی یہ بادشاہ خوش روئی۔ نیک سیرتی اور خوش اخلاقی میں بڑا مشہور تھا اس کے قتل کے بعد اس کا برادر زادہ محمد خان تخت نشین ہوا اور محمد شاہ کے خطاب سے مشہور ہوا۔

چو شس مظلوم نزین دہر پر امت
مبارک شاہ والا جاہ مقبول
بسالس گو امن دہر بوا لفتح
دگر والی دین سلطان مقبول

۸۳۷ھ

شیخ قوام الدین چشتی سہروردی قدس سرہٗ: آپ حضرت سید محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے مگر بعد میں حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین کی خدمت حاضر ہو کر مرید ہوئے اور اس طرح اوچ شریف میں روحانی تربیت حاصل کر کے بلند مقامات پر پہنچے۔ آپ بڑے جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ کے مقامات اور مراتب پر بہت کم لوگوں کی رسائی ہوئی ہے۔ آپ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ قوام الدین مجلس سماع میں بیٹھے تھے۔ مگر سماع میں وہ ذوق پیدا نہ ہوا۔ جو ہوا کرتا تھا آپ گھر آئے۔ فرمانے لگے۔ آج مجھے سماع میں ذوق نہیں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں کوئی ایسی چیز ہے جس کا یہ اثر ہے۔ گھر والوں نے بتایا۔ ایسی کوئی چیز نہیں آئی۔ آپ نے تلاش کیا۔ تو گھر میں پرانے گڑ کی ایک ڈلی پڑی ہوئی تھی۔ جو آپ نے علاج کے لئے منگوائی تھی۔ آپ نے گڑ اٹھایا۔ اور باہر جا کر غریبوں میں تقسیم کر کے مجلس سماع میں آ بیٹھے۔ اس طرح آپ اس ذوق سماع سے محفوظ ہوئے۔ جس کی انہیں طلب تھی۔

کہتے ہیں۔ آپ کے پیر و مرشد مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو آپ نے حضرت قوام الدین کو بلا کر پوچھا۔ کہ میرے بعد اس سلسلہ کی سجادگی کسے دینی چاہیئے آپ نے کی عرض کی اس عظیم ذمہ داری کے لئے حضرت سید صدر الدین

راجن قتال سے زیادہ موزوں دوسرا شخص نہیں ہے۔ چنانچہ مخدوم جہانیاں نے شیخ قوام الدین ابیض کے مشورہ سے ایسا ہی کیا۔ سید صدرالدین راجن قتال کو سجادہ نشین بنایا۔ مگر ساتھ ہی اپنے دوسرے فرزند میر سید ناصر الدین کو بھی تبرکاً خرقہ خلافت سے نوازا۔ حضرت سید ناصر الدین کی والدہ نے جب یہ واقعہ سُنا تو فرمایا۔ شیخ قوام الدین نے اپنے مشورے سے میرے بیٹے کو سجادگی سے محروم کر دیا ہے۔ اب اللہ سے میں بھی دعا کرتی ہوں کہ شیخ قوام الدین سجادہ نشین نہیں بن سکیں گے۔ حضرت شیخ قوام الدین نے سنا۔ تو فرمایا۔ مجھے بے حد مسرّت ہوئی ہے کہ بی بی صاحبہ نے میرے سلب ایماں کے لئے بددعا نہیں کی۔ سجادگی کی ضرورت نہیں میں تو صرف ایمان کی دولت کا طالب ہوں،، اگرچہ میرے بیٹے سجادگی سے محروم رہیں گے مگر میرے خلفاء جو میری معنوی اولاد ہیں اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔ چنانچہ شیخ قوام الدین نے حضرت مینا کو سجادہ نشین بنایا۔ آپ کا اپنا بیٹا شیخ نظام الدین بہت بڑا دنیا دار ہونے کی وجہ سے سلسلہ کی ترویج سے محروم رہ گیا شجرۂ چشتیہ کے مولف نے شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۸۴۰ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار لکھنؤ میں ہے۔

قوام الدین جو از فضل الٰہی\
ز دنیا رفت در فردوس اعلیٰ\
وفاتش گفت دل سلطان مخدوم\
دگر فرمود مخدوم معلیٰ

۸۴۰ھ

شیخ سارنگ چشتی قدس سرہٗ

معارج الولایت اور مرتب ملفوظات شیخ مینا نے لکھا ہے۔ حضرت شیخ سارنگ ابتدائی

زندگی میں ہندوؤں کے بہت بڑے روساء اور امراء میں شمار ہوتے تھے۔ دامن اسلام میں آئے۔ اس وقت آپ کی ہمشیرہ سلطان محمد بن فیروز شاہ بادشاہ دہلی کی بیوی بنی تھیں۔ آپ اسی وساطت سے دربار دہلی سے منسلک ہو گئے تھے۔ اور ملک سارنگ کہلاتے تھے اسی دوران آپ نے ہندوستان کا سارنگ شہر آباد کیا تھا جب سید مخدوم جلال الدین اوچی اور سید صدرالدین راجن قتال دہلی میں تشریف لائے تو ان دنوں شیخ سارنگ ایک خوبرو اور نوخیز نوجوان تھے۔ بادشاہ نے ان دونوں بزرگان دین کے کھانے کی خدمت شیخ سارنگ کے سپرد کی ہوئی تھی۔ ایک دن حضرت راجن قتال نے کہا: "سارنگ! اگر تم پانچوں نمازیں باقاعدگی سے پڑھنا شروع کردو تو میں حضرت مخدوم جہانیاں کے کھانے کا تبرک کھلاؤں گا۔ چونکہ اس وقت ان کی ہدایت کا وقت آپہنچا تھا۔ اس نے یہ شرط اسی وقت قبول کر لی۔ اور پانچوں نمازیں باقاعدگی سے ادا کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ آپ کو حضرت مخدوم جہانیاں کا پس خوردہ تبرک اچھا لگا۔ شیخ سارنگ کو اس کھانے میں ایک عجیب لذت میسّر آئی۔ ایک دن حضرت صدرالدین قتال نے کہا سارنگ اگر تم ہر روز نماز اشراق اور چاشت باقاعدگی سے پڑھنا شروع کر دو تو میں اور تم اکٹھے بیٹھ کر ایک دستر خوان پر کھانا کھایا کریں گے انہوں نے یہ بات بھی قبول کر لی۔ اب مخدوم جہانیاں۔ صدرالدین قتال اور ملک سارنگ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھانے لگے۔ اس قربت سے شیخ سارنگ کے دل میں روحانی روشنیاں گھر کرنے لگیں۔ آپ شیخ قوام الدین قدس سرہٗ کے مرید ہو گئے اور اس طرح آپ کو سلسلہ چشتیہ کا فیض ملنے لگا۔ مگر ملک سارنگ ابھی تک شاہانہ جاہ و جلال میں رہا کرتے تھے۔ جب حضرت سلطان فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ سلطان محمد بن سلطان محمد تخت نشین ہوئے تو حضرت سارنگ کا دل دربار شاہی سے اچاٹ ہو گیا۔ آپ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے

تمام مال ومتاع غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ اہل و عیال کو لے کر پاپیادہ حج کو روانہ ہو گئے چونکہ پیادہ چلنا جانتے نہ تھے قافلہ سے پیچھے رہ گئے۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے قافلہ دُور نکل گیا۔ ایک دن اپنے اہل و عیال کو کہنے لگے۔ اب میں بھی اور تم لوگ بھی تھک کر چور ہو گئے ہیں۔ اٹھو اور میرے پیچھے پیچھے چلو۔ ابھی تین قدم اٹھائے تھے کہ آپ قافلہ میں پہنچ گئے اور مدینہ پاک کے قرب میں جا پہنچے۔ حج کے بعد ایک عرصہ تک مکہ اور مدینہ میں قیام کر کے حرمین الشرفین کی مجاوری میں رہے۔

عرصہ بعد واپس ہندوستان آئے۔ اور حضرت شیخ یوسف بدھ ایرچی کی مجلس میں رہنے لگے۔ آپ سے خرقۂ خلافت پایا اسی اثنا میں اپنے پیرِ و مرشد کی صحبت میں زیارت کرنے لکھنو آیا کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ قوام الدین قدس سرہٗ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کاش آج شیخ سارنگ میرے پاس ہوتے تو میں انہیں خرقۂ خلافت دیتا۔ آپ نے پھر بھی لوگوں کو اپنا ایک ان سِلا کفن دے کر کہا کہ جب شیخ سارنگ آئیں۔ تو انہیں میرا یہ تحفہ دے دینا۔ آپ بعد از وفات لکھنو آئے تو اپنے شیخ کا تبرک کفن حاصل کیا۔ پھر حضرت شیخ مینا کو روحانی تربیت دے کر حضرت شیخ قوام الدین کا سجادہ نشین مقرر فرما دیا۔

کہتے ہیں شیخ صدر الدین قتال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بزرگوں کے چند تبرکات حضرت شیخ سارنگ کو بھیجے۔ مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ مگر بعد میں حضرت شیخ صدر الدین نے بڑے اصرار سے فرمایا۔ یہ تبرکات صرف آپ کے لئے مخصوص ہیں۔ انہیں قبول کر لیں۔ اس اصرار پہ آپ نے وہ تبرکات لے لئے آپ کی وفات ۸۴۸ھ میں ہوئی۔

چو سارنگ از جہاں رخت سفر بست   بجنت شد بفضل ذوالجلال
چہ سرور از خرد پرسید سالش   ندا آمد ولی مخدوم عالی

۸۴۸ھ

قاضی شہاب الدین دولت آبادی قدس سرہٗ

آپ قاضی عبد المقتدر کے عظیم شاگرد تھے اور حضرت مولانا محمد خواجگی کے مرید خاص تھے حضرت میر اشرف سمنانی قدس السرۃ السامی کی مجالس سے بھی استفادہ کیا تھا۔ آپ ظاہری علوم میں یکتائے زمانہ تھے اور باطنی اسرار میں کامل دسترس رکھتے تھے ہماری قلم میں وہ طاقت نہیں کہ آپ کے کمالات علمیہ کو ضبط تحریر میں لایا جا سکے اور ہماری زبان میں وہ قوت گویائی نہیں کہ آپ کے اسرار کو بیان کیا جا سکے۔ آپ نے اپنی علمی شہرت سے ایک زمانے کو متاثر کیا۔ کافیہ کی شرح ایسی زبان میں لکھی کہ علماء عش عش کر اٹھے۔ علم نحو میں کتاب الارشاد بے مثال کتاب تحریر کی۔ علم بلاغت میں بدیع البیان آپ کی مشہور کتاب ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی ایک تفسیر بحرّ مواج ہے۔ جو زبان فارسی میں مقبول ہوئی۔ آپ نے ایک رسالہ تقسیم علوم میں لکھا اور ایک رسالہ تقسیم فصاحت میں سپرد قلم کیا تھا۔ آپ کو شعر و شاعری میں بھی کمال حاصل تھا۔ چنانچہ آپ کا ایک شعر تو زبان زد عام ہو گیا تھا۔ جو آپ نے بادشاہ وقت کی خدمت میں ایک خوبرو کنیز لینے کی سفارش میں لکھا تھا۔

ایں نفس خاکسار کہ آتش سزائے اوست
بر باد گشت لائق بے آب کردن است
شخصے چناں فرست کہ پا بر سرم نہد
ریزد ہم منی و تکبر کہ در من است[1]

---

[1] اے بادشاہ آپ جانتے ہیں۔ یہ نفس پلید جس کی سزا آگ ہے یہ تباہ ہو گیا ہے اسے بے آب (ختم) کر دینا ضروری ہے آپ کوئی ایسی شخصیت بھیجیں جو میرے سر پر پاؤں رکھ کر اس نفس شریر کا تکبر اور خودی کو توڑ کر رکھ دے۔

بادشاہ اس ادا کو سمجھ گیا اور کنیز آپ کے پاس بھیج دی۔

آپ نے ایک اور کتاب مناقب السادات لکھی تھی جس میں اہل بیت کی محبت کو بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا تھا۔ اس میں بے نظیر انداز میں سادات کرام کی عزت و منزلت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کی وجہ یہ بنی۔ کہ بادشاہ کے دربار میں اجمل نامی ایک سیدزادہ تھا۔ چنانچہ آپ نے علوم دینیہ کی عظمت کی بنا پر سیدزادہ سے اپنی برتری ظاہر کرتے ہوئے۔ ایک زبردست کتاب لکھی۔ اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے اپنی مسند قریب تر کرالی۔ رات کو خواب میں سید الانبیاء کی زیارت نصیب ہوئی۔ تو آپ نے قاضی شہاب الدین کے اس فعل کو بُرا منایا۔ صبح اٹھے۔ تو اس کتاب کو دریا برد کر دیا۔ سیدزادے سے معافی مانگی اپنی مسند کو آپ کے بعد رکھوایا اور ساتھ ہی سادات کی عظمت اور عصمت پر ایک زبردست کتاب لکھی جو بڑی پسند کی گئی۔

اخبار الاخیار میں آپ کا سال وصال ۸۴۸ھ لکھا ہے۔

شہاب الدین چو رفت از عالم دہر
بجنت گشت روشن آں علم
وصالش کن رقم توقیر اسلام
۸۴۸ھ
دگر فرما شہاب الدین مہ علم
۸۴۸ھ

میر سید یداللہ قدس سرہٗ آپ سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ آپ کو بچپن میں ہی خرقہ خلافت مل گیا تھا۔ صاحب معارج الولایت نے لکھا ہے۔ کہ ایک دن حضرت سید محمد گیسو دراز وضو فرما رہے تھے۔ مسح کرنے لگے تو سر سے عمامہ اُتار کر نیچے رکھا سید یداللہ ابھی بچے

تھے۔ پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ عمامہ اٹھایا اور اپنے سر پر رکھ لیا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا بیٹا تمہیں یہ خلعت مبارک ہو۔ یہ تمہارا حق تھا۔ تمہیں مل گیا ہے۔ اس دن کے بعد آپ جسے بھی مرید بناتے اس کی نسبت سید یداللہ سے مستحکم کرواتے مگر اس مرید کی تربیت خود کرتے۔

اخبار الاخیار نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ سید یداللہ نوجوان ہوئے۔ تو آپ کی شادی ایک نہایت خوش شکل لڑکی سے ہوئی۔ رات حجلۂ عروسی کو سجایا گیا تو میر یداللہ اپنی دلہن کے پاس پہنچے تو اس کے حسن کی تاب نہ لاکر آپ نے ایک نعرہ مارا۔ اور جان دے دی صبح دلہن نے آپ کو اپنی بغل میں بھینچا اور اپنی جان قربان کر دی۔ اس طرح یہ دونوں مجازی عشاق واصل بحق ہو گئے اور انہیں ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔

سید یداللہ قدس سرہٗ ۸۴۹ھ میں فوت ہوئے تھے

کرد سفر چوں ز جہاں فنا
میر یداللہ شہ ہفدہ طبق
مرد خدا سال وصالش بخواں
نیز یداللہ شہنشاہ حق
۸۴۹ھ

۸۴۹ھ

شیخ نورالدین المشہور نور قطب عالم بنگال قدس سرہٗ: آپ شیخ علاءالدین علاءالحق بنگالی

قدس سرہ کے فرزند اور خلیفہ طریقت تھے۔ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں مانے جاتے ہیں بڑے صاحب عشق و محبت اور ذوق و شوق کے مالک تھے۔ صاحب تصرف و کرامات تھے اپنے والد کی خدمت میں رہ کر بڑی روحانی منزلیں طے کیں

اور درجہ قطبیت کو پہنچے۔ اس طرح آپ قطب عالم کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ اپنے والد کی خانقاہ کے تمام امور کو اپنے ہاتھ سے سرانجام دیا کرتے تھے۔ کپڑے دھونا۔ خانقاہ کو صاف کرنا۔ پانی کو لاکر نمازیوں اور مسافروں کو مہیا کرنا۔ جنگل سے لکڑیاں لاکر لنگر تیار کرنا۔ سب آپ کے ذمہ تھا۔ حتیٰ کہ درویشوں کے کپڑے دھونے۔ گندگی کا اٹھانا۔ اور بیت الخلاء کی نجاست ہٹانا بھی آپ کے ذمہ تھا۔ ایک دن ایک درویش کو آدھی رات کے وقت پیٹ میں درد اٹھا وہ بیت الخلاء کی طرف بھاگا۔ وہاں شیخ علاء الحق اپنی روزمرہ خدمت پر مصروف تھے۔ اس درویش کو زور سے جو پاخانہ آیا۔ اس کا کچھ علاء الحق کے کپڑوں پر جا پڑا۔ حتیٰ کہ آپ کا جسم بھی آلودہ ہوگیا۔ مگر آپ کے چہرے پر نہ ملال آیا۔ نہ آپ نے اس بات کو ناگوار محسوس کیا۔ دوسری طرف آپ کے والد اپنے بیٹے کی اس انکساری اور خدمت کو دیکھ رہے تھے۔ اس قوت برداشت کو دیکھ کر فرمایا۔ بیٹا! مجھے تمہاری اس خدمت سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ مگر آج کے بعد تمہیں کسی اعلیٰ منصب پر مقرر کیا جاتا ہے۔

شیخ حسام الدین مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں یہ واقعہ درج ہے کہ جن دنوں شیخ علاء الحق اپنے والد کی خانقاہ میں لکڑیاں لاکر مہمانوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ کا ایک بھائی اعظم خان بادشاہ وقت سلطان تغلق کا وزیر تھا ایک دن شیخ علاء الحق سر پر لکڑیاں اٹھائے گزر رہے تو اعظم خان نے روک کر کہا بھائی کب تک خانقاہ کی لکڑیاں اٹھاتے رہو گے۔ آؤ! میں تمہیں کسی اعلیٰ منصب پر لگا دیتا ہوں۔ جہاں تم آرام سے زندگی بسر کر سکو۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا منصب اور آرام عارضی اور وقتی ہے۔ مگر میری خدمات ہمیشہ ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ میں ان خدمات کو چھوڑ کر منصب شاہی قبول کرنے کو تیار نہیں۔

تذکرہ الاقطاب کے مؤلف نے آپ کا سال وصال ۸۵۱ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار قصبہ پنڈاوہ بنگال میں ہے شیخ رفعت اللہ اور شیخ انور آپ کے صاحبزادے تھے اور آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین بنے۔

چو نور الدین ازیں دنیائے فانی
منور شد بفردوس معلّٰی
بگو تاریخ او شمس الہدایت
دگر قطب اللہ انور تجلّی

۸۵۱ھ

شیخ شبلی بن جلال الدین پانی پتی قدس سرہٗ: آپ اپنے والد شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ظاہری علوم میں یکتائے زمانہ تھے۔ باطنی علوم میں کمال حاصل کیا۔ اور راہ طریقت میں گام زن ہوئے۔ تجرید و تفرید میں کمال پایا۔ اہل دنیا اور علایق دنیا سے ہمیشہ دور رہے۔ صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں کہ آپ مجالس سماع برپا کرتے۔ اور ذوق و مستی میں وجد کرتے۔ چونکہ آپ کی ٹانگیں کسی جسمانی بیماری سے بیکار ہو چکی تھیں۔ آپ چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر مجلس سماع میں وجد اور رقت میں یہ روکاٹ سامنے نہ آتی تھی۔ آپ سب سے زیادہ وجد کرتے بعض اوقات آپ رقص و وجد کی حالت میں چھت تک جا پہنچتے ایک بار وجد کی ایسی ہی حالت میں آپ کے چچا شیخ اواش موجود تھے۔ آپ نے آگے بڑھ کر آپ پہ ہاتھ رکھا اور فرمایا شبلی یہ تو اظہار کرامت ہے اور کرامت بر سر مجلس نہیں دکھائی جاتی۔ اس دن کے بعد آپ نے کبھی وجد و رقت کا اظہار نہیں فرمایا اور ہمیشہ خاموشی سے سماع سنتے تھے۔

شیخ شبلی کے زیادہ مرید افغان تھے۔ آپ نے ایک دن دعا کی کہ میرے مرید افغانوں کے تیر کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوگا۔ اس دن سے افغان ایسے نشانہ باز ہوئے کہ کبھی کوئی تیر نشانہ خطا نہ کرتا تھا۔ یہ افغان جس لشکر میں ہوتے۔ دشمن کو تیروں کے نشانے میں لاکر تباہ کر دیتے تھے۔ ایک بار ایک افغان نے اس دعا کو آزمانے کے لئے ایک تیر آسمان کی طرف پھینکا۔ جب تیر واپس آیا تو تیر ایک اژدہا کو چیرتا ہوا واپس آیا تھا تو کہنے لگا واقعی اولیاء اللہ کی کرامت حق ہے۔ جن کے کہنے پر ایک تیر نشانے کو خطا نہیں کرتا۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا تیر کب خطا ہوتا ہے۔

سیر الاقطاب نے آپ کی تاریخ وصال ۸۵۲ھ لکھی ہے۔

شد چو از دنیا بجنت یافت جا
حضرت شبلی شہ ہر دوسرا
سال وصل او بگو شبلی تقی ۸۵۲ھ
نیز شبلی واصل دین پیشوا

۸۵۲ھ

شیخ علاء الدین قریشی قدس سرہ: سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کو علاء الدین قریشی گوالیاری کے نام سے شہرت ملی۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال رکھتے تھے تجرید و تفرید میں بھی بے مثال تھے۔ ساری زندگی گوشہ نشینی میں گزار دی۔ یاد الٰہی کے بغیر زندگی کا کوئی مشغلہ نہ رکھا۔ اپنے خادم کو فرمایا کرتے تھے۔ گھر کا کوڑا کرکٹ بھی سامنے نہ پھینکا کرو۔ اس سے لوگوں کو گھر میں زندگی کے آثار نظر آتے ہیں اور لوگ آکر پریشان کرتے ہیں اور یاد خداوندی میں مخل ہوتے ہیں آپ ۸۵۳ھ میں فوت ہوئے

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
ہادی مقتداء علاء الدین
سال ترحیل دے عیاں گردو
از ولی حُسرا علاء الدین

۸۵۳ھ

شیخ بہرام چشتی صابری قدس سرہ: آپ شیخ جلال الدین پانی پتی قدس سرہٗ کے مریدان باصفا میں سے تھے۔ علوم ظاہری اور اسرار حقیقت از بر کرنے کے بعد خرقۂ خلافت ملا اور قصبہ برناوہ میں قیام پذیر ہوئے چونکہ قصبہ بیدولی دریائے جمنا کے کنارہ پر واقعہ ہے۔ اتفاقاً سیلابی موسم میں دریا کا رخ اس قصبہ کی طرف ہو گیا۔ یہ قصبہ سیلاب کی زد میں آیا تو وہاں کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس قصبے کے تمام لوگ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید تھے ان سے ایک خط شیخ بہرام کے نام لے آئے۔ آپ نے شیخ بہرام کو لکھا۔ اپنے قصبہ سے نکل کر قصبہ بیدولی میں چلے جائیں اور دریا جمنا کو روک دیں۔ اور اس وقت تک وہاں قیام کریں جب تک دریا اپنا رُخ نہیں بدل لیتا۔ آپ حضرت پیرو مرشد کے حکم سے بیدولی پہنچے اور دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر اپنا عصار گاڑ دیا اور کہا یہاں سے ہٹ جاؤ۔ دریا آہستہ آہستہ اپنا رخ بدلتا گیا۔ اور دو میل دور بہنے لگا۔ آپ اسی قصبہ میں قیام فرما رہے تاکہ لوگوں کو کسی قسم کا خطرہ نہ رہے آپ نے زندگی بھر اسی قصبہ میں قیام کیا۔ یہاں ہی وصال ہوا۔ آپ کا مزار لوگوں کے لئے دارالشفاء ہے جو بیمار ہوتا ہے ایک بار حاضر ہوتا ہے اور شفا پاتا ہے۔

سیر الاقصاب میں آپ کی ایک کرامت لکھی ہے کہ ۱۰۵۷ھ میں ظفر بیگ وال دہلی

نے ایک ہندو کو اس علاقہ میں مختار اراضیات مقرر کر دیا۔ وہ ہندو بڑا متعصب تھا۔ عام زمینوں کو سرکاری کھاتے میں لاتا جاتا۔ وہ اس قصبہ میں پہنچا تو خانقاہ کے ساتھ دی ہوئی عام زمین کو سرکاری زمین قرار دے گیا۔ حتیٰ کہ خانقاہ کی خاص زمین کے لئے بھی سرکاری کارندوں کو حکم دیا کہ جریب لاکر اسے بھی سرکاری تحویل میں لایا جائے۔ سرکاری کارندے اس زیادتی سے ہچکچاتے تھے۔ خود گھوڑے پر سوار پاس کھڑا ہوا اور کارندوں کو حکم دیا کہ اس زمین کو جریب سے ناپوں۔ اسی اثناء میں آپ کی خانقاہ کے مجاور بہت پریشان ہوئے۔ ایک مجاور روضے کے اندر جاکر فریادی ہوا کہ حضرت! اس ظالم نے آپ کی دی ہوئی زمینیں قبضہ میں لے لی ہیں۔ اب خانقاہ کی خاص زمین بھی لینے کے درپے ہے۔ امداد فرمایئے۔ کہتے ہیں وہ مجاور قبر سے لپٹا فریاد کر رہا تھا۔ کہ باہر شور و غل ہوا۔ باہر نکلا دیکھا تو ہندو گھوڑے کی زین سے اچھلا اور ہوا میں معلق ہوا۔ لوگ بے بسی کے عالم میں شور و غل مچا رہے ہیں۔ مجاور یہ صورتحال دیکھ کر واپس۔ قبر پر آیا اور عرض کی۔ حضور اس خبیث کو زمین پر گرا ئیں وہ زمین پر گرا۔ اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ اور بازو پشت کے پیچھے بندھ گئے وہ زمین پر تڑپ رہا تھا۔ گردن گی تھی۔ اور اس کے رشتہ دار فریاد کر رہے تھے۔ آخر وہ مجاوروں کے پاس حاضر ہوئے۔ اسی مجاور نے قبر پر آکر دوبارہ سفارش کی اس کو اندر لائے۔ تو وہ شفایاب ہوا۔ آئندہ کے لئے اس نے خانقاہ کی زمین کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا بلکہ تمام قصبہ کی زمین پر کبھی سرکاری قبضہ کا خیال تک نہ لایا۔

شیخ بہرام رحمۃ اللہ علیہ ۸۵۴ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار قصبہ بید ولی میں دریائے جمنا کے کنارے ہے اور وہ ایک سو چھبیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

چو شد از دنیا بفردوس بریں
حضرت بہرام شیخ اولیا

سال وصل اے شد از سرورعیاں
زبدۃ آفاق قطب الاتقیاء

۸۵۴ھ

شیخ کبیر چشتی قدس سرہٗ آپ حضرت شیخ فرید بن عبدالعزیز صوفی حمیدالدین ناگوری قدس سرہم کی اولاد میں سے تھے اور اس سلسلہ میں مرید بھی تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی کتاب ضوء المصباح بڑی بلند پایہ تصنیف ہے۔ آپ کافی عرصہ ناگور میں رہے مگر جب ناگور میں ہندو مسلم فساد ہوا تو آپ ناگور کو چھوڑ کر گجرات چلے گئے۔ اور وہاں بتاریخ پنجم ماہ ربیع الاول ۸۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

بجنت چو رفت از جہاں فنا
کبیر آں شہ پیر برنا و پیر
بتاریخ ترحیل آن شاہ دین
بگو قبلہ اہل جنت کبیر

۸۵۸ھ

شیخ ابوالفتح جونپوری قدس سرہٗ آپ اپنے دادا عبدالمقتدر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ بڑے عالم فاضل تھے۔ معارج الولایت اور مکارم الاخلاق کے مولفین نے لکھا ہے کہ شیخ ابوالفتح چودہ ماہ تک شکم مادر میں رہے اس وجہ سے آپ کے دادا عبدالمقتدر رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی تشویش تھی ایک رات خواب میں رکن الدین ابوالفتح سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ عبدالمقتدر تمہارے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے اس کا نام میرے نام پر ابوالفتح رکھنا۔ چنانچہ اسی دن جب چاند کی چودھویں تاریخ تھی

آپ پیدا ہوئے۔ اسی دن شیخ جمال الدین جو شیخ عثمان سیاح کے مرید تھے۔ آپ کے گھر تشریف لائے بچے کو پہلی نظر دیکھ کر فرمایا۔ عبدالمقتدر! تمہارا گھر اس نورانی بچے کی وجہ سے نور سے بھر جائے گا۔ شیخ عبدالحی حضرت شیخ عبدالمقتدر کے بیٹے حضرت شیخ عبدالمقتدر کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ خواجگان چشتیہ کا سلسلۂ خلافت آپ کی وساطت سے آگے چلا۔ آپ مسند ارشاد پر تشریف فرما ہوئے تو کچھ عرصہ کے بعد امیر تیمور گورگانی دہلی پر حملہ آور ہوا آپ بھی اس افراتفری میں دہلی چھوڑ کر جونپور چلے گئے۔ جونپور میں آپ نہایت بے سروسامانی کے عالم میں پہنچے اور کسی گھر در کے بغیر رہائش پذیر رہے کچھ عرصہ تک ایک درخت کے زیر سایہ بسیرا کر لیا۔ خودداری کا یہ عالم نہ کھاتے کو کچھ ملتا نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے۔ جسمانی طور پر اس قدر کمزور ہو گئے کہ چلتے چلتے ٹانگوں میں رعشہ طاری ہو جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عبدالمقتدر کا ایک مرید تجارت کے لئے دہلی سے جونپور آیا۔ آپ کو دیکھ پہچان لیا نذرانہ پیش کیا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کو بتایا۔ کہ مسجد کے قریب ہی ایک مکان ہے مالک مکان اسے فروخت کر رہا ہے اگر آپ اجازت دیں تو یہ مکان خرید لیا جائے اور آپ اس میں رہائش کر لیں۔ مکان کی قیمت اس سوداگر نے سامنے لا رکھی۔ مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ مگر چند دن صبر و قناعت سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانۂ غیب سے آپ کو بہت سی دولت دی۔ آپ نے وہ مکان خرید لیا۔ ساتھ ہی ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کر لی اور بڑی آسودہ زندگی گزارنے لگے۔ کئی سال بعد وہی سوداگر دوبارہ جونپور آیا۔ تو آپ نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ بڑی عزت اور توقیر دی۔ بیٹھے بیٹھے سوداگر کے دل میں خیال آیا کہ جو شخص اس حالت میں زندگی بسر کر رہا ہے وہ بڑا دولت مند ہو گا۔ آپ نے اس سوداگر کے اس خیال کو محسوس کر لیا۔ پاس بلا کر کہا عزیز من میرے پاس بڑا خزانہ ہے۔ دائیں ہاتھ والا کمرہ سونے سے بھرا پڑا ہے اور بائیں

ہاتھ والا چاندی سے پڑ ہے۔ مگر یہ سونا اور چاندی چوروں کی نظر سے محفوظ ہے مگر ان دنوں لوگوں کے مال پر چوروں اور راہزنوں کی دسترس ہے۔ اس سوداگر نے دل میں خیال کیا۔ کہ حضرت کے یہ الفاظ میرے لئے بددعا ہیں۔ دو تین راتیں گزری تھیں کہ اس سوداگر کے مال کو چور لے گئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابوالفتح کے گھر میں ایک بار سونے کے ٹکڑوں کی بارش ہوئی۔ شیخ فخر الدین بجنوری اور شیخ محمد آب کش آپ کے مشہور خلفاء میں سے ہیں اور آپ وقت کے کاملین سے ہوئے ہیں۔ صاحب معارج الولایت نے آپ کی تاریخ ولادت محرم الحرام کی چودہ تاریخ ۷۷۰ھ ہے اور وفات بروز جمعہ تیرہ ربیع الاول ۸۵۸ھ کو ہوئی۔ یہ سلطان محمد سلطان شرقی کے دور حکومت تھا

شہ دنیا و دین ابوالفتح حق بیں
کہ ذاتش مرشد راہ صواب ست
ولی حق نما ابوالفتح تولید
وفاتش نور حق فتاح یاب است

۸۵۸ھ

شیخ عارف قدس سرہٗ:۔ آپ شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند اور خلیفہ اعظم تھے۔ والد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور ہزاروں طالبان حق کی راہنمائی فرمائی۔

معارج الولایت کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق کے جو بھی اولاد ہوتی زندہ نہ رہتی تھی۔ آخر کار آپ کی بیوی نے آپ سے ہی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ حق حق حق کر کے فوت ہو جاتا ہے۔ میرے صلب میں صرف ایک ایسا بیٹا ہے جو زندہ رہے گا مگر ابھی تک اس کی پیدائش کا وقت نہیں۔

آیا۔ میں ایک سفر پہ جارہا ہوں۔ واپسی پہ آکر تمہیں بتاؤں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت سفر سے واپس آئے اور گھر قیام کیا۔ ایک سال گزرا تھا۔ کہ اللہ نے بیٹا دیا۔ جس کا نام عارف رکھا گیا۔ آپ نے اپنی بیوی کو فرمایا اسے کچھ نہ کہنا اور اللہ کی رضا پر قناعت کرنا۔ یہ لڑکا بڑا ہو کر ظاہری اور باطنی علوم کا یگانہ روزگار ہوا۔ اور فیض جاری ہوا حضرت شیخ عارف کے ایک فرزند شیخ محمد نے سلسلہ چشتیہ کو فروغ بخشا یہی شیخ محمد ہیں جن کے خلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہوئے ہیں

شجرہ چشتیہ نے آپ کی وفات ۸۵۹ھ لکھی ہے اور آپ چالیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

چو زیں دنیائے دوں رخت سفر بست
جناب شیخ عارف واقف حق
عجب تاریخ وصلش جلوہ گر شد
ز قطب الحق معلیٰ عارف حق

۸۵۸ھ

شیخ ابوالفتح علائی قریشی کالپوی قدس سرہٗ:- آپ سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے علوم ظاہری اور باطنی میں معروف زمانہ ہوئے طریقت و شریعت کے امام مانے گئے تھے۔ حرمین الشریفین کی زیارت کو گئے کتاب عوارف العارف آپ کی گران مایہ تصنیف ہے تصوّف میں ایک اور کتاب تکملہ بھی آپ نے لکھی۔ اسی طرح تصوّف میں مشاہدہ کتاب بھی لکھی آپ کی وفات ۸۶۲ھ کو ہوئی مزار پُرانوار کالپی میں ہے۔

چو رفت از عالم فانی بجنت
شہ اہل یقین ہادی ابو الفتح
چو سال انتقالش جستم از دل
بگفتا میر دیں ہادی ابو الفتح

شیخ پیارا قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ ید اللہ چشتی قدس سرہٗ کے مرید تھے اور پھر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیض پایا کہتے ہیں۔ جس دن حضرت گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ اے نوجوان۔ تم کبھی زندگی میں عشق و محبت میں بھی گرفتار ہوئے ہو۔ آپ نے از رہٗ ادب عرض کیا۔ حضور! میں عشق و محبت کو کیا جانوں میں تو آپ سے یہ چیزیں حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں: آپ نے فرمایا۔ میرے اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے دل کی کیفیت معلوم کر سکوں اور تمہارے نظریات کا اندازہ کر سکوں۔ تم پردہ نہ ڈالو۔ بلاکم و کاست میرے سوال کا جواب دو۔

آپ نے فرمایا۔ حضور جوانی کے جوش میں مجھے ایک خوبصورت ہندو عورت سے محبت ہو گئی تھی۔ میں اس کو ترستا تھا۔ مسلمان ہونے کے باوجود میں نے زنار پہننا شروع کر دیا۔ اور اپنی محبوبہ کے اشارے پر وہاں رہنا شروع کر دیا جہاں ہندو عورتیں بلاجھجک جا سکتی تھیں۔ اتنی بات سُنی تو حضرت خواجہ گیسو دراز نے اُٹھ کر آپ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اور فرمایا عشق عالی ہمت لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ تم نے بڑی بلند ہمتی سے اس راہ کو اختیار کیا ہے۔ اور عشق کی تلخیاں اور بے تابیاں برداشت کی ہیں۔ اب میں تجھے عشق حقیقی کی منازل طے کرانے میں آسانی محسوس کروں گا۔

چنانچہ اسی دن آپ کو بعیت کیا۔ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے میں بٹھایا۔ یہ حجرہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارکہ میں ہے اور روحانی تربیت دے کر مرد کامل بنا دیا۔

حضرت شیخ پیارا کی وفات ۸۶۵ھ میں ہوئی۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
ولی صاحب تفرید پیارا
سرور شد عیاں سال وصالش
ز کامل صاحب التوحید پیارا

آپ دیار لکھنؤ کے صاحب ولائیت تھے۔
شیخ مینا (شیخ محمد چشتی) قدس سرہٗ:- بچپن سے ہی حضرت شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں رہے اور آپ سے ہی خرقۂ خلافت حاصل کیا آپ کا اسم گرامی اس لئے مینا رکھا گیا تھا کہ شیخ قوام الدین کا ایک بیٹا تھا جس کا نام نظام الدین محمد مینا تھا۔ وہ دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے لئے بادشاہ وقت سلطان محمد بن فیروز شاہ کے دربار میں ملازم ہو گیا اور ترقی کرتے کرتے بلند مناصب پر جا پہنچا۔ شیخ قوام الدین کو بیٹے کی اس حرکت پر بڑا افسوس ہوا۔ اس سے مایوس ہو کر آپ دل برداشتہ تھے۔ مگر شیخ نظام الدین مینا حضرت شیخ قوام الدین کی خدمت میں مصروف رہے آپ بڑی خدمت کرتے مگر حضرت شیخ قوام الدین آپ پر خوش نہ ہوئے تھے آخر کار آپ نے فیصلہ کر لیا اپنے والد قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حاضر ہو کر معافی مانگوں اور اپنے والد بزرگوار کو فناتی طور پر آگاہ کیا۔ چنانچہ دربار سے روانہ ہوئے اور گھوڑے پر سوار ہی والد بزرگوار کی خانقاہ میں داخل ہو گئے۔ والد نے اپنے بیٹے کو اس حالت میں گھوڑے پر سوار دیکھا تو فرمایا او

نابکار ایک درویش کی خانقاہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر آ گئے ہو۔ اس نے اسی وقت گھوڑے کو روکا تاکہ باہر جا کر پا پیادہ حاضر ہو۔ مگر گھوڑے کا پاؤں بدکا۔ اور آپ گھوڑے سے گر پڑے اور وہاں ہی ہلاک ہو گئے۔

اس موقعہ پر آپ کی خانقاہ میں ایک درویش قطب الدین موجود تھا۔ حضرت کی خانقاہ اس پر پڑی۔ فرمایا۔ میرا دل چاہتا ہے۔ تجھے دعا دوں اللہ تجھے ایک بیٹا دے اس کا نام شیخ محمد مینا رکھنا یہ میرے بیٹے کا نعم البدل ہو گا۔ آخر اس دعا کے نتیجہ میں شیخ قطب الدین کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا دیا جس کا نام شیخ محمد مینا رکھا گیا۔ یہ بچہ بڑا ہوا۔ حضرت شیخ قوام الدین کا منظور نظر بنا۔ بلند مقامات پہ پہنچا۔ اور روحانی تربیت پا کر حضرت قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ اور جانشین قرار دیا گیا۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ حضرت مینا مادر زاد ولی اللہ تھے پانچ سال کی عمر میں قرآن پڑھنے کے لئے استاد کے پاس گئے۔ استاد نے کہا بسم اللہ پڑھو۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو استاد نے کہا پڑھو الف۔ آپ نے الف پڑھا۔ استاد نے کہا پڑھو ب۔ حضرت مینا کہنے لگے الف کے بعد ب کی ضرورت نہیں۔ میرا الف ہی مجھے اللہ کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے کافی ہے۔ پھر الف کے حرف کے وہ اسرار رموز بیان کئے کہ استاد دنگ رہ گیا۔

حضرت مینا تارک الدنیا تھے۔ آپ کو دنیا اور علائق دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ ایک رات دیوار پہ بیٹھے عبادت کر رہے تھے۔ نیند آ گئی۔ دیوار سے زمین پر آ گرے۔ اس کے بعد کبھی نیند نہ آئی۔ عبادت کے دوران اپنے چاروں طرف گھاس رکھ لیتے اور کانٹے بچھا لیتے۔ اگر نیند غلبہ کرتی تو کانٹے چبھتے۔ جس سے بیدار ہو جاتے۔ سردیوں میں قمیض بھگو کر پہنتے تاکہ

ٹھنڈک سے نیند نہ آئے۔

حضرت شیخ مینا ۸۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
محمد شاہ دین مقبول احمد
وصالش کن بیان معشوق مخدوم ۸۷۰ھ
دگر فرما خلیل حق محمد

۸۷۰ھ

شیخ شمس الدین طاہر قدس سرہٗ آپ قطب العالم شیخ نور الدین قدس سرہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ صاحب اخبار الاخیار نے آپ کو سید کبیر اور بزرگ بلند مرتبت لکھا ہے آپ ایک سو پچاس سال جیئے۔ اپنے مرشد کے علاوہ آپ کو خواجہ معین الدین حسنؒ سنجری سے بھی فیض ملا تھا۔ آپ نہایت محبت اور عقیدت سے اجمیر شریف میں رہے اس عرصہ میں ادباً اجمیر کے شہر میں نہ آپ نے تھوکا۔ اور نہ ہی ناک صاف کیا۔ پیشاب کے لئے شہر اجمیر سے دُور باہر چلے جاتے تھے۔ شہر میں داخل ہونے یا رہتے تو باوضو رہتے تھے۔ یہ احترام تھا اس شہر پر نور کا جس میں حضرت خواجہ اجمیری آسودۂ خاک ہیں۔

آپ کی وفات ۸۸۱ھ میں ہوئی تھی۔

چو شمس الدین بفردوس بریں رفت
وصال پاک آں خورشید آفاق
بادلی جلوہ گر شد تاج عزت
دوبارہ گشت روشن شمع عشاق

۸۸۱ھ

آپ حضرت شیخ پیارا کے خلیفہ اعظم ہیں

شاہ جلال الدین گجراتی قدس سرہٗ، بڑے صاحب تصرف اور کامل شیخ طریقت تھے۔ آپ کا وطن گجرات تھا۔ مگر بنگال میں زندگی بسر کی۔

اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں ایک شاہانہ تخت پر بادشاہوں کی طرح بیٹھتے تھے۔ اور اپنے مریدوں اور خادموں کے نام بادشاہوں کی طرح فرمان جاری کیا کرتے تھے۔ آخر ایک بد باطن شخص نے بادشاہ وقت کے کان بھرے کہ شاہ جلال الدین آپ کی سلطنت کے اندر ایک متبادل سلطنت چلا رہا ہے یہ سلسلہ قائم رہا تو ایک دن آپ کو اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے بادشاہ اس کی باتوں میں آ گیا اور فوج کو حکم دیا کہ شاہ جلال الدین اور ان کے مریدوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ فوج نے بڑھ کر خانقاہ پر حملہ کر کے آپ کو مریدوں سمیت قتل کر دیا۔ فوج خانقاہ میں آپ کے مریدوں کو تہہ تیغ کر رہی تھی۔ تو شاہ جلال الدین یا قہار یا قہار کا نعرہ لگا رہے تھے۔ مگر جب آپ پر تلوار چلائی گئی تو آپ نے تین بار یا رحمان یا رحمان کا نعرہ مارا۔ آپ کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑا۔ آپ کے سر سے اللہ اللہ اللہ کی آواز آ رہی تھی۔

آپ کی شہادت کا یہ واقعہ ۸۸۱ھ میں ہوا۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
شیخ والا جلال عالی جاہ
گفت سرور بسال رحلتِ او
والی حق جلال شہنشاہ

۸۸۱ھ

شاہ کاکو قدس سرہٗ:۔ آپ شاہ نورالدین قطب العالم کے مرید تھے۔ بسلسلہ نسب حضرت بابا فرید شکر گنج سے جا ملتا ہے۔ حضرت شیخ پیر محمد چشتی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیضان پایا تھا خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ کو ولایت لاہور ملی ایک کثیر مخلوق آپ کے فیض سے مستفیض ہوئی۔

تذکرہ چوہڑ قطب عالم کے مؤلف نے آپ کا سن وفات ۸۸۲ھ لکھا ہے اور مزار مبارک لاہور میں ہے ع۱۔

چو از دنیائے دول رخت سفر بست
جناب شاہ والا جاہ کاکو
چو سرور جست تاریخ وصالش
ندا شد شاہ اکبر شاہ کاکو
۸۸۲ھ

ع۱۔ حضرت شاہ کاکو رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک مسجد شہید گنج نولکھا بازار میں واقع ہے یہاں محلہ شاہ کاکو بھی آباد تھا۔ جسے دارا شکوہ نے اپنے محلات میں ضم کر لیا تھا۔ پھر سلطنت مغلیہ کو نادر شاہ اور احمد شاہ ایرانی کے ہاتھوں جو نقصان پہنچا۔ اس میں محلہ دارا شکوہ۔ محلات دارا شکوہ کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ کاکو رحمۃ اللہ کا مزار بھی پیوست زمین ہو گیا۔ سکھوں کا دور آیا تو انہوں نے اس مقام کو خصوصی طور پر اپنی بربریت کا نشانہ بنایا تھا۔ یہ بربریت ایک انتقامی کارروائی تھی۔ مغلوں کے سپہ سالار نواب عبدالصمد خان اور نواب معین الملک کے دور اقتدار میں سکھ لٹیروں اور باغیوں کو اسی مقام پر پھانسی دی جایا کرتی تھی۔ ان حالات میں مزار شاہ کاکو کے آثار مٹ گئے مگر میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں از روئے کشف اس مزار کو دریافت کر کے اپنے مریدوں کو توجہ دلائی۔ وہ ایک عرصہ تک اس مزار پر عرس ختم اور دیگر رسومات ادا کرنے میں متعدد رہے تھے سکھوں کے اقتدار کے بعد میاں سلطان ٹھیکیدار نے یہاں کے محلات کے کھنڈرات کی اینٹیں بیچنا شروع کیں تو مسجد شہید گنج۔ مزار حضرت کاکو۔ محلہ دارا شکوہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

آپ حضرت نورالدین قطب عالم

شیخ حسام الدّین مانک پوری قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے عظیم مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے ملفوظات رفیق العارفین میں آپ کے مقامات اور کرامات کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ خود لکھتے ہیں کہ خلافت حاصل کرنے کے بعد میں نے سات سال تک فاقہ کشی کی۔ اور فقیری میں بسر کی۔ پیاس لگتی تو پانی پی لیتا اور یاد خداوندی میں مشغول ہو جایا کرتا تھا۔ ایک روز میرے ایک بیٹے نے بھوک اور پیاس سے تنگ آکر روتے روتے میرے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ میں نے بیٹے کی تکلیف اور رونے سے متاثر ہو کر صرف اتنا کہا۔

اے عجبا - چوں توئی - ہمچو منی - دانہ بس۔

(ترجمہ :- تعجب ہے۔ جب تو میرا مالک ہے۔ اور میں تیرا بندہ ہوں۔ تو ایک ایک دانے کو ترس جاؤں۔ اسی وقت ایک شخص کھانے کا ایک طباق اٹھائے آیا

(بقیہ حاشیہ) اور دوسرے مقامات کے نشانات مٹ گئے۔ پھر مسجد شہید گنج کی بازیابی کے لئے تحریک چلی تو ۱۹۳۵ء میں سرایمرسن گورنر پنجاب اور سر سکندر حیات کی وزارت کے دوران اس سارے علاقہ کو سکھوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اگرچہ آج پاکستان کو بنے بیالیس سال ہو چکے ہیں اور سکھوں کو یہاں سے گئے بھی عرصہ ہو گیا ہے۔ مگر ابھی تک نہ مسجد شہید گنج تعمیر ہوئی۔ نہ کاکو شاہ کا مزار بنا آپ کے مزار پر ساڑھے تین سو سال تک عرس منایا جاتا رہا ہے۔ جہاں ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ کو نعت خوانی۔ قوالی۔ اور علمائے کرام کی تقاریر ہوا کرتی تھیں۔ حضرت کاکو شاہ صرف فقیر ہی نہ تھے۔ دنیاوی طور پر بڑے صاحب ثروت تھے۔ مرید کے ضلع شیخوپورہ میں آج تک کالا شاہ کاکو آپ کی جاگیر یاد کو تازہ کرتا ہے۔

٭ ٭ ٭

حالانکہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ایک اور شخص ایک من دال لے کر آ گیا مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ کہ میں نے کیا کر دیا۔ کہ لوگ کھانا اور دال لئے آ رہے ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو لعن طعن کیا۔ اور بڑی ملامت کی۔

ایک مقام پہ لکھتے ہیں کہ مجھے کتابیں تو بہت یاد تھیں۔ مگر جب میں اپنے پیرو مرشد کے پاؤں پہ اپنا سر رکھا تو مجھے سب کچھ بھول گیا۔ مگر مجھے وہ علم عطا ہوا۔ کہ اگر کوئی عالم دین میرے سامنے کتاب ہدایہ لے آئے تو میں اس کا سارا مطلب تصوف اور سلوک میں بیان کروں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابتدائے کار میں میرے والد اس لئے ناراض تھے کہ میں نے مشکل سے علم حاصل کیا تھا۔ اسے کیوں برباد کر دیا ہے۔ یہ بات جب میرے پیرو مرشد نے سنی تو فرمایا۔ کہ درویش کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو نوک شمشیر کے نیچے رکھے۔ لیکن علماء چاہتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی تلوار کے نیچے رکھیں مرد حق وہ ہے جو دونوں کام کرتے تلوار چلانا بھی جانتا ہو اور تلوار کے سامنے گلا کٹانے کے لئے بھی تیار ہو اَلمَاءُ بِمَا لَہٗ والرَّجَلُ بِمَالَہٗ۔ میرے جذبات کا یہ عالم تھا۔ کہ میرے لبوں پہ اللہ کا نام لینا مشکل تھا۔ اگر لب پہ لفظ اللہ آ جاتا تو میں بے تاب ہو جاتا۔ اور لوگ مجھے دیوانہ سمجھنے لگتے تھے۔ جب میں اپنے پیر کی تلاش میں گھر سے نکلا۔ تو قدم قدم سے آواز آتی۔ چلے آؤ۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ فکر نہ کرو آؤ۔ آؤ۔

ایک دن میں کشتی میں سوار ہوا۔ تو میرے ساتھ ہی ایک پھٹے پرانے کپڑوں والا درویش بھی سوار تھا۔ کشتی پانی سے کنارے پہ آ گئی۔ مگر وہ درویش دریا میں ڈوب گیا۔ کسی شخص نے اس کے ڈوبنے کی طرف خیال تک نہ کیا۔ میں موضع پنڈوہ میں آیا حضرت کے قدم چومے۔ غور سے دیکھا۔ تو حضرت قطب العالم وہی ڈوبنے والے درویش تھے۔"

یشیخ حسام الدین مانک پوری ۸۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

چوں حسام الدین شہ ہر دوسرا

رفت از عالم بفر دوس برین

گفت سال انتقال او فرد

ہادی مشکل کشا مطلوب دین

آپ حضرت شیخ مینا کے مرید تھے

یشیخ سعد الدین خیر آبادی قدس سرہٗ:۔ شرعی حدود پر سختی سے کاربند رہتے تھے آداب طریقت کی پابندی کرتے تھے۔ تجرید وتفرید میں اپنے پیر و مرشد کے پیرکار تھے۔ وجد وسماع کے دلدادہ تھے۔ علم نحو۔ فقہ۔ اصول میں صاحب تصنیفات تھے شرح مصباح اور شرح کافیہ آپ کی تصانیف ہیں آپ نے رسالہ ملکیہ کی بھی ایک شرح لکھی تھی خزانہ جلالی کی طرز پر مجمع السلوک لکھی جو حضرت یشیخ مینا اور اپنے احوال و آثار پر مشتمل ہے عوارف المعارف کو اپنے پیرو مرشد سے پڑھا کرتے تھے۔ یشیخ سعد الدین خیر آبادی کے بہت سے بڑے مرید اور شاگرد تھے ظاہر علوم میں آپ کے شاگرد مولانا اعظم تھے جو اپنے زمانے نامور فقیہ اور عالم تھے۔ یشیخ حلفی آپ کے مرید خاص ہوئے ہیں۔ یشیخ مبارک سندیلہ جو شریعت و طریقت میں شہرت یافتہ تھے۔ آپ کے خاص شاگرد تھے۔ صاحب تذکرہ الاقطاب نے آپ کا سن وفات ۸۸۲ھ لکھا ہے۔

سعد دین اسعد و سعید زمن

شد ز دنیا چو در بہشت برین

گفت سرور بسال تاریخش

کاشف حق سعید سعد الدین

۸۸۲ھ

شاہ میانجی قدس سرہٗ: آپ ایک واسطہ سے حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ کامل درویش اور اکمل عالم دین تھے آپ کے زمانہ میں مندو کے علاقہ میں آپ کا پائے کا کوئی بزرگ نہیں ہوا تھا۔ آپ اس ولائیت کے شیخ طریقت تھے۔ ایک سو بیس سال زندگی پائی تھی۔ جبکہ آپ کے پیر ایک سو پچاس سال جئے تھے۔

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ جب کی پہلی تاریخ سے اعتکاف والے حجرے کو پتھروں کی چنائی کر کے بند کر دیا کرتے تھے اس طرح آپ چھ ماہ تک کھائے پئے بغیر ذکر الہٰی میں مشغول رہتے تھے جس دن حجرے سے باہر آنے کا ارادہ کرتے تو اندر سے زور زور سے آوازیں دیتے۔ اور لوگوں کو ہدایت کرتے کہ حجرے کے دروازے سے دُور دور چلے جاؤ۔ جب مرید چلے جاتے تو آپ دروازے کے پتھر ہٹا کر باہر تشریف لاتے۔ اگر کوئی اتفاقاً سامنے آجاتا۔ شیخ کی جلالی نظر اس پر پڑ جاتی تو وہ دو دن تک بے ہوش پڑا رہتا تھا۔ اس شہر کا قاضی آپ کے کمالات کا منکر تھا۔ اس نے کئی بار آپ کا محاسبہ کیا ایک دن آپ حجرے سے نکلے تو قاضی سامنے تھا۔ آپ کی نگاہ قاضی پر پڑی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اور دو دن تک پڑا رہا ایک دن قاضی حضرت شیخ کے احتساب کے لئے آپ کے گھر آیا۔ پالکی پر سوار تھا۔ شیخ کے مکان کے دروازے پر پہنچا تو دروازے پر دستک دی۔ شیخ نے کوٹھے سے دیکھا تو پالکی اٹھانے والوں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے قاضی کے ہاتھ کانپ گئے۔ درہ زمین پر جا گرا۔ قاضی شریعت کا بڑا پابند تھا۔ اور احتساب میں سخت گیر تھا۔ دوبارہ درّہ اٹھایا اور کوٹھے پر چڑھنے لگا۔ حضرت شیخ نے دوبارہ اس پر نگاہ ڈالی۔ قاضی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اوپر لے گئے۔ قاضی نے دیکھا کہ شراب کی صراحی پڑی ہے۔ قاضی نے پوچھا یہ کیا ہے۔ آپ نے صراحی سے ایک پیالہ بھر کر

پیش کیا تو وہ خالص شربت تھا۔ شیخ نے فرمایا بسم اللہ کرکے نوش فرمایئے۔ قاضی شرمندہ ہوکر نیچے اتر آیا۔

شاہ میانجی کی وفات ۸۸۹ھ میں ہوئی۔

میانجی شاہ شہنشاہ عالی
چو رفت از دار دنیا سوئے جنت
رقم کن کاشفِ ممتاز سالش
۸۸۹ھ
دگر فرماز ہے براکرامت

۸۸۹ھ

سیّد محمد بن جعفر المکی الحسینی الحبشتی قدس سرہٗ، آپ حضرت چراغ دہلوی کے خلیفہ اعظم تھے۔ تجرید و تفرید میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ نے اپنے احوال و مقامات پر لکھا ہے اس کے پڑھنے سے عقل حیران رہ جاتی ہے وہ اپنے وقت کے کاملین میں سے تھے۔

آپ کی ایک تصنیف بحر المعانی ہے جس میں توحید کے حقائق اور معرفت کے اسرار تحریر ہیں۔ اس میں مستانہ انکشافات کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ آپ کی دو کتابیں دقائق المعانی اور حقائق المعانی بھی اہل معرفت میں بڑی مقبول ہوئی تھیں اسرار روح پر ایک رسالہ ہے۔ پنج نکات اور بحر الانساب دو ایسے رسالے ہیں۔ جن میں اہل بیت رسول کے فضائل اور کمالات بیان کئے گئے ہیں اور اپنے آباو اجداد کی نسبت کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن جب ہم ان دعووں کو غور سے دیکھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ حق پر مبنی ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی لمبی عمر بخشی تھی۔ خاندان تغلق سے لے کر سلطان بہلول لودھی تک زندہ رہے۔ آپ کی عمر دو سو سال تھی۔ آپ کے آبا و اجداد کا تعلق مکہ مکرمہ

سے تھا۔ ہندوستان آئے تو سرہند میں قیام کیا۔ آپ کا مزار سرہند شریف میں ہی ہے۔

اپنی کتاب بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ میں ساٹھ سال تک ظاہری علوم حاصل کرتا رہا معرفت وطریقت سے بے خبر رہا اگرچہ میں نے ظاہری علوم میں بڑا کمال حاصل کیا۔ مگر باطنی اسرار سے بے خبر تھا۔ اب میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو عام نظروں سے غائب ہیں اور وہ باتیں سنتا ہوں جنہیں تمام کان نہیں سن سکتے۔ آپ اس کتاب میں قطبوں۔ ولیوں۔ اوتاد۔ افراد اور رجال الغیب کے حالات لکھتے ہیں۔ ان حضرات کے مقامات و مراتب کو ایسے انداز میں بیان کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ میں ان تمام حضرات سے ملا ہوں۔ استفادہ کیا ہے اور ان کے مقامات و مراتب سے آگاہ ہوا ہوں۔ پھر لکھتے ہیں۔ تین سو پچاس ابدال ایسے ہیں جو دریائے نیل کے منبع پر پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ اور ان سے ملاقات کی تھی۔ وہ خاموش پہاڑوں میں خاموشی سے رہتے ہیں۔ درختوں کے پتے کھا کر جیتے ہیں کبھی کبھی تلخ بیا یا پانی کھا لیتے ہیں۔ ان کے علاوہ افراد لاتعداد ہیں۔ میں اکثر ان سے بھی ملا ہوں۔ وہ عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں مگر قطب وقت انہیں دیکھتا رہتا ہے۔ ان تمام حضرات مقدسہ میں سے دو اوتاد ایسے ہیں جو مقام معشوقیت تک پہنچے ہیں وہ اس مقام پر ہیں۔ کہ اس مقام پر کسی دوسرے کی رسائی نہیں ہے۔ ان میں ایک تو شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ہیں روحانی طور پر دونوں روح احمدی کا مظہر ہیں میں ایک دن دریائے نیل میں ایک کشتی پر بیٹھا تھا۔ میرے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام بھی سیر کر رہے تھے۔ ہم مشاہدہ لا یزالی پر گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا۔ کہ اس کائنات میں سید عبد القادر جیلانی۔ اور خواجہ نظام الدین اولیاء دو ایسے بزرگ ہیں جو مقام معشوق

اور محبوبی پر فائز ہیں۔

ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں۔ کہ میں نوے سال صحو میں رہا۔ اور اکیس سال سکر کی حالت میں رہا۔ ان ایام میں مجھے ماسوی اللہ سے کسی چیز کی خبر نہ تھی۔ میں ایک عرصہ تک جوار یعقوب اور یمنی میں رہا ہوں۔ انہوں نے میرے مقام صحو اور سکر کا ذکر کیا ہے۔ میں اکیس سال سکر میں رہا۔ مگر اب میں چند سال سے مستی سے فردانیت کے مقام پہ آگیا ہوں۔

فریدم فرد بنشستم کہ در خود
ز فردیت بے انوار دارم
اگر موسیٰ نیم موسیچہ ہستم
داون سینہ موسیقار دارم

جب فرد حقیقت سے ترقی کر کے حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی آگے بڑھے۔ تو میں ان کی راہنمائی میں تجلی صفات سے تجلی ذات کے مقام فردانیت میں آیا۔ تو میں نے فرد حقیقت کو خواب میں دیکھا جو ذکر خفی کر رہے تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر خاک آستان کو اپنے چہرے پہ ملنے کی سعادت حاصل کی تو فرمانے لگے" اے شہباز میدان لاہوت اور اے پاک باز عالم جبروت اور اے بازیافتہ عالم ملکوت وناسوت۔ یہ کہہ کر آپ نے میری آنکھوں میں ایک سلائی سے سرمہ ڈالا اور فرمایا یہ سر جلال جمال ذات کا ہے یہ واقعہ ۸۱۱ھ میں پیش آیا تھا۔ رات ہوئی۔ تو میں نے وہاں سے پرواز بھری اور ختلان سے مصر پہنچا۔ اور شیخ اوحد سمنانی قدس سرہ کی قدم بوسی کی۔ اس وقت آپ قطب عالم کے منصب پر فائز تھے۔ آپ نے بھی مجھے انہی الفاظ اور انعامات سے نوازا جسے فرد حقیقت نے نوازا تھا۔ آپ نے نہایت شفقت سے اپنے حجرۂ خاص میں ایک کونہ عطا فرمایا۔ میرے علاوہ اس حجرے میں دو اور افراد

بھی موجود تھے۔ ایک تو صوفی تھے۔ اور دوسرے ایک طالب علم تھے۔ شام کی نماز پڑھنے کے بعد میں نے وہاں سے پرواز کی اور عشاء کی نماز حضرت قطب العالم شیخ اوحد سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پڑھی۔ رات کو تین بار قرآن پاک ختم کیا۔ اور تیرہ پارے مزید پڑھے۔ اس رات میرا قلب وسیع ہوتا گیا۔ اور میں عرش عظیم کے کنگروں تک جا پہنچا مجھے مزید وسعت ملی تو مجھے یوں دکھائی دیا۔ کہ عرش عظیم میری نگاہ میں ایک رائی کے دانے کی طرح ہے میں نے اپنے آپ پر نگاہ ڈالی۔ تو میرے بدن کا رواں رواں ایک تصویر بنا ہوا ہے اور ہر تصویر میری ہم شکل ہے۔ اب یہ صورتیں مٹنا شروع ہوئیں تمام افلاک۔ آفاق۔ اماکن۔ عالم انفس بے کیف نظر آنے لگے۔ تمام تجلیات اسماء صفات افعال اور آثار محو ہونے لگے۔ ایک آنکھ جھپکنے میں مجھے ستر ہزار عالم نظر آنے لگے اور کلام الہٰی کو بلا واسطہ سنا۔ مجھے ایک ندا آئی۔ یا عبدی۔ جلالی۔ حجاب جمالی۔ انوار جلالی۔ وانت بین الجلال والجمال میں تجلی ذات کے کلام سے بھی مشرف ہوا اور اس مشاہدہ کی کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اسی دن میں نے مقام لاہوت میں نزول کیا۔ یہ مقام فردانیت ہے۔ تجلی ذات کے بعد میں سترہ روز تک عالم صحو میں رہا۔ اس دوران حضرت شیخ اوحد الدین سمنانی کبھی کبھی میرے حجرے میں تشریف لایا کرتے تھے اور میری پیشانی پر بوسہ دیا کرتے تھے اگر حضرت سمنانی میرے حال کی نگرانی نہ فرماتے تو حجرے کے نگران مجھے مردہ جان کر دفن کر دیتے۔

آپ نے بحر معانی میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک سوال کیا مگر میں ان کے سوال کا جواب دیا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائے حال میں کئی سال تک مجھے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی تمنا ہوئی جب ملتے تو میں بعض سوالات کرتا تھا۔ وہ ان کا جواب دینا مناسب خیال نہ کرتے تھے۔ آج ان کی خواہش ہے کہ وہ سوالات کریں میں جواب دینے سے احتراز کرتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ وہ اپنی ذات کی حفاظت کے درپے ہیں لیکن مجھے اگر ہزار جانیں بھی دی جائیں تو میں انہیں اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے تو صرف خیرالکلام کی فکر ہے میں اتنی بات کرتا ہوں جو مختصر ہو مگر نہایت ضروری ہو۔

میں لکھتے وقت بھی اجمالی طور پر الفاظ کا استعمال کرتا ہوں اگر اسرار الٰہیہ کو مفصل لکھنا شروع کروں تو مجھے تورات کی طرح کئی اونٹ درکار ہوں گے جن پر اپنی تحریریں لاد سکوں۔ میری یہ باتیں فرمان عظیم کی شرح ہیں۔ اور یہی خیرالکلام ہے آپ نے بحرالمعانی میں لکھا ہے کہ میں پورے بیس سال اپنے پیرو مرشد کی آستان پر سر نیاز جھکائے رہا ہوں۔ اس ارادت کے بعد تین کاموں میں مشغول ہو گیا۔ ایک تو یہ کہ پانچوں وقت میں اپنے پیرو مرشد کو وضو کرانے کے لئے پانی لے کر حاضر رہتا۔ دوسرے ان کے حجرے کا چراغ روشن رکھنا میری ذمہ داری تھی۔ اگر چراغ رکھنے کی جگہ نہ ملتی تو ساری ساری رات اپنے ہاتھ پر اٹھائے کھڑا رہتا۔ تیسرے اپنے پیرو مرشد کے استنجا کے لئے مٹی کے ڈھیلے تیار رکھتا تھا۔ ہر روز تازہ ڈھیلے لاتا۔ پہلے انہیں اپنی گالوں سے لگا کر صاف کرتا۔ پھر ایک جگہ رکھا کرتا تھا۔ یہ خدمات سلطان محمد تغلق کے دور اقتدار میں سرانجام دیتا رہا ہوں۔

اس کے بعد اپنے پیرو مرشد کی اجازت سے تین سو بیاسی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے نکلا۔ یہ اولیاء اللہ اس زمانے کے مشاہیر مشائخ تھے۔ نام بنام قریہ بہ قریہ۔ ملک بہ ملک ان کی خدمت میں پہنچا۔ دُور دراز سفر کیئے۔ میں نے ان حالات کو اپنی ایک اور کتاب میں سپرد قلم کیا ہے۔ میں اس سفر میں صفوان بن قصی جو عبدالمناف کے بھائی تھے۔ ملا۔ یہ بزرگ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ میں انہیں ایک غار میں ملا۔ جس دن میں نے ان کی قدم بوسی کی تو اس وقت وہ نو سو بارہ سال کے ہو چکے تھے۔ آپ نے مجھے بتایا۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ نے میری درازی عمر کے لئے دعا

فرمائی تھی۔ صفوان کا واقعہ آپ کی کتاب بحر المعانی میں تفصیلی طور پر موجود ہے پھر یہی واقعہ آپ کی کتاب بحر الانساب میں بھی ہے۔ اگرچہ اس واقعہ کو ہم احادیث اور سیرت کی کتابوں میں نہیں پاتے۔ تاہم ہم نے بحر المعانی کے حوالے سے یہ واقعات درج کئے ہیں۔

بحر المعانی کے آخری حصے میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ میں ستائیس ماہ محرم الحرام بروز جمعرات اپنا چھتیسواں مکتوب لکھ رہا ہوں۔ میرا قلم عشق کے اسرار کے میدان میں رواں دواں ہے میرا قلم جب اس جملے پر پہنچا۔ زُرْنِی غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا" (مجھے کبھی کبھی ملا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے)، تو میں کانپ اٹھا۔ سر زانو پر رکھ کر سوچنے لگا۔ بے خود ہو گیا اسی عالم بیخودی میں مجھے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا۔ حضور مسجد قبا میں جلوہ فرما ہیں۔ تمام صحابہ اور اولیائے امت سے مجلس سجی ہوئی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ میرے مرشد حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ تک تمام اولیائے امت موجود ہیں اسی اثنا میں حضور پُرنور نے فارسی زبان میں مجھے مخاطب فرمایا۔ اے میرے بیٹے۔ تم عشق حضرت لم یزل لایزال میں مست ہو۔ اپنی کتاب بحر المعانی ہماری خدمت میں پیش کرو۔ میں اسی وقت پینتیس مکتوبات جو مکمل کئے تھے اور یہ چھتیسواں مکتوب جو ابھی نامکمل تھا۔ پیش کیا۔ حضور کے دست مبارک پر لا رکھا۔ حضور نے ان تمام مکتوبات کو نگاہ نبوت سے ایک لمحہ میں پڑھ لیا فرمایا۔ الحمد للہ الذی الھمک یا ولدی علم الاسرار واد شرک اللہ فی زیادۃ علمک پھر آپ نے فرمایا حضرات۔ بحر المعانی کا مؤلف ایک ایسا مرد ہے جس نے قرآن مجید کے معانی اور مطالب کو بحر المعانی میں جمع کیا ہے۔ اگر آج دنیا کے سارے علوم محو ہو جائیں۔ اور ان سے ایک ورق بھی نہ رہے یہ شخص قلم اٹھا کر ان تمام علوم کو از سر نو تحریر کر سکتا ہے۔

آپ نے مجھے حکم دیا۔ بیٹا! اس کے بعد علوم اسرار الٰہیہ کو صحرا میں نہ بکھیرا کرو۔ اس سے امور شریف کو نقصان پہنچتا ہے۔ میں نے قدم بوسی کر کے آپ کے فرمان کو قبول کیا اور اس مکتوب سے آگے ایک حرف بھی نہ لکھا حضور نے میری کتاب بحر المعانی کو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپ نے نگاہ ولائیت سے پڑھ کر حضرت خواجہ حسن بصری کو پکڑا دی آپ نے خواجہ عبدالواحد بن زید کو دے دی اس طرح تمام مشائخ سلسلہ سے ہوتی ہوئی خواجہ شیخ نصیر محمود چراغ دہلی کو دے دی گئی۔

حضرت سید محمد الحسینی ۸۹۱ھ میں فوت ہوئے یہ وفات سلطان بہلول لودھی کی وفات سے ایک سال قبل ہوئی تھی۔ سلسلہ چشتیہ میں آپ جیسا طویل العمر کوئی بزرگ نہیں ہوا۔

چوں محمد ابن جعفر مردیں
گشت از دنیا بجنت جائے گیر
گفت سرور پیر کامل متقی
۸۹۱ھ
سال وصلش آں شہ برنا دبیر

شیخ محمد قلاوہ قدس سرہٗ آپ ابتدائے کار میں حضرت شیخ احمد بدایونی کے مرید تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں ایک خاصا وقت دیا۔ پھر حضرت جلال گجراتی کی صحبت میں آئے۔ اور عشق کے معاملات کو درست کر کے اعلیٰ مقامات پر پہنچے۔

کہتے ہیں ایک دن حضرت شیخ محمد مجلس سماع میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے ایک ایسی غزل چھیڑی جس میں بعد و فراق کے احوال و کیفیت کی ترجمانی تھی۔ شیخ کو اس قدر رقت اور وجد طاری ہوا۔ کہ روح جلنے لگی ایک واقف حال نے قوالوں

کو کہا کہ اب ایسی غزل چھیڑو جس میں قرب وصال کی کیفیت بیان کی گئی ہو۔ قوالوں اشعار وصل شروع کئے تو شیخ کے دل کی کیفیت خوشگوار ہو گئی اور چہرے پر رونق آگئی یوں محسوس ہوتا تھا کہ از سرِ نو زندگی آگئی ہے اور شیخ میں تازہ روح کام کرنے لگی ہے۔

ایک بار آپ کے گھر آگ لگ گئی غلہ دان میں جس قدر آئندہ فصل کے لئے بیج رکھا تھا تمام کا تمام جل گیا۔ فصل کا موسم آیا۔ تو آپ کو بتایا گیا۔ کہ سارا بیج تو عرصہ ہوا جل گیا تھا فرمانے لگے۔ ہم تو خود سوختہ جاں ہیں۔ بھلا بیج کو جلا کر کہا گیا۔ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ اے اللہ ہر بار تو اپنے کرم اور مرضی سے میرے کام سنوارتا ہے اب میری التجا پر فضل فرما۔ میرے پاس غلہ دان میں وہی بیج تھا۔ جو جل گیا ہے اب میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تیرا فضل ہی ہونا چاہیئے۔ اب میں تو جلا ہوا بیج ہی اپنے کھیت میں ڈالوں گا۔ اور کیا کر سکتا ہوں کہتے ہیں کہ جلے ہوئے بیج سے اتنی فصل ہوئی کہ ایک ایک بوٹے کے ساتھ سات سات خوشے نکلے اور ایک ایک خوشے میں بھرے ہوئے دانے لوگوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے یہ بات بادشاہ وقت سکندر لودھی کے سامنے بیان کی گئی تو بادشاہ نے دو نفل ادا کر کے اللہ کا شکر ادا کیا۔ کہ میرے عہد حکومت میں ایسے ایسے صاحب کرامت لوگ بھی موجود ہیں جن کی دعا سے جلے ہوئے بیج سے بھرپور فصل پیدا ہوتی ہے!۔

ایک مجلس سماع میں آپ پر وجد طاری تھا اور آپ رقص کر رہے تھے اس علاقہ کا ایک امیر اور رئیس ہندو وہاں سے گزرا۔ مجلس سماع کے پاس کھڑا ہو کر سننے لگا چند لمحوں بعد اس پر رقت طاری ہو گئی وہ چلا کر اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا مجھے یہاں سے لے چلو۔ ورنہ میں اپنے دین سے دست بردار ہو کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا۔ اور دُور لے گئے۔ کچھ وقت کے

بعد وہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا۔ یہ مسلمان اپنے خدا کو اٹھائے رقص کر رہے تھے اگر چند لمحے اور ٹھہرتے تو میں مسلمان ہو چلا تھا اور ان کے پاؤں میں گر کر ہندو دیت سے توبہ کرنے والا تھا۔

معارج الولائیت نے آپ کا سن وفات ۹۰۰ھ لکھا ہے آپ کا مزار ملاوہ مضافات قنوج میں ہے۔

چو از دنیا لقیر دوس بریں رفت
محمد طارج معراج اسرار
وصال او زہ پیر محتہرم گیر ۹۰۰ھ
دگر فرما محمد تاج ابرار
۹۰۰ھ

حضرت شیخ جنید حصادی علیہ الرحمۃ الباری :- آپ حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے صاحب کرامت اور کمالات تھے۔ وہ تحریر میں اس قدر تیز قلم تھے۔ کہ محسوس ہوتا تھا۔ کہ قلم نہیں کرامت ہے تین دن میں مکمل قرآن پاک اعراب کے ساتھ صحیح صحیح لکھ لیا کرتے تھے ان کے بے شمار کرامات مشہور ہیں۔ وہ اپنے ایک رسالے میں اس دنیا اور اس دنیا سے ماوراء کئی جہانوں کے واقعات قلمبند کر چکے ہیں جو عقل و فکر سے بھی ماوراء ہیں۔ ان کی اولاد نے ان واقعات کو رسالے سے اس لئے مٹا دیا تھا کہ لوگوں کو دھوکا نہ ہو۔

حضرت شیخ جنید ۹۰۰ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار حصار میں واقع ہے

شیخ عالم۔ عالم و عاقل جنید
سال ترحیلش جو چشم از خرد

گفت کامل خواجہ واصل جنید

۹۰۰ھ

شیخ عالم عالم و عاقل جنید
شد چو از دنیا بفردوس بریں
سال ترحیلش جو جستم از خرد
گفت کامل خواجہ واصل جنید

۹۰۰ھ

شیخ حسین ناگوری قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ کبیر کے خلیفہ اعظم تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا تھا شریعت و طریقت اور حقیقت میں اہل ہندوستان کے امام جانے جاتے تھے ان کی ولایت اور عظمت پر تمام اہل اللہ قائل تھے بڑے صاحب ذوق اہل محبت کے پیشوا۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے گجرات میں رہ کر اپنے پیر و مرشد سے ظاہری اور باطنی علوم حاصل کئے اپنے وطن واپس آئے کئی سال حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر مجاور رہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے جن دنوں اجمیر ویران ہو گیا۔ اجمیر کے گرد و نواح میں وحشی جانوروں کا بسیرا تھا صرف آپ اکیلے ہی حضرت خواجہ اجمیری کے حجرے میں قیام فرما رہے ابھی حضرت خواجہ اجمیری کے مزار پر عمارت نہ بنی تھی۔ آپ نے کئی سال محنت کر کے گنبد کھڑا کیا اور شاندار عمارت بنوائی۔ پھر ایک وقت آیا۔ کہ حضرت خواجہ اجمیری کے روحانی حکم پر ناگور چلے گئے۔ وہاں ایک دار العلوم قائم کیا اور لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کرنے میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے نور النبی کے نام سے قرآن پاک کی تیس جلدوں پر ایک تفسیر لکھی ہے ہر پارے کی علیحدہ علیحدہ جلد ہے

اس میں معانی اور بیان کی روشنی میں مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ علوم دینیہ کے علاوہ اسرار الہیہ بھی بیان کر دیئے ہیں۔ آپ کی ایک کتاب مفتاح بھی بہت مشہور رہی۔ آپ کے قلم سے اور بھی کئی رسالے اور تصوف کی کتابیں سامنے آئی ہیں۔ آپ نے شیخ احمد غزالی کی سوانح کی شرح لکھی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے حضور سرور کائنات کی زیارت ہو جاتی ہے۔ آپ بذات خود حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں رہتے تھے۔ آپ کے پاس زمین۔ باغات اور کنوئیں جتنے بھی تھے۔ حضور کے نام نامی پر نثار کر کے غرباء میں تقسیم کر دیئے گئے۔

ایک بار ایسا ہوا۔ کہ آپ نے بہت سے لوگوں کی دعوت کی۔ مگر اپنی افطاری کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھ لیا۔ کچھ دیر بعد چند مسافر آپہنچے جنہیں پہلے نہ کسی نے دیکھا تھا۔ نہ انہیں کوئی پہچانتا تھا۔ یہ سارے مسافر کوڑھ کے مرض میں اس حد تک مبتلا تھے کہ ان کی انگلیوں سے خون اور پیپ رستی تھی انہوں نے آپ سے کھانے کے لئے کچھ مانگا۔ آپ افطاری کے لئے جو کچھ ساگ۔ دہی اور چاول رکھے تھے۔ انہیں دے دیا وہ شام تک کھاتے رہے افطاری کا وقت ہوا تو وہ کہنے لگے اب ہمارا جو جھوٹا جو کچھ بچا ہے۔ اس سے روزہ افطار کریں۔ آپ پر غلبہ حال تھا۔ آپ نے ان کا پس خوردہ کھانا شروع کر دیا۔ اسی دن سے آپ کے فتوحات روحانی اور ظاہری کھل گئے اور آپ پر اللہ کی رحمت کی بارشیں ہوتے لگیں۔

حضرت حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بہلی پر سفر کیا کرتے تھے۔ اس بہلی کو خود ہی چلاتے اور اپنے بیلوں کی خود ہی خاطر و مدارات کرتے تھے۔ لیکن لباس نہایت ہی میلا کچیلا اور بوسیدہ پہنا کرتے تھے۔ صاحب الاخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایسے لباس میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ایک شخص شیخ عبد القادر نامی بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا۔ ان دنوں دہلی میں رہا کرتا تھا وہ فقیرانہ لباس

میں رہتا تھا۔ وہ اکثر حضرت حسین کے پاس حاضری دیا کرتا تھا وہ تین کپڑوں میں رہتا۔ پگڑی۔ قمیض اور شلوار ایک ہی رنگ کے ہوتے۔ جن کی قیمت ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہوتی تھی آپ اس درویش کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

ایک بار آپ مجلس سماع میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں کی ایک غزل پر آپ پر وجد طاری ہو گیا وہ اسی حالت میں اٹھے اور گھر بار چھوڑ کر شہر کے باہر صحرا میں چلے گئے آپ کے پیچھے پیچھے مجلس کے تمام لوگ جن میں مسلمان غیر مسلم سب شامل تھے۔ ہو لیئے۔ قوال بھی نظم پڑھتے پڑھتے پیچھے تھے۔ صحرا میں ایک بہت بڑی جھیل ہے۔ آپ اس کے کنارے پر پہنچے تو رکنے کی بجائے پانی پر سے یوں گزرے جیسے خشکی پر گزرتے ہیں۔ آپ کے ساتھ ہی تمام لوگ بھی پانی کی جھیل پر سے گزر گئے۔ البتہ قوال کنارے پر رک گئے اور وہ آگے نہ جا سکے اس طرح آپ کچھ راستہ آگے جا کر رک گئے۔ سلطان غیاث الدین کی بڑی خواہش تھی۔ کہ آپ کبھی ان کے دربار میں تشریف لائیں۔ اس نے کئی بار التماس کی کہ آپ مندوا میں قدم رنجہ فرمائیں مگر آپ ہمیشہ انکار کر دیتے۔ ایک بار سلطان کے دربار میں حضور سرور کائنات کا "موئے مبارک" لایا گیا۔ لوگوں نے سلطان کو کہا کہ اگر حضرت شیخ حسین گوالیاری کو اس بات کی خبر پہنچائی جائے تو وہ خود بخود دربار میں آئیں گے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے سرکاری ذرائع سے حضرت کے شہر میں "موئے مبارک" کی آمد کی خبر عام کر دی۔ حضرت سنتے ہی تیار ہو گئے اپنی بہلی پر بیٹھے۔ صلوٰۃ وسلام پڑھتے روانہ ہوئے۔ جب آپ اس شہر کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ استقبال کے لئے آگے آیا۔ اس نے دیکھا ایک گرد آلود شخص چلا آرہا ہے اور بیلوں کو خود ہی ہانک رہا ہے۔ لوگوں نے بادشاہ کو بتایا۔ کہ یہی حضرت حسین ناگوری ہیں۔ سلطان نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا میں تو صرف "موئے مبارک" کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔ "موئے مبارک" سامنے لایا گیا

تو موئے مبارک" اُڑ کر آپ کے ہاتھ میں آپہنچا۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا۔ آپ کو اپنے والد کی قبر پر لے گیا۔ آپ نے دعا مغفرت کی اور ساتھ ہی اس کے والد کی قبر میں بعد از وفات کے حالات بیان کئے۔ بادشاہ نے آپ کی خدمت میں قیمتی تحائف پیش کئے اور نقدی بھی نذر کی۔ مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اسی مجلس میں حضرت شیخ کے بیٹے کے دل میں خیال آیا کہ اتنا مال و دولت واپس کرنا اچھا نہیں حضرت شیخ نے بیٹے کی خواہش کو بھانپ لیا۔ فرمایا۔ بیٹا۔ یہ سانپ ہیں کوئی عقلمند سانپوں کو اپنے گلے نہیں ڈالتا۔ لیکن اگر تم اس پر قربان ہی ہو گئے ہو تو میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اس روپے سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار کی تعمیر کرو۔ اور جو روپیہ بچے اپنے دادا کے مزار کی تعمیر میں صرف کر دو۔ مجھے میرے پیران عظام نے بتایا تھا۔ کہ ایک وقت آئے گا کہ تمہیں بہت سا مال و زر ملے گا۔ شائید یہ مال و زر وہی ہو۔ لیکن آپ کے حکم پر یہ روپیہ لے لیا گیا اور حضرت اجمیری کے مزار مبارک کی تعمیر میں لگا دیا گیا۔ روضہ مبارک کی تعمیر تو حضرت نے کر دی۔ مگر بعد میں مسلمان بادشاہوں نے دوسری عمارات بنائی تھیں اسی طرح حضرت شیخ حسین نے خواجہ حمید الدین چشتی کا مزار بنایا۔ مگر اس کی چار دیواری بعد میں مسلمان بادشاہوں نے بنائی تھی۔ سلطان محمد تغلق نے اس مقبرہ کی عمارات کو بڑے عالی شان طریقہ سے بنایا تھا۔

حضرت شیخ حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۹۰۱ھ میں ہوئی تھی۔

کرد رحلت چو از جہاں فنا
شد بدار الاسلام خاص حسین
عارف متقی است فارنجش
۹۰۱ھ
ہم بفخر ما امام خاص حسین

۹۰۱ھ

راجی حامد شاہ قدس سرہٗ آپ حضرت حسام الدین مانک پوری کے مرید تھے۔ صحیح نسبت۔ بلند مقامات اور اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔

سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ اقتدار میں گردیزہ سے دو بھائی ہندوستان میں آئے۔ ان میں ایک کا نام سید شہاب الدین اور دوسرے کا سید شمس الدین تھا۔ سید شمس الدین تو میوات کی طرف جا کر آباد ہو گئے۔ البتہ سید شہاب الدین دہلی ہی رہے راجیؔ سید شہاب الدین کا خطاب تھا۔ آپ راجی حامد شاہ کے جدامجد تھے ابتدائی زندگی میں سپاہیانہ لباس میں رہا کرتے تھے۔ حسام الدین مانک پوری کی مجلس میں آئے تو عام لباس زیب تن آنے لگے۔ آپ کی زیر نگرانی بے پناہ ریاضتیں کیں۔ مجاہدے کئے اور عبادت خداوندی میں مصروف رہے اس طرح صفائی باطن حاصل ہوئی اگرچہ آپ ظاہری علوم میں اتنے ماہر نہ تھے۔ مگر اس وقت علمائے کرام آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ کہتے ہیں اگر کسی دوسرے کے احوال باطنی یا خفیہ حالات ظاہر کرنا ہوتے تو اپنی کہانی بیان کرتے دوسرے کے حالات سنا جاتے تھے اور اس طرح طالب کے دل کی اصلاح کر دیتے تھے۔

آپ ۹۰۱ھ میں فوت ہوئے۔ مانک پور میں مزار پُر انوار ہے راجی سید نور جو دہلی کے سادات میں نورٌ علی نور تھے آپ کے ہی فرزند ارجمند تھے۔ آپ بھی اپنے باپ کی طرح بڑے صاحب کرامت و احوال بزرگ تھے۔ سپاہیانہ لباس میں اپنے آپ کو مستور رکھا کرتے تھے۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں	حامد ذات احمدی و ولی
گفت سرور بسال تاریخش	قطب دیں حامد خدا و نبی

۹۰۱ھ

شیخ حسن طاہر قدس سرہٗ:۔ آپ راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔ سید نورین حامد شاہ کی مجالس سے بھی فیض پایا تھا۔ آپ کے والد شیخ طاہر ملتان سے چل کر دہلی آئے اور دینی علوم حاصل کرنے لگے ایک عرصہ تک بہار چلے گئے اور وہاں رہ کر شیخ بدہ حقانی کے مدرسہ میں پڑھتے رہے شیخ حسن بہار میں ہی پیدا ہوئے ہوش سنبھالا۔ تو دینی علوم میں مصروف ہو گئے اور ساتھ ساتھ ہی معرفت کی منازل طے کرتے رہے اور درویشوں کی صحبت میں رہنے لگے

ان دنوں آپ نے ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم ایک بزرگ سے پڑھنا شروع کی آپ کے والد فصوص کے اسرار سے بیگانہ بھی تھے۔ اور خلاف بھی تھے ایک دن والد نے آپ سے توحید وجودی کے موضوع پر گفتگو کی آپ نے ظاہری علوم کی روشنی میں اس مسئلہ پر بات کی۔ جس سے آپ کو اطمینان ہو گیا۔ اس دن کے بعد آپ نے فصوص کی مخالفت چھوڑ دی انہی دنوں شیخ راجی حامد شاہ کی مشیخیت کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیلی تھی۔ شیخ طاہر حسن آپ کو دیکھنے گئے پہلی ملاقات میں ہی آپ مرید ہو گئے۔ علمائے کرام میں سے جو شخص سب سے پہلے آپ کے حلقہ ارادت میں آیا حضرت شیخ حسن طاہر تھے آپ اگرچہ جونپور کے مشائخ میں سے تھے۔ مگر سلطان سکندر لودھی کی درخواست پر جونپور سے دہلی چلے آئے۔

سلطان سکندر کا ایک بھائی۔ آپ کا مرید تھا۔ اس کے دماغ میں ہمیشہ سلطنت حاصل کرنے کی کشمکش تھی۔ ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصرار کرنے لگا کہ میرے لئے سلطنت دہلی کی دعا فرمائیں۔ حضرت شیخ نے اسے اس ارادے سے روکا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائی کو امور سلطنت دیئے ہیں تم اس کی سلطنت میں رہ کر خدمت خلق کرو۔ یہ بات سلطان سکندر نے سنی تو وہ آپ کا مزید معتقد ہو گیا۔ آپ کو نہایت احترام سے اپنے شاہی قلعہ کے قریب کوشک بجی منڈل جو

سلطان محمد تغلق کے قلعہ میں ہی ٹھہرایا۔ آپ تا دم وفات وہاں ہی قیام فرما رہے۔
اخبار الاخیار اور معارج الولائیت کے مولفین نے آپ کا یوم وفات چوبیس ربیع الاول سنہ ۹۰۹ھ لکھا ہے علم سلوک و توحید میں آپ کی ایک کتاب مفتاح الفیض بڑی گراں قدر ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں
حسن آن محسن جہاں مرحوم
ہر دو تاریخ رحلتش سرور
ذیب فیض است - قطب حق مخدوم
۹۰۹ھ ۹۰۹ھ

شیخ بختیار قدس سرہٗ:۔ شیخ بختیار حضرت احمد عبدالحق ردولوی کے مرید تھے۔ آپ ابتدائی زندگی میں ایک سوداگر کے غلام تھے۔ مگر جوہر شناس تھے وہ سوداگر آپ کو مختلف علاقوں میں جواہرات خریدنے کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ ایک بار شیخ بختیار اسی سلسلہ میں حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ کے شہر میں آئے۔ ہر روز صبح و شام حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کھڑے رہتے۔ چھ ماہ تک اسی طرح صبح و شام آتے رہے۔ کھڑے ہوتے رہے۔ مگر حضرت احمد عبدالحق نے کبھی توجہ نہ کی اور نہ ہی پوچھا تم کون ہو۔ اور کیوں آتے ہو۔ ایک روز نگاہ کی تو شیخ بختیار پر مستی طاری ہو گئی۔ شیخ بختیار مستی کے عالم میں بڑی گستاخانہ باتیں کرتے۔ وہ حضرت احمد عبدالحق کو کہتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا صاحب کرامت بنایا ہے تو اپنا فیض تقسیم کیوں نہیں کرتے اور ان اسرار و معارف پر بخیل بن کر کیوں بیٹھے رہتے ہو۔ ان کی یہ باتیں اہل خانقاہ کو اچھی نہ لگتیں مگر آپ برداشت کرتے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اس پر ایک نگاہ اور ڈالی تو آپ کو صاحب ہوش بنا دیا۔

اب شیخ بختیار حضرت احمد رودلوی کے مرید ہوئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خانقاہ کی خدمت میں لگ گئے حضرت احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب تک اپنے مالک سے اجازت نہ لے کر اس کی ملازمت اور غلامی سے نجات نہیں پاؤ گے خانقاہ میں نہیں رہ سکتے ۔ چنانچہ شیخ بختیار واپس اپنے مالک کے پاس دہلی گئے اس نے شیخ کی حالت دیکھی تو انہیں آزاد کر دیا اور تمام فرائض سے سبکدوش کر دیا۔ آپ واپس آئے تو ہمہ تن خدمت خلق میں مشغول ہو گئے ۔ ایک دن حضرت شیخ احمد عبدالحق نے فرمایا۔ بختیار! اس خانقاہ کے صحن میں ایک کنواں کھودنا چاہیئے۔ یہ بات سنتے ہی بختیار نے کدال اٹھائی اور کنواں کھودنا شروع کر دیا کئی دن کھودتے رہے آخر کنویں سے پانی نکل آیا۔ کنواں تیار ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا کنویں کی ٹھنڈی مٹی سے ایک چبوترا (صفہ) بنانا چاہیئے جس پر درویش بیٹھا کریں شیخ بختیار نے ساری مٹی سے ایک چبوترا بنا دیا۔ ایک دن حضرت شیخ احمد عبدالحق نے فرمایا بختیار یہ کنواں باہر سے مٹی لا کر پُر کر دو شیخ بختیار باہر سے مٹی لا لا کر کنواں پُر کرتے گئے۔ کنواں پُر ہو گیا۔ اس عرصہ کے دوران شیخ بختیار نے کبھی نہ پوچھا کہ ایسا کیوں کرتا ہے ان کی اس ادا پر حضرت احمد رودلوی نے فیضان کے دروازے کھول دیئے اور آپ بلند مقامات پر جا پہنچے۔

ایک دن حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ اپنے حجرے کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ شیخ بختیار بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ آپ نے شیخ بختیار سے پوچھا تم کوئی غیر معمولی چیز دیکھ رہے ہو۔ دیکھا کہ سارا حجرہ سونے کا بنا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بختیار! اپنی ضرورت کے لئے سونا اٹھا لو۔ عرض کی حضور اب تو آپ کی غلامی ہی میرا سونا ہے مجھے اس سونے کی ضرورت نہیں ہے۔

تذکرہ چشتیہ کے مؤلف نے شیخ بختیار کی وفات ۹۱۰ھ ہجری لکھی ہے کہتے ہیں شیخ بختیار قدس سرہٗ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی تھی۔

شاہ اہل جنت شیخ بختیار
چوں بہ نجبت خود بجنت یافت جا
ہادی فیض است سال وصل او
نیز یار حق ولی مقبت ادا ۹۱۰ھ

۹۱۰ھ

شیخ محمد عیسیٰ جونپوری قدس سرہٗ: آپ شیخ فتح اللہ جونپوری کے خلیفہ اعظم تھے۔ شیخ احمد عیسیٰ آپ کے والد ماجد دہلی کے معروف افراد میں سے تھے۔ تیمور بادشاہ کے حملہ کے وقت یہ لوگ دہلی چھوڑ کر جونپور چلے گئے۔ اور وہاں ہی رہنے لگے۔ شیخ محمد عیسیٰ ابھی بچے ہی تھے کہ شیخ ابو الفتح کی مجلس میں حاضری دیا کرتے تھے اس طرح آپ کو فقراء اور درویشوں سے محبت ہو گئی۔ حضرت شیخ ابو الفتح کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین سے ظاہری علوم حاصل کئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ محمد عیسیٰ کو عبادت اللہ میں اس قدر استغراق تھا کہ آپ کی نشست گاہ کے پاس ایک درخت اگا وہ بڑا ہوتا گیا حتیٰ کہ آپ نے ایک دن اپنی نشست پر کچھ پتے گرے پائے پوچھا کہ یہ پتے کہاں سے آ گئے لوگوں نے بتایا۔ آپ کے سر پر ایک درخت بلند ہو گیا ہے۔ اس دن سے آپ کو پتہ چلا کہ یہ درخت ایک عرصہ سے آپ کی نشست گاہ پر اگ آیا ہے آپ ہمیشہ مراقبہ میں رہتے۔ آپ کی گردن کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ اور آپ کی ٹھوڑی سینے کو لگتی تھی۔

آپ کا وصال ۹۱۱ھ کو ہوا۔ مزار مبارک جونپور میں ہے۔

براوج چرخ مسکن یافت آخر ۔ چو عیسیٰ آں ولی عیسیٰ ثانی
خرد فرمود سال ارتحالش ۔ مسیحا دم زکی عیسیٰ ثانی

۹۱۱ھ

شیخ عزیز اللہ متوکل قدس سرہٗ:- آپ شیخ باجن کے پیر ہیں۔ جو حضرت شیخ علی متقی قدس سرہ کے پیرو مرشد تھے۔ بڑے زاہد اور متقی تھے۔ رات ہوتی۔ گھر میں جو کچھ ہوتا۔ ہمسایوں کو دے دیتے تھے حتیٰ کہ گھر میں پانی بھی اتنا ہی رکھتے جو نماز تہجد کے وضو کے کام آ سکتا تھا امراء اور دنیا داروں کو اپنی مجلس میں آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ایک دن وہاں کے ایک امیر آدمی نے آپ کے صاحبزادوں سے درخواست کی کہ حضرت کی زیارت کی اجازت لے دیں۔ آپ نے بچوں کے اصرار پر اجازت تو لے دی مگر فرمایا وہ لوگوں کے جوتوں میں بیٹھے آگے آنے کی جرات نہ کرے اگر وہ اپنی دولت اور مال کا غرور رکھتا ہے تو اپنے گھر رہے۔ شام کا وقت تھا۔ وہ امیر آدمی آپ کے گھر حاضر ہوئے دیکھا۔ کہ گھر میں اندھیرا ہے۔ شیخ کے پاس دیئے کا تیل خریدنے کے لئے بھی پیسے نہیں ہیں رخصت کے وقت شیخ کے صاحبزادے کو کہنے لگا۔ کل میرے پاس آنا میں تیل کا ایک گھڑا لے دوں گا۔ یہاں رکھ لینا۔ جب ختم ہو جائے تو اور لے آنا لڑکے تیل لے آئے دوسرے دن شیخ نے دیکھا گھر میں کئی چراغ روشن ہیں۔ پوچھا۔ یہ روشنی کہاں سے آئی۔ بچوں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ آپ نے سارا تیل لیا۔ اور محلے کے غریبوں میں تقسیم کر دیا اور فرمایا۔ اس امیر آدمی کو منع کر دو آئندہ تیل نہ بھیجا کرے۔

آپ کی وفات ۹۱۲ھ میں ہوئی تھی۔

چوں عزیز اللہ متوکل نفر
از فنا بنہاد در باقی قدم
سالِ وصلِ او بسرور شد عیاں
از حبیب حق عزیز محترم
۹۱۲ھ

مولانا اللہ داد جونپوری قدس سرہٗ: آپ جونپور کے اہم علماء کرام میں سے تھے۔ آپ نے درسی اور فنی کتابیں لکھ کر بڑا نام پایا تھا۔ کافیہ کی شرح ہدایہ۔ یزدی اور تفسیر مدارک کی شرحیں لکھی تھیں۔ دینی علوم میں حضرت قاضی شہاب الدین کے شاگرد تھے اور روحانی طور پر حضرت راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔

جن دنوں حضرت طاہر حسن قدس سرہٗ حضرت راجی حامد شاہ قدس سرہ کے مرید ہوئے تو مولانا اللہ داد نے انہیں ایک مخلص دوست کی حیثیت سے کہا۔ یار تم نے طالب علموں کی عزت کو پامال کر دیا ہے۔ اور اپنے علم وفضل کو ایک درویش راجی حامد شاہ کی مریدی میں ڈال دیا ہے حضرت طاہر حسن نے کہا حضرت آؤ کسی دن راجی حامد شاہ سے مل لیں۔ پھر جو رائے ہوگی۔ اس پر عمل کریں گے۔ حضرت حسن طاہر مولانا اللہ داد کو لے کر حضرت راجی کی خدمت میں پہنچے راستہ میں مولانا اللہ داد نے چند ایسے مشکل اور دقیق مسائل ذہن میں رکھ لئے کہ حامد شاہ راجی سے پوچھوں گا۔ تاکہ وہ عملی طور پہ زیر ہو جائیں۔ حضرت راجی حامد شاہ کا معمول تھا کہ ان کے پاس جو شخص آتا۔ قلبی بصیرت سے اس کے دل کی بات پالیتے اور اسی پر اپنے طور پر گفتگو کرتے تھے۔ حضرت مولانا اللہ داد نے ہدایہ۔ عضدی۔ اور مدارک کے بعض مشکل مقامات ذہن میں رکھے۔ خدمت میں پہنچے تو دریافت کرنے کے بعد راجی حامد شاہ رحمۃ اللہ نے مولانا اللہ داد کو مخاطب کر کے کہا۔ مولانا ایک زمانہ تھا کہ مجھے ہدایہ کی اس عبارت پر اشکال تھا۔ میرے سامنے یہ جواب آیا۔ پھر مجھے عضدی کی فلاں عبارت پر مشکل درپیش آئی۔ تو میرے ذہن میں یہ جواب آیا ایک بار مجھے تفسیر مدارک کے فلاں مقام پر رکنا پڑا تو مجھے اس جواب نے راہنمائی فرمائی ہے آپ تو عالم دین ہیں۔ آپ اس پر مزید روشنی ڈالیں گے مولانا اللہ داد

حیران رہ گئے۔ اور قدم بوس ہو کر مرید ہو گئے۔ اور آپ کی نگرانی میں روحانی منزلیں طے کرنے لگے۔

آپ کی وفات ۹۲۳ھ میں ہوئی۔

جان بہ اللہ داد چوں اللہ داد

روح او راحق بجنت راہ داد

عقل سالِ انتقال آں جناب

گفت مصباح بہشت اللہ داد

۹۲۳ھ

شیخ احمد مجد شیبانی قدس سرہٗ آپ جامع علوم شریعت، حقیقت اور طریقت تھے وارع تقویٰ ذوق و حالت میں کامل تھے۔ امر معروف اور نہی عن المنکر پر پابند تھے ظاہری و باطنی علوم حضرت حسین ناگوری قدس سرہٗ سے حاصل کئے کہتے ہیں کہ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے دینی علوم پر درس دینا شروع کر دیا تھا۔ آپ نارنول میں پیدا ہوئے۔ اجمیر شریف میں زندگی گزاری اور ناگور میں دفن ہوئے۔ آپ کے والد مکرم قاضی مجد الدین بن قاضی تاج الفضل بن شمس الدین شیبانی حضرت امام محمد شیبانی قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت امام محمد شیبانی نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے تعلیم حاصل کی اور آپ کی مصاحبت بھی اختیار کی تھی۔

آپ کے والد بزرگوار قاضی مجد الدین کے سات بیٹے تھے۔ ساتوں ہی متقی پرہیزگار متدین اور نیک سیرت تھے۔ سب سے بڑے بیٹے شیخ احمد تھے۔ جو علم و عمل میں سب پر فائق تھے۔ علمی قوت سے اپنے معاصر علماء سے بحث کرتے اور غالب آتے آپ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تقریر کیا کرتے تھے جوانی میں ہی حضرت

حسین ناگوری کے مرید ہو گئے تھے بحث و جدل سے توبہ کر کے ریاضت اور مجاہدہ اختیار کر لیا۔ طریقت کے رموز اپنے پیر کی نگرانی میں حاصل کئے اٹھارہ سال کی عمر میں اجمیر شریف چلے آئے اور ستر سال تک اسی مقام پر عبادت و ریاضت میں گزار دیئے۔ آپ کو خاندانِ نبوت سے بڑی محبت تھی۔ کہتے ہیں کہ عشرہ محرم اور ربیع الاول کے پہلے بارہ دن نئے کپڑے زیب تن نہ کرتے تھے۔ اور ان دنوں میں زمین پر بستر بچھا کر سوتے اور سادات کے مزارات پر اعتکاف کیا کرتے تھے ہر روز سید الانبیاء اور اہل بیعت پر درود سلام پڑھتے پھر کھانا پکا کر ایصالِ ثواب کے طور پر غرباء میں تقسیم کیا کرتے تھے عشرہ محرم کے دوران شربت کا ایک گھڑا جس میں دودھ ملا ہوتا تھا اپنے سر پر اٹھا کر سادات کے گھروں میں حاضر ہوتے اور تقسیم کیا کرتے تھے پھر ان کی نصیحت سے یتیموں اور مسکینوں کو پلاتے ان دنوں اس قدر روتے گویا واقعہ کربلا ان کے سامنے رونما ہوا تھا اسی طرح جب بعض عورتوں اور لڑکیوں کو واقعات کربلا پر روتے سنتے تو ان کی دردناک آواز پر وجد کرتے اور آنکھوں سے خون کے آنسو بہاتے۔ اس کے علاوہ آپ کا معمول تھا کہ صحابہ کرام کے عرسوں کا اہتمام کرتے تھے۔ اور مشائخ عظام کی وفات کے دنوں پر فاتحہ خوانی کرتے اور تبرک تقسیم کرتے تھے۔ سماع کی مجالس کا اہتمام کرتے تھے۔ نہ کبھی لباس فاخرہ پہنتے نہ سفید کپڑوں کا اہتمام کرتے جب مجالس میں بیٹھتے تو شیر کی طرح بارعب بیٹھتے تھے۔ ان مجالس میں اللہ رسول کے اقوال کو بڑے جاہ و جلال سے بیان فرمایا کرتے آپ کے بیان میں اتنا رعب و جذبہ ہوتا کہ روساء و امراء بھی دبک جاتے تھے اگر آپ کے پاس کوئی مجذوب یا دیوانہ آجاتا تو بڑا ادب کرتے تھے۔ البتہ اپنی تعظیم و توقیر سے منع کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص آکر یہ بیان کرتا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ تو اسے اپنے سامنے

بٹھلاتے خود باادب ہو کر بیٹھ جاتے اور اسے خواب کی تفصیلات سنانے کا کہتے اور سنتے رہتے۔ ایسے شخص کے پاؤں چومتے اور اس کے کپڑوں کو بار بار اپنے ساتھ لگاتے اگر کوئی یہ سناتا کہ مجھے فلاں جگہ یا مکان میں حضور کی زیارت ہوئی ہے وہاں جاتے اور اس جگہ کی زیارت کرتے اس جگہ کی مٹی کو اپنے چہرے پر ملتے تھے اگر وہاں پتھر ہوتے تو ان پتھروں کو دھو کر پانی پیتے تھے اور اپنے کپڑوں پر عطر گلاب کی طرح چھڑکتے اگر کسی شخص کو کسی سید کے ساتھ شرعی طور پر جھگڑا ہو جاتا۔ تو وہاں بذات خود پہنچ جاتے اور منت وسماجت سے ان کی صلح کراتے اور فرمایا کرتے کہ سادات کرام اور اہل بیت کے ساتھ شریعت کے موضوعات پر بات نہیں کرنی چاہیئے آپ سادات کی مجلس میں تقریر کرتے تو ادب ملحوظ خاطر رکھتے۔

جن دنوں اجمیر شریف پر ہندوؤں نے حملہ کر دیا تھا اور رانا سانگہ نے شہر پر قبضہ کر لیا تھا اور بے شمار مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ حضرت شیخ احمد خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے دس روز قبل اجمیر سے چلے گئے تھے مگر جاتے جاتے عام مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ لوگو! ان دنوں اجمیر پر نظر جلال ہے حضرت خواجہ کی خواہش ہے کہ اس شہر کو عام مسلمان خالی کر جائیں چنانچہ بروز اتوار ۹۲۲ھ کو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کو لے کر اجمیر سے روانہ ہوئے آپ کے چلے جانے کے دوسرے اتوار کو کفار نے اجمیر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔

حضرت شیخ احمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ آدھی رات حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کے روضہ پر آتے نماز تہجد پڑھتے۔ حتیٰ کہ نماز چاشت تک یہاں ہی وظائف میں مصروف رہتے چاشت کے بعد دار العلوم میں تشریف لے جاتے طلباء کو دینی کتابیں پڑھایا کرتے تھے دوپہر کو قیلولہ کر کے اٹھتے تو ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد پھر وظائف میں مصروف ہو جایا کرتے تھے عصر کی نماز کے بعد تفسیر مدارک کا

درس دیتے وعید اور عذاب کی آیات پر بڑا روتے۔ آپ کی آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو جایا کرتی تھیں تفسیر مدارک کو صوفیانہ انداز میں بیان فرماتے۔ یہ وہ اسرار وحقائق تھے۔ جو آپ کے مشائخ حضرت شیخ حسین ناگوری اور شیخ حمید الدین صوفی قدس سرہما بیان فرمایا کرتے تھے۔

آپ آدھی رات حضرت خواجہ کلاں کے روضہ پر حاضر ہوتے تو روضہ کا دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا۔ ایک شخص نے یہ معاملہ دیکھا تو ایک رات دبے پاؤں آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ دروازہ کھلا۔ آپ اندر گئے اس شخص نے بھی اندر جانے کی کوشش کی۔ مگر دروازے کے کواڑ بند ہو گئے اور وہ درمیان میں جکڑا گیا۔ فریاد کرکے کہنے لگا۔ حضرت میں نے غلطی کی ہے مجھے معاف فرمائیں دروازہ کھلا تو وہ باہر بھاگ گیا

مولانا محمد نارنولی نے اپنے استاد مولانا عبدالمقتدر قدس سرہ جو بڑے عالم و فاضل اور علوم دینیہ میں ماہر تھے۔ اور حضرت شیخ احشر بیانی کے مرید تھے۔ نے بتایا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے حضرت شیخ احمد کے لئے دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا تھا آپ ان دنوں شیخ محمد ترک کے روضہ پر آئے تھے۔ میں اس ہیبت اور ادب سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

یاد رہے کہ شیخ احمد اٹھارہ سال کی عمر میں اجمیر شریف آئے۔ اور نوے سال کی عمر میں وہاں سے نکلے۔ چار سال تک نارنول میں رہے۔ ایک دن اللہ دین نامی مجذوب آیا۔ اور کہا شیخ احمد آپ کو آسمانوں پر آپ کے پیرومرشد نے بلایا ہے۔ آپ یہ بات سنتے ہی اٹھے۔ قبرستان پہنچے۔ اور جان دے دی۔ آپ حالت سکر سے باہر آتے تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہتے۔ پھر بے خود ہو جاتے۔ اسی طرح جب آپ کی وفات کا وقت آیا۔ تو آپ نے تکبیر تحریمہ پڑھی۔ اللہ اکبر کہا۔ جان اللہ کے سپرد کر دی۔ پانچ ماہ صفر ۹۲۷ھ کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو پہنچے۔ آپ کو

سلطان التارکین حمید الدین کے مقبرہ میں اپنے پیر و مرشد کے قدموں میں دفن کیا گیا صاحب اخبار الاخیار نے آپ کا قطعہ تاریخ یوں لکھا ہے اور یہ قطعہ حضرت مولانا محمد نارنول قدس سرہٗ نے کہا تھا۔

نظر بستہ بود احمد محمد شیبان
ز دول خدا ہیچو زاہد و شاہد
کہ تاریخ ہاں ہیر خود نارنولی
بر آورد از جملہ شیخ زاہد

۹۲۷ھ

شاہ سید وؒ قدس سرہٗ:۔ شاہ سید و بڑے صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ حضرت شیخ حسام الدین نانک پوری کے خلیفہ خاص تھے۔ ابتدائی عمر میں بڑے صاحب ثروت اور دولت مند تھے۔ شاہی دربار میں ایک اہم عہدے پر مقرر تھے۔ بڑی ٹھاٹھ سے رہا کرتے تھے۔ آپ ایک خوبصورت عورت کے گرویدہ ہو گئے۔ مگر اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذوق و طلب سے نوازا۔ حضرت نانک پوری کی خدمت میں رہنے لگے۔ اعلیٰ لباس ترک کر کے فقیرانہ لباس پہن لیا۔ پھر اسی فقیرانہ لباس میں اپنی محبوبہ کے پاس جا پہنچے۔ اس نے دیکھتے ہی کہا سید و اِسنا ہے تم الیہٖ دولی اللہ ، ہو گئے ہو اس دن سے لوگ اسے سید و الیہٖ کہنے لگے۔ کچھ دن گزرے تو اس عورت نے بھی توبہ کر لی اور حضرت حسام الدین نانک پوری کی مرید ہو گئی دونوں نے ساری زندگی یاد خداوندی میں بسر کر دی سید و اچھے سخنور اور شاعر بھی تھے۔ ان کا یہ شعر بڑا مقبول ہوا۔

دل گو یدم سید و بگو احوال خود یک یک باد
آندم کہ خود می آید او سید و کجا گفتار گو

آپ ۹۳۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔

چو شد سردار جنت سید خلد
جناب شاہ سیّد دپیر جنت
بتاریخ وصال آں شیر دیں
بگو سید و مصلّی میر جنت

شیخ محمد حسن قدس سرہٗ: آپ حضرت حسن طاہر کے لڑکے تھے۔ بڑے باکمال اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ صحیح حال اور عالی مشرب کے مالک تھے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ جب آپ اپنے حجرے سے نکل کر باہر آتے۔ جو ہندو یا مسلمان آپ پر نظر ڈالتا۔ بے اختیار اللہ اکبر کہہ اٹھتا وہ علوم حال اور قال میں بڑے باکمال تھے وہ اپنے والد کی نسبت سے سلسلۂ چشتیہ میں وابستہ تھے مگر آپ کو قادریہ سلسلہ سے بھی بڑا فیض ملا تھا۔ کافی عرصہ حضور نبی کریم کی بارگاہ میں حاضر رہے اور مجاوری کی اسی اثنا میں آپ کو سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں کی مجالس نصیب ہوئیں۔ بیعت بھی ہوئے اور خلافت بھی پائی۔

آپ جونپور میں پیدا ہوئے آگرہ میں رہے اور دہلی میں فوت ہوئے کہتے ہیں کہ عصر کے وقت وہ شام کا انتظار کرتے اور اس قدر خوش ہوئے جیسے کوئی اپنے محبوب کے استقبال کو کھڑا ہو۔ شام ہوتے ہی حجرے میں چلے جاتے۔ دروازہ بند کر دیتے چراغ روشن کرتے اور یاد خداوندی میں مشغول ہو جاتے۔ دن کے وقت فرصت ملتی تو علوم تصوّف پہ کتابیں لکھتے تھے جب کتاب مکمل ہو جاتی۔ اسے جلا دیتے۔ یا قینچی سے پرزہ پرزہ کر دیتے۔ آپ کے ایک مرید آپ کو شاہ خیالی کہا کرتے تھے۔ آپ کے بے شمار مرید تھے۔ ان میں علماء و فضلا ہر طرح کے لوگ تھے۔ شیخ فضل اللہ جو حضرت شاہ عبد الحق محقق و محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چچا تھے۔ آپ کے ہی مرید تھے۔

اخبار الاخیار میں آپ کی وفات ستائیس ماہ رجب ۹۴۴ھ لکھی ہوئی ہے۔

چوں حسن گشت جلوہ گر بہ بہشت
صورت ماہتاب پُر انوار
ذاکر پاک سال وصلش داں
۹۴۴ھ
ہم بخواں آفتاب پُر انوار
۹۴۴ھ

شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ:- آپ مرید خاص حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری تھے۔ صاحب علم وعمل تھے۔ ذوق وحلاوت میں کمال پایا تھا۔ وجد وسماع میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اگرچہ ظاہری طور پر شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ مگر باطنی طور پر شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت خاص اویسیہ رکھتے تھے اور آپ کی روحانیت سے تکمیل حاصل کی تھی۔ آپ کی ایک مشہور تصنیف جسے انوار العیون کے نام سے شہرت ملی سات فنون میں ترتیب دی گئی ہے۔ پہلے فن میں حضرت شیخ احمد عبدالحق کے مناقب اور مقامات درج کئے گئے ہیں ان کی کرامات۔ اپنی نسبت اور اظہار بندگی اور اعتقاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے عالم سکر ومستی میں فرمایا۔

" واللہ محمد حجاب آمد ورنہ در ذات پاک حق حجاب نبود "

(محمد مصطفیٰ اللہ کا حجاب بن گئے ورنہ اللہ کی پاک ذات میں کوئی حجاب نہیں تھا)

ہوش میں آئے تو مریدوں نے عرض کی حضور آج آپ کی زبان سے یہ کلمہ وارد ہوا ہے آپ نے فرمایا۔ توبہ توبہ نعوذ باللہ من ذالک۔ میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہوں۔

مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ یہ سخت سردیوں کا موسم تھا۔ رات کے وقت دریا کے کنارے جا رہے تھے ایک جگہ پانی کی تہہ پر برف جمی ہوئی تھی۔ برف کو توڑ کر خود پانی میں کھڑے ہو گئے۔ اور ساری رات یہ کہتے رہے۔

"محمد قائم و دائم ہیں"

برفانی رات اور سردی کی شدت سے آپ کا بدن جگہ جگہ سے پھٹنا شروع ہو گیا بعض جگہ سے خون بہنے لگا۔ اس طرح آپ چھ ماہ تک رات ایسا مجاہدہ کرتے پھر جا کر سکون ملا[1]۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک بار شیخ احمد عبدالحق نے اپنے آپ کو قبر میں زندہ درگور کر لیا۔ اس طرح آپ چھ ماہ تک قبر میں رہے۔ چھ ماہ کے بعد مریدوں نے آپ کو باہر نکالا۔ تو آپ کا جسم نحیف و نزار تھا روئی میں لپیٹا۔ محض سانس کا سلسلہ جاری تھا۔ ہزاروں لوگ زیارت کے لئے جمع ہو گئے اور آپ کی زیارت کی

---

[1]: کتاب انوار العیون مؤلفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کا اُردو ترجمہ محمد نظام الدین عشق کیرانوی نے ۱۳۱۱ھ میں الدر المکنون کے نام سے مطبع مجتبائی دہلی سے شائع کیا تھا۔ جسے ۱۳۹۹ھ میں فاؤنڈیشن مبارک پور۔ بہاولپور نے دوبارہ چھاپا۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے اپنے روحانی مرشد شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح آپ کی ایک اور کتاب "مکتوبات قدوسیہ" بھی صوفی فاؤنڈیشن نے ۱۹۸۹ء میں شائع کی ہے اس کتاب میں حضرت گنگوہی نے اپنے خلفاء۔ علماء مشائخ اور بادشاہان وقت کو مختلف اوقات میں مکتوبات لکھے۔ جو تصوف اور عرفان کا خزینہ ہیں۔ فلسفہ وحدت الوجود کی ترجمانی میں ان مکتوبات کا ایک اہم مقام حاصل ہے آپ نے اپنے دور میں اس فلسفہ کو عام کرنے میں جس قدر حصہ لیا ہے۔ اس کی تفصیل انہیں مکتوبات سے ملتی ہے۔ ان مکتوبات کو سلسلہ چشتیہ کی ایک اہم دستاویز سمجھا جاتا ہے۔

۞ ۞ ۞

آپ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق نے اپنی وفات سے پچاس سال بعد مجھے باقاعدہ روحانی تربیت سے نوازا تھا اور وفات کے بعد آپ کے فیضان نے مجھے تکمیل کے مراحل طے کرائے تھے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ولی مادر زاد تھے۔ آپ کی زبان سے جو بات نکلتی پوری ہو جاتی۔ قوتِ حلال کھیتی باڑی سے حاصل کرتے۔ موسم پر جو غلہ آتا۔ پہلے درویشوں کو تقسیم کرتے پھر اپنے لئے اتنا رکھتے جس سے چند لقمے تیار ہوتے رہیں۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ ایک بار حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پانی پت کے ضلع میں موضع چھاج پور میں تشریف لے گئے۔ آدھی رات کا وقت ہوا۔ تو آپ نے آوازیں دے کر کہا۔ لوگو! جلدی اس گاؤں کو چھوڑ کر باہر چلے جاؤ اپنے مال واسباب اور مویشیوں کو بھی باہر لے جاؤ۔ یہاں آگ کا طوفان آنے والا ہے آپ کی اس آواز کو لوگوں نے عام فقیر کی صدا سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ آدھی رات کے بعد عین گاؤں کے درمیان سے آگ کے شعلے لپکنے لگے اور تمام کا تمام گاؤں جلا کر راکھ کر دیا۔

اخبار الاخیار کے مؤلف لکھتے ہیں حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے مرید اور خلفا بے شمار تھے۔ آپ کے ایک خلیفہ بھور نامی بزرگ تھے۔ جو رنگریزی کا کام کرتے تھے۔ اور ہندو تھے۔ حضرت کی نگاہ نے نہ صرف انہیں دولت اسلام بخشی بلکہ روحانی تربیت سے خدارسیدہ بھی بنا دیا انہوں نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ یہ آپ کے خاص خلفاء میں شمار ہوتے تھے شیخ بھور کے علاوہ شیخ عمر بھی آپ کے خاص خلفاء میں سے تھے ایک دن شاہ عبدالرزاق آپ کو ملنے آئے۔ آپ نے اپنے تمام مریدوں سے شاہ عبدالرزاق کی ملاقات کرائی۔ آخر میں شیخ عمر کو پکڑا اور فرمایا کہ یہ آپ کا مرید ہوگا۔ اسے ساتھ لے

جایئے۔ آپ کے ایک اور خلیفہ عبدالغفور اعظم پوری بڑے صاحب کرامت ہوئے ہیں آپ بلند مقامات اور اعلیٰ مناصب کے مالک تھے۔ آپ کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی آپ نے انہیں بزبان خود اللّٰھم صلی علی محمد وعلیٰ آلِ محمد بعدد اسمائک الحسنیٰ پڑھایا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کثیر الاولاد بزرگ تھے۔ شیخ رکن الدین ایک صاحب عرفان بزرگ تھے آپ کے ہی بیٹے تھے۔ اسی طرح شیخ عبدالکبیر المعروف بہ بالا پیر آپ کے سجادہ نشین بنے تھے۔ آپ کے ایک پوتے شیخ عبدالنبی قدس سرہٗ تھے جو اپنے زمانہ میں بہت مشہور عالم دین کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ آپ کو اپنے بزرگوں سے مسئلہ توحید و سماع میں اختلاف رہا ہے۔ ان کے والد نے ایک کتاب اباحت سماع (سماع اور قوالی کے جواز) میں لکھی تھی۔ مگر آپ نے اس کے رد میں حرمت سماع پر ایک کتاب لکھی۔ اور اپنے والد کے نظریات کا رد کیا۔ ایک وقت آیا کہ شہنشاہ ہندوستان نے آپ کو مسند صدر جہاں پر بٹھایا۔ یہ منصب اہل علم و فضل میں سب سے اونچا تھا اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد حضرت مولانا عبدالنبی کو تکبر اور نخوت نے آلیا آپ اپنے ہمعصر علماء و اکابر اہل علم سے بڑی درشتی اور نخوت سے پیش آنے لگے۔ ایک عرصہ کے بعد اکبر بادشاہ کا مزاج بھی آپ کے خلاف ہو گیا۔

ملہ: شیخ عبدالغفور اعظم پوری قدس سرہٗ کے علاوہ صاحب اقتباس الانوار نے آپ کے اور کئی خلفاء کے نام بھی لکھے ہیں جن میں شیخ جلال الدین تھانیسری فاروقی شیخ عبدالعزیز کرانوی۔ شیخ عبدالستار سہارنپوری شیخ عبدالاحد فاروقی (والد حضرت مجدد الف ثانی) سید میر رفیع الدین اکبرآبادی اور شیخ عبدالرحمٰن قدس سرہم اقتباس الانوار کے فاضل مؤلف حضرت شیخ محمد اکرم قدوسی نے آپ کے خلفاء کی تعداد پانچ ہزار بھی جن کی وساطت سے سلسلہ چشتیہ قدوسیہ کو بڑی شہرت ملی۔

آپ کو قید کر لیا گیا۔ قید خانہ میں ہی ۹۹۲ھ میں فوت ہوئے تھے۔
اخبار الاخیار نے حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی وفات ۹۴۵ھ لکھی ہے آپ کا مزار دہلی کے قریب گنگوہ میں ہے[1]۔

چو شیخ قدس واقدس عبدقدوس
بملک قدس از حق یافت شاہی
ز مشتاق جہاں سالش عیاں شد (۹۴۵ھ)
دگر مشتاق محبوب الہٰی

۹۴۵ھ

شیخ عبدالکبیر بالا پیر بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ: آپ شیخ عبدالقدوس کے فرزند ارجمند بھی تھے۔ اور خلیفہ بھی تھے۔ سخاوت اور شجاعت میں بے مثال تھے ذوق اور سماع میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ کرامات اور بلند مقامات میں مشہور تھے۔

ایک دن سلطان سکندر بن بہلول اپنے دو وزیروں کو لے کر حضرت شیخ کی خدمت میں آیا۔ وہ آپ کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ تینوں نے اپنے اپنے دل میں علیحدہ علیحدہ خواہش بنالی۔ اور خیال کیا کہ اگر شیخ کو ہمارے دلوں کا حال معلوم ہے تو ہمارے دل میں جس چیز کی کھانے کی خواہش ہے۔ وہ مہیا کرے گا جس وقت حاضر خدمت ہوئے تو حضرت شیخ نے ہرن کے گوشت کے سموسے سلطان سکندر کے سامنے

---

[1] صاحب اقتباس الانوار نے آپ کی وفات ۲۳ جمادی الاخر ۹۴۴ھ لکھی ہے آپ چوراسی سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ بتیس سال وہ دلی میں رہے۔ تنتیس سال شاہ آباد میں گزارے اور چودہ سال گنگوہ میں رہے۔

لار کھے۔ اور میاں بڈھا کے سامنے یخنی کا پیالہ رکھا۔ اور ملک محمد کے سامنے حلوے کی پلیٹ رکھ دی۔ تینوں کی یہی خواہشیں تھیں یہ دیکھ کر تینوں بڑے حیران ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ بابا حیران ہونے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دنیا داروں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دیتا اُن سے جو چیز طلب کی جاتی ہے وہ بھیج دی جاتی ہے۔ شیخ عبدالکبیر ۹۴۷ھ میں فوت ہوئے تھے۔

درجہ کبریٰ زحق در خلد یافت
چوں کبیر آں شیخ اکبر دستگیر
ہست تاج الاتقیا تاریخ او
۹۴۷ھ
ہم فرید الدھر سلطان الکبیر

۹۴۷ھ

شیخ بہارالدین جونپوری قدس سرہٗ:۔ آپ جونپور کے علاقہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ حضرت شیخ محمد عیسیٰ کے مرید تھے ترک و تجرید اور صدق و ورع میں ثابت قدم تھے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص شیخ حسین نام تھا۔ جو گجرات سے چل کر آپ کی زیارت کے لئے آیا۔ یہ شخص شیخ محمد عیسیٰ کی زیارت کرنا چاہتا تھا۔ شیخ بہاؤالدین طالب علم تھے۔ وہ اِس نوجوان کے ساتھ بھی اٹھنے بیٹھنے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ شیخ بہاؤالدین نوجوان بھی ہے اور فقیر مستحق بھی ہے۔ اُسے اس پہ بڑا ترس آیا کہنے لگا کہ میرے ساتھ جنگل میں چلو۔ وہ ساتھ ہو لیئے جنگل میں پہنچ کر اُس نے کیمیا کا ایک نسخہ نکالا اور اُس کو دے کر کہا۔ یہ لے لو اور جب تجھے ضرورت ہو اِس کا استعمال کرنا۔ اگر ختم ہو جائے تو پھر مجھے آکر کہنا۔ تاکہ تمہیں میں کوئی اور عمل سکھا دوں۔ شیخ بہاؤالدین نے عرض کیا۔ میں تو آپ سے کسی اور کیمیا کی امید لے کر آیا تھا۔ مجھے اِس کیمیا کی ضرورت نہیں۔ مجھے

تو یہ کیمیا گری فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یہ بات حضرت شیخ محمد عیسیٰ نے سنی تو بڑے خوش ہوئے اور اُس کی باطنی تربیت پر زیادہ توجہ دینے لگے۔ ایک عرصے کے بعد شیخ محمد عیسیٰ نے آپ کو خلافت دی اور خرقہ تبرک دے کر رخصت کر دیا۔

شیخ بہاؤالدین نے شیخ حسین کا دامن پکڑ لیا اور التجا کی۔ کہ مجھے بھی کچھ روحانیت سے حصہ ملنا چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا۔ تمہارا پیر اسی شہر میں رہتا ہے ہم سے تو اتنا ہی فیض حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد شیخ بہاؤالدین شیخ محمد عیسیٰ کی مجلس میں رہے۔ مرید ہوئے۔ بڑی نعمتیں پائیں مگر ابھی تک خلافت نہ ملی تھی کہ حضرت شیخ کی موت کا وقت قریب آ گیا تھا۔ آپ نے مرنے سے پہلے فرمایا۔ بہاؤالدین تمہارا خرقہ خلافت ایک سید کے پاس ہے جو مانک پور میں آئے گا۔ کچھ عرصے کے بعد راجی حامد شاہ جونپور آئے شیخ بہاؤالدین اُن کے استقبال کو آگے بڑھے۔ پہلی ہی ملاقات میں اُن کو خرقہ و خلافت عطا فرما دیا۔

شیخ بہاؤالدین ۹۴۷ھ میں فوت ہوئے۔

رفت از دنیا بفردوس بریں
چوں بہاؤالدین ولی نیکو شعار
آفتاب جنتی شد جلوہ گر
بر سال وصل آں عالی تبار

۹۴۷ھ

شیخ خانو گوالیاری قدس سرہ الباری: آپ خواجہ حسین ناگوری کے مرید تھے۔ اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آپ کو شیخ حسین سرمست چشتی جو شیخ اسمٰعیل کے بیٹے تھے سے خلافت ملی۔ اِس کے علاوہ آپ کو روحانی طور پر خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

سے بھی فیض حاصل ہوا تھا۔ آپ سے انہیں بڑی عقیدت تھی۔ شیخ نظام نارنوری اور شیخ اسمٰعیل آپ کے خلیفہ تھے۔

اخبار الاخیار میں آپ کا وصالِ وفات ۹۴۰ھ ہے جبکہ شجرہ چشتی میں ۹۴۷ھ لکھا ہوا ہے

شیخ خانو چوں بفضل کردگار
خوان نعمت یافت ان خوان جناں
شاہ خلدست اے جواں تاریخ او ۹۴۷ھ
نیز کامل حق نما خانو بخواں

۹۴۷ھ

شیخ علاءالدین بن شیخ نورالدین اجودھی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ خواجہ فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی تھیں۔ علم۔ حلم۔ لطف وکرم سخاوت وعفو کے جامع تھے۔ اہل دنیا سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ جو چیز کھانے پہننے یا رہنے کی ہوتی اسے بقدرِ ضرورت حاصل کرتے۔ لوگ آپ کو فرید ثانی کہا کرتے تھے۔ آپ کو خواجہ قطب الدین بختیارؒ سے روحانی رابطہ تھا۔ اور ان سے کامل عقیدت تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک درویش آپ کی خدمت میں آیا اس کے پاس تریاق اکبر تھا۔ اُس کی خاصیت یہ تھی کہ جس کسی کو زہر دیا جاتا اُسے اس تریاق سے شفا ہو جاتی۔ حضرت شیخ نے اس درویش کو کہا ہمارے پاس بھی بڑا زبردست تریاق ہے آؤ امتحان کریں۔ چنانچہ ایک زندہ چڑیا کو پکڑ لاگیا۔ اُس کے منہ میں زہر ڈال دیا گیا وہ اس وقت مر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ خواجہ قطب الدین کے لنگر سے سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا لاؤ۔ اُسے پانی میں بھگو کر

مردہ چڑیا کی چونچ میں ڈال دو۔ وہ اس وقت زندہ ہو کر اُڑ گئی۔

شیخ علاؤ الدین سنہ ۸۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۹۴۸ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار پُر انوار دہلی میں ہے۔

دلی و متقی و شیخ عالم
علاء الدین جناب شاہ معصوم
رقم کن مرشد ابرار وصلش
بفرما حق نما مہدی مخدوم

۹۴۸ھ

سلطان جلال الدین قریشی قدس سرہٗ:-

آپ خانوادہ چشتیہ کے فیض یافتہ درویش تھے صاحب احوال و مقامات بزرگ تھے باطنی طور پر سالک تھے۔ مگر ظاہری طور پر ایک مجذوب کی حیثیت سے رہتے تھے صحراء و بیابانوں میں گھومتے رہتے تھے اور صرف مخصوص پردے کے لئے لباس پہنتے تھے وہ علوم عقلی نقلی رسمی اور حقیقی کے ماہرین میں سے تھے جب کبھی ظاہری علوم کا اظہار کرتے تو لوگوں کو حیران کر دیتے تھے مجرد تھے۔ نوجوان تھے مگر کسی نفسانی چیز کی طرف توجہ نہ دیتے تھے کسی کو مرید نہ بناتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ میرا صرف ایک ہی مرید ہے جس کا نام ہشام ہے وہ بھی آپ کی طرح دشت و بیاباں میں گھومتا رہتا تھا۔ آپ بعض اوقات عربی فارسی ہندی زبانوں میں بے ساختہ تقریر کرتے تھے جب آغاز گفتگو کرتے تو بڑی فصاحت کے ساتھ طویل گفتگو کرتے تھے جب نہایت جذبات میں آتے تو مجلس سے اٹھ کر صحرا و بیابان کی طرف نکل جاتے

ملا محمد نارنولی فرماتے ہیں کہ ایک دن جامع مسجد میں آئے۔ صفوں کو چیرتے ہوئے امام کے مصلے پر جا کھڑے ہوئے اس وقت شہر کے محتسب بھی مسجد میں بیٹھے

تھے اور فجر کی نماز کا وقت تھا۔ خوش الحانی سے قرأت کا آغاز کیا۔ اور پڑھتے ہی گئے سر سے ننگے نماز پڑھاتے رہے۔ لوگوں کو آپ کی اس عادت پہ اعتراض ہوا۔ تو آپ نے ننگے سر کے جواز اور طویل قرأت کے حق میں وہ علمی دلائل دیئے۔ کہ تمام لوگ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ جب جذبات میں شدت آئی۔ مسجد سے اٹھے اور صحرا کی طرف نکل گئے۔ کہتے ہیں آپ کے ایک عقیدت مند نے آپ کے اقوال جمع کر کے ایک کتاب لکھی آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے اس کتاب کو اٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔

آپ بڑے رقیق القلب تھے اور عشق و محبت میں ڈوبے رہا کرتے تھے۔ اکثر یہ شعر آپ کی زبان پہ ہوتا تھا۔

حاصل عشقت سہ سخن است بیش نیست
سوختم و سوختم و سوختم

کبھی یہ مصرع پڑھتے۔

خام بُدم پختہ شدم سوختم!

کہتے ہیں۔ آپ نے پانچ سال تک کسی کتاب کے بغیر ہی علم حقیقت حاصل کیا تھا ان پانچ سالوں میں آپ نے کبھی کسی انسان کی شکل نہیں دیکھی بیابان میں رہے درختوں کے پتے اور جڑی بوٹیاں کھا کر گزارہ کیا آپ کے استاد رجال الغیب ہی تھے۔

اخبار الاخیار نے آپ کی زندگی کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ ابتدائے کار میں نوجوانی کے عالم میں ایک خوبصورت شخص پہ عاشق ہو گئے۔ یہ مجازی عشق عشق حقیقی میں تبدیل ہوتا گیا صحرائے اجمیر میں گھومتے رہے۔ پھر رجال الغیب میں سے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ جو حسن و جمال ظاہری میں بھی بے مثال تھا۔ آپ اسی کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اور ایک عرصہ تک اس کے پیچھے پھرتے رہے۔ کسی نے آپ کو بتایا حسین شخص

کے پیچھے آپ پھرتے ہیں وہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں خضر علیہ السلام کی ملاقات سے پہلے سخت بارش ہوتی ہے لیکن یہاں ایسا واقعہ نہیں ہے یہ کوئی مردان غیب سے ہے۔

شجرۂ چشتیہ کے مولف نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ وہ حضرت خضر ہی تھے لیکن اخبارالاخیار نے اسے مردان غیب سے بیان کیا ہے حضرت نے اس شخص سے سات سو پچیس علوم حاصل کئے تھے۔

حضرت جلال الدین قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میرا استاد اتنا حسین تھا۔ کہ شاید حضرت یوسف علیہ السلام کا عکس جمیل ہو۔ وہ اتنا خوش آواز ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کے علاوہ دوسرے شخص کو ایسی خوش الحانی نصیب نہیں ہوئی۔ فرماتے ہیں میں مرید ہوا تو فرمانے لگے۔ جاؤ کہیں نوکری کر لو۔ میں نے نوکری کر لی بڑا مال جمع کیا۔ مگر ہر بار میرے مرشد نے کہا اسے غریبوں میں تقسیم کر دو۔ میں نے تین بار مال جمع کیا۔ اور حضرت کے حکم پر غریبوں میں تقسیم کر دیا اس طرح خالی ہاتھ پھر میں اسی خوش شکل نوجوان کے پیچھے ہو لیا مگر وہ مجھے دور صحراؤں اور جنگلوں میں لیئے پھرا۔ حتیٰ کہ وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں نے ایک ایسی جھونپڑی (حجرہ) دیکھی جس کے اندر پانی کا چشمہ اُبل رہا تھا۔ اس حجرے میں میرے شیخ بیٹھے نظر آئے وہ اندر رہتے ہیں اس حجرے کے دروازے پر بیٹھا رہتا تھا۔ اس طرح پانچ سال گزر گئے صرف نماز کے وقت مجھے شیخ کی زیارت ہوتی تھی ان پانچ سالوں میں مجھے شیخ کی نگاہوں سے تین سو سے زیادہ علوم حاصل ہوئے باقی علوم کے لئے فرمانے لگے اب آگے نہ پڑھو۔ تمہارے اندر برداشت کی طاقت نہیں۔ پھر وہ روحانی بزرگ وہاں سے چل پڑے میں ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ حتیٰ کہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے میں آج تک ان کے فراق میں مبتلا ہوں۔

حضرت شیخ جلال الدین اپنے پیرو مرشد کے فراق میں روتے رہتے دیوار سے ٹکریں مارتے اور زور زور سے روتے تھے۔ آپ کی زبان پر یہ شعر ہوتا۔

دریغا مونس تنہائی ما
دریغا سرمۂ بینائی ما
دریغا رفت دولت از سر ما
ہمائے بر پریدا ز کشور ما

کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

من مست مے عشقم ہشیار نخواہم شد
از روزی و قلاشی بیزار نخواہم شد

ایک دن چند کیمیا گر حضرت شیخ جلال الدین قدس سرہ کے سامنے کیمیا گری کے کمالات سنا رہے تھے۔ آپ نے غصے میں آکر کہا۔ تف تمہاری کیمیاگری پر۔ تف تمہاری کیمیاگری پر۔ تف تف۔ تف آپ نے تف تف کہا۔ تو آپ کے منہ سے تھوک کے چند قطرے سامنے پڑے ہوئے پیتل کے تھال پر پڑے کیمیا گروں نے دیکھا تو تھال سونے کا بنا ہوا تھا۔

آپ کچھ عرصہ دہلی رہے پھر آگرہ میں آگئے۔ سنہ ۹۴۸ھ میں پچیس ۲۵ سال کی عمر میں فوت ہوگئے۔ آپ کا مزار مندوالے کے قریب ہے۔

یصد اجلال در خلد بریں رفت
چو سلطان جلال الدین محقق
بگو نور الکرامت وصل او نیز
جلال الدین قریشی بندہ حق

۹۴۸ھ

صاحب اخبار الاخیار نے لکھا ہے کہ

سیّد سلطان بڑانچی قدس سرہٗ:۔ آپ درویش باصفا اور اہل دل تھے حضرت شیخ علاء الدین اجودھنی سے بیعت تھے۔ مگر سلسلہ شطاریہ کے مشائخ سے بھی فیض یاب ہوئے تھے لباس صرف ضروری پردے کے لئے پہنتے تھے۔ سر ننگے پھرتے تھے۔ کبھی فقراء کے ساتھ گھومتے تھے اور کبھی کبھی تنہا بھی پھرتے رہتے تھے ذکر بالجہر کرتے۔ دل پر ضربیں لگاتے۔ بعض اوقات ان کی ضربیں ایسی ہوتیں تھیں جیسے ہتھوڑے آئرن پر مارے جارہے ہیں۔ کہتے ہیں آپ کو ایک ہندو عورت سے محبت ہوگئی تھی۔ مگر وہ عورت آپ کی کشش سے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوگئی۔ اس عورت کے رشتہ دار محمد زمان خان جو بابر بادشاہ کا قریبی تھا۔ فریاد لے کر گئے۔ محمد زمان نے پیغام بھیجا کہ اس عورت کو گھر سے باہر نکال دو نہیں تو میں تمہارے گھر پر حملہ کردوں گا آپ تلوار پکڑ کر باہر نکل آئے اور گرج کر فرمانے لگے۔ اب اس عورت نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ اب میں اُسے کافروں کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ اگر تم جنگ کرنا چاہتے ہو تو میں بھی تیار ہوں۔ اس بات سے وہ ڈر گیا۔ اور خاموش ہوکر واپس چلا گیا۔

آپ ۹۴۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔

سید فردوس شد باعز و جاہ
چونکہ سلطان جہاں مشتاق حق
خاص حق سلطان وفاتش کن رقم
۹۴۹ھ

بار دیگر کن میاں مشتاق حق
۹۴۹ھ

بڑے صاحب کمال وحال تھے جذب وسکر

سیّد علی قوام قدس سرہٗ: میں مشہور تھے لیکن آپ کی طبیعت ایک حال پر نہ رہتی تھی کبھی خرقۂ مشائخ پہنا کرتے۔ کبھی سپاہیانہ لباس پہن لیتے تھے آپ سادات سوانہ سے تھے۔ مگر خلافت شیخ بہاءالدین جونپوری قدس سرہٗ سے پائی تھی۔ آپ کو مقبولیت خاص اور حالت مخصوص حاصل تھی فتوحات کے دروازے آپ پر کھلے تھے چار بیویاں تھیں۔ فتوحات مریدوں سے کرتے تھے کہتے ہیں چالیس سال تک آپ نے کسی خادم یا ملازم کو نہ حکم دیا اور نہ کوئی چیز مانگی۔ مگر آپ کا ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوتا رہا ایک رات اٹھے۔ اور بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ خادم جو ہر رات آپ کے وضو کے لئے پانی لایا کرتا تھا بھول گیا۔ آپ نے اندھیرے میں ہر طرف ہاتھ مارے مگر پانی کہیں نہ ملا۔ پھر سو گئے چند لمحوں بعد پیاس لگی دوبارہ اٹھے پیاس کی شدت ہوئی۔ موت قریب آتی نظر آئی۔ مگر اس حالت میں بھی کسی کو آواز دے کر پانی نہ مانگا۔ مرنا قبول کر لیا مگر وہ عادت نہ چھوڑی آخری بار اِدھر اُدھر ہاتھ مارے تو غیب سے پانی کا ایک کوزہ آیا اللہ کا شکر ادا کیا۔ پانی پیا اور وضو کر کے سجدہ میں گر گئے۔

فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ علی تم اپنے دروازے پر ڈھول بجاتے رہتے ہو۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ۔ یہ ڈھول بھی آپ کا ہی ہے اور دروازہ بھی آپ کا عطا کردہ ہے۔ علی بیچارے کی کیا حقیقت ہے؟ حضور نے فرمایا۔ علی۔ میری امت کے لئے دعائے خیر کیا کرو۔ تمہاری دعا قبول ہو جاتی ہے تم مستجاب الدعوات ہو

آپ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ قوالوں کو فرمائش کرتے ہیں کہ فلاں غزل سناؤ۔ فلاں نعت پڑھو مجھے تو جو غزل اور نعت سناتے ہیں اچھی

لگتی ہے۔

صاحب اخبار الاخیار نے آپ کا سن وفات ۹۵۰ھ لکھا ہے اور مزار پُر انوار جونپور میں ہے۔

سال وصالش چو بجستم ز دل
گفت کہ مخدوم معلی علی
۹۵۰ھ

شیخ عبدالرزاق جھنجھانہ قدس سرہٗ

حضرت خواجہ شیخ محمد حسن طاہر قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ بڑے صاحب کرامت اور مقامات بزرگ تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی تھی کہ جب کبھی کسی بزرگ کی زیارت مطلوب ہوتی خواجگانِ چشت یا جناب غوث الاعظم کے دربار میں پہنچ جاتے۔ آپ پر تمام بزرگوں کی قبریں مکشوف ہو جایا کرتی تھیں اہل بیت سے بڑی محبت تھی معارج الولایت اور اخبار الاخیار کے مولفین نے لکھا ہے کہ ایک سید زادہ کسی جرم پر گرفتار ہو گیا۔ آپ نے جاتے ہوئے اسے قید میں دیکھا تو آگے بڑھ کر ضمانت دی اور اسے کہا۔ شہر سے بھاگ جاؤ تمہاری جگہ میں سزا کاٹوں گا۔ اس قسم کی بے پناہ تکالیف اپنے ذمہ لے لیتے اور تکلیف اٹھاتے اور ان تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ شیخ عبدالرزاق شیخ امان اللہ پانی پتی سے مسئلہ توحید و اطلاق میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ اپنے کشف سے متقدمین کی کتابوں کو سامنے لاتے جاتے اور حوالہ پیش کرتے جاتے تھے

سید علی چشتی جن کا مزار لودھانہ میں ہے آپ کے ہی مرید ہیں۔ یہ بزرگ بڑے معمر۔ ذاکر اور صاحب فکر تھے۔ اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں حضرت عبدالرزاق کا سال وفات ۹۵۰ھ لکھا ہے۔

عبد الرزاق از جہاں چوں رخت بست
ہست وصل آں شہ اہل عتیز
عابد رزاق والا مرتبت
قطب جنت عابد رزاق نیز

۹۵۰ھ

آپ حضرت فرید شکر گنج

شیخ یوسف المشہور بہ شاہ جوسی چشتی قدس سرہٗ:- قدس سرہٗ کی اولاد میں

سے تھے شیخ یوسف بن شیخ محیط الدین المعروف شاہ حیط۔ بن شیخ الدین المشہور بہ شاہ شیخو بن شمس الدین بن نصیر الدین بن بدر الدین سلیمان بن حضرت فرید الحق والدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

آپ کو کرامات تو ورثہ میں ملی تھیں۔آپ راہ سلوک میں اپنے والد کے قدم قدم پر گامزن آپنے ابتدائی عمر اجودہن (پاک پتن) میں گزاری بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کیں ایک دن غیبی آواز آئی۔یوسف بیت اللہ کو روانہ ہونے کی تیاری کرو اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی زیارت کا شرف حاصل کرو آپ یہ حکم پاتے ہی تین بھائیوں کو ساتھ لے کر خشکی کے راستہ دیار حبیب کو روانہ ہوئے ادائے حج ادا کرنے کے بعد حضور کے روضہ اطہر پر حاضری دی۔وہاں سے اجازت پاکر قلعہ امیر کی طرف روانہ ہوئے۔وہاں کے والی عادل شاہ (حکمران خاندیس) نے آپ کا بڑھ کر استقبال کیا اور بڑی مسرت کا اظہار کیا۔آپ عادل شاہ سے رخصت ہو کر سیدھے پاک پتن آئے اہل وعیال کو ساتھ لے کر برہان پور چلے گئے اور باقی عمر وہاں ہی قیام فرما رہے۔

ہم نے یہ حالات معارج الولایت سے نقل کئے ہیں صاحب معارج الولایت

نے آپ کا سن وفات نہیں بتایا مگر شجرہ چشتیہ میں آپ کی وفات ۹۵۰ھ کو لکھی ہے۔

چو یوسف یوسف مصر محبت
ز دنیا رخت خود بر بست بہشت
خرد ہیبت محبت گفت تاریخ ۹۵۰ھ
دگر فرمود کامل یوسف چشت

۹۵۰ھ

شیخ امان اللہ پانی پتی قدس سرہٗ: آپ کا اسم گرامی عبد الملک تھا خطاب امان اللہ تھا۔ شیخ محمد حسن قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ آپ کے والد حسن طاہر راجی حامد شاہ کے مرید ہیں۔ ظاہر علوم میں آپ نے مودو دلاری کی شاگردی کی خاندان چشتیہ کے علاوہ آپ کو دوسرے سلسلوں سے بھی نسبت حاصل تھی مشرب قلندریہ میں دو واسطوں سے حضرت شاہ نعمت اللہ کرمانی سے نسبت ہے شاہ لحت اللہ صوفی علماء میں ممتاز ہیں اور حضرت محی الدین ابن عربی کے تابعین میں سے ہیں۔ آپ اپنی تقریروں میں مسئلہ توحید پر بڑی پر معنی گفتگو کیا کرتے تھے اور اس موضوع پہ آپ کو پوری مہارت حاصل تھی۔ آپ نے توحید پر کئی کتابیں لکھیں ہیں اس سلسلہ میں اثبات الاحدیت بڑی مشہور کتاب ہے اسی طرح آپ نے حضرت جامی کی سوانح پہ بڑی مبسوط شرح لکھی تھی۔ فرمایا کرتے تھے اگر مجھے حالات اجازت دیتے تو میں مسئلہ توحید کو بر سر منبر بیان کرتا۔ فرمایا کرتے تھے۔ ابتدائے حال میں میرے پاس مسئلہ توحید پر دو دلیلیں تھیں مگر اب اللہ کے فضل سے سولہ دلیلیں ہیں فرمایا کرتے ہمارے سامنے درویشی دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک تہذیب اخلاق دوسری خدمت اہل بیت۔ فرمایا کرتے کمال محبت یہ

ہے کہ محبوب کے متعلقین سے تجاوز نہ کرے کمالات محبت میں یہ چیز ضروری ہے کہ محبت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر قائم رہے اور حضور سے محبت اور اتباع کی علامت یہ ہے کہ آپ کی اولاد اور اہل بیت سے محبت رکھے اور انہیں دل وجان سے عزیز رکھے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کو اہل بیت سے اتنی محبت اور احترام تھا کہ آپ پڑھاتے ہوتے۔ تو کوئی سید زادہ کھیلتا کھیلتا آپ کے سامنے آجاتا۔ تو آپ کتاب اٹھائے اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک وہ سید زادہ وہاں سے خود ہی واپس نہ چلا جاتا۔

شیخ امان اللہ نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتے تو کئی بار تکرار کرتے حتیٰ کہ کئی بار بے خود ہوکر گر پڑتے تھے اور اس طرح مدہوش ہوتے کہ قیام کی ہمت نہ رہتی اور اس طرح آپ کی کئی نمازیں فوت ہو جایا کرتی تھیں۔

موت سے چند دن قبل آپ نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ میں ایک سفر پر جا رہا ہوں۔ شیخ زکریا اجودہنی آپ کے خاص مرید تھے۔ عرض کی۔ حضور ہم دوستوں میں سے کون کون خادم آپ کے سفر میں ہمرکاب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر سفر زمینی ہوتا تو بعض احباب ساتھ ہوتے۔ مگر یہ سفر تو مجھے تنہا ہی کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد آپ اٹھے۔ اپنے گھر گئے۔ تمام اشیاء کو ایک ایک کرکے تقسیم کیا۔ کتابوں کو کھولتے اور انہیں کہتے۔ میں نے تم سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اسی طرح حجرہ اور خلوت کدہ میں داخل ہوکر ان کے درو دیوار کو الوداع کہا۔ کچھ دنوں بعد آپ کو بخار ہوگیا۔ فرمایا۔ کچھ لکڑیاں لے آؤ۔ اور برتن اور کونسے تازہ منگوا لیئے۔ آج ساری عمر کے وسوسے ختم ہو جائیں گے اس دن ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ تھی۔ آپ نے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا سالانہ عرس کیا۔ تبرکات تقسیم کئے۔

پختہ طعام لوگوں کو کھلایا۔ اب ربیع الثانی کی بارہویں تاریخ آگئی۔ آپ پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے فرمانے لگے۔ مشائخ طریقت تشریف فرما ہیں. مجھ سے توحید کا فتویٰ طلب کر رہے ہیں۔ چند کلمات توحید یہ بیان فرمائیے۔ بارہ ربیع الثانی ۹۵۷ھ کو وصال فرمادیا۔

حضرت امان اللہ پانی پتی کے بڑے مرید تھے۔ ان میں شیخ تاج دین زکریا اجودھنی اور شیخ رکن الدین اجودھنی آپ کے خاص خلفا میں سے تھے۔ شیخ سیف الدین جو حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مکرم تھے۔ آپ کے خلیفہ تھے۔

رحلتش ظاہر ست سید شیت
۹۵۷ھ
ہم بخواں خاص حق امان اللہ
۹۵۷ھ
دالیٔ فضیل گو ترحیلش
۹۵۷ھ
شیخ والی و شیخ والا جاہ

۹۵۷ھ

شیخ حمزہ دہر سو قریشی قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ نسبت طریقت. میر سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ بڑے عظیم اور باکرامت بزرگ تھے معمور الاوقات اور دائم العبادت تھے سلطان بہلول کے زمانہ اقتدار سے اسلام شاہ کے دور حکومت تک زندہ رہے۔ ابتدائی زندگی میں بادشاہ کی ملازمت کرتے تھے۔ آپ کو قلعہ کی نگرانی دے رکھی تھی۔ ایک رات پہرہ دیتے ہوئے دل میں خیال آیا مجھے اس کی ملازمت کرنا چاہیئے جو میرا محافظ بن سکے۔ یہ خیال اتنا پختہ ہوا۔ کہ چند روز بعد اجمیر شریف چلے گئے وہاں ایک دیوانہ مجذوب حمزہ نامی ملا۔ اس سے روحانی فیض ملا۔ بعد میں شیخ احمد مجد شیبانی سے بیعت ہوئے اور منازل

سلوک طے کرنے لگے اپنے وطن واپس آئے۔ ملازمت ترک کی۔ قصبہ دہرسو جو نارنول سے تین میل کے فاصلہ پر ہے قیام کر لیا۔ دہرسو کے سادات جاہل تھے۔ اور شرافت کی زندگی سے دُور جا چکے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو ظاہری اور باطنی علوم سے آگاہ کیا۔ لوگوں سے نذرانے آتے آپ ان سادات پر خرچ کر دیتے تھے۔ زیادہ فتوحات آنے لگیں تو فقرا و مساکین میں بانٹنے لگے۔ اپنے اہل و عیال کو بھی اتنا ہی حصہ دیتے جتنا عام لوگوں کو نصیب ہوتا تھا۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ حمزہ قدس سرہٗ نے اپنے ایک مرید خاص کو ریگستان کے علاقہ میں کسی کام کے لئے بھیجا۔ وہ ریگستان میں پیاسہ مرنے لگا۔ اس نے دل میں خیال کیا۔ کہ پہلے بزرگ اپنے مریدوں کا اتنا خیال رکھا کرتے تھے تو پانی کی بجائے دودھ ملا کرتا تھا۔ میں آج پانی کے قطرے کو ترس ترس کو مر رہا ہوں۔ دور سے ایک چرواہا بھیڑ بکریاں ہانکتے نظر آیا۔ جب پاس پہنچا تو دیکھا۔ کہ اس کی بغل میں ایک مشکیزہ ہے جس میں پانی موجود ہے۔ مرید نے کہا۔ میں پیاسہ ہوں اس مشکیزے سے مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو اس نے کہا۔ اس ریگستان میں پانی کہاں اس میں دودھ ہے اگر چاہو تو پلا دوں۔ جتنا پی سکتا تھا۔ پیا۔ کچھ دور چلا تو پیاس نے دوبارہ آلیا۔ بڑا پریشان ہوا۔ سامنے ایک جگہ نظر پڑی میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ پاس گیا سیراب ہو کر پیا۔ اور خیال کیا یہ تمام حضرت شیخ حمزہ رحمتہ اللہ علیہ کی کرامت سے ہے۔

صاحب اخبار الاخیار نے لکھا ہے حضرت حمزہ پچیس ربیع الثانی ۹۵۷ھ کو نماز مغرب پڑھ رہے تھے۔ دو رکعت پڑھ لیں تیسری میں سجدہ ریز ہوئے تو واصل بحق ہو گئے

مقیم روضہ خلد بریں شد
جو قطب اولیا مخدوم حمزہ
بگو افضل ولی تاریخ ترحیل
۹۵۷ھ
دگر اہل صفا مخدوم حمزہ
۹۵۷ھ

شیخ حسام الدین متقی ملتانی قدس سرہٗ: آپ چشتیہ سلسلہ کے مشہور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے سلسلہ سہروردیہ سے بھی فیض پایا تھا۔ زاہد۔ متقی۔ عاشق۔ بعشق الہٰی دنیا داری سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ روزی کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے۔ حلال کا رزق حاصل کرنے کے لئے مختصر سی کھیتی باڑی کر لیا کرتے تھے۔ ایک وقت آیا۔ کہ ملک میں بعض حوادثات کی وجہ سے کاشتکاری میں بھی رکاوٹ آگئی تو بھوک اور فاقہ اختیار کر لیا۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ یوں پورا ہفتہ لقمہ نہ ملتا۔ اگر کوئی کھانا لاتا تو شبہ کی بنا کر دوسروں کو کھلا دیتے۔ اور خود دست کش رہتے۔ آپ اسی خیال میں آخری دم تک کھانے سے اجتناب کرتے رہے۔

ایک بار آپ نے اپنے گھر کھانا تیار کرایا۔ جب کھا چکے تو فرمانے لگے کہ آج مجھے اس کھانے سے بوجھ اور کدورت محسوس ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ ملاوٹ کی گئی ہے۔ کھانا تیار کرنے والوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ نہایت احتیاط سے کھانا تیار کیا گیا ہے۔ ہاں کھانا پکانے کے لئے جب ہمسایہ سے آگ لینے گئے تو اس کے صحن میں خس و خاشاک پڑے تھے۔ وہ بھی ساتھ لے آئے تھے۔ آپ یہ سُن کر اٹھے۔ ہمسایے کے پاس گئے۔ خس و خاشاک کو بلا اجازت اٹھا لانے پر معذرت کی۔ اور اسے اس کی قیمت ادا کر کے واپس آئے

آئے پھر آکر چھین لیا۔

ایک بار آپ کی مجلس سے کوئی شخص اٹھا اور غلطی سے آپ کا جوتا پہن کر چلا گیا اسے دوسرے روز علم ہوا تو جوتا واپس لے کر آیا۔ آپ نے لینے سے انکار کر دیا فرمایا جب ایک چیز ہماری ملک سے چلی جائے وہ دوسرے کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ جب تک تم اس کی قیمت نہ لوگے میں اسے واپس لینا جائز نہیں سمجھتا۔

آپ کا ایک بیٹا یا یزید نامی تھا یہ بیٹا بڑا متقی اور عابد تھا۔ ایک گوشہ میں بیٹھا رہتا اور عبادت میں مشغول رہتا اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے۔ ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک روپیہ لے کر بطور نذرانہ حاضر ہوا آپ نے روپیہ نہ دیکھا تھا۔ فرمایا یہ کیا ہے؟ اس شخص نے بتایا کہ یہ سکہ رائج الوقت ہے۔ آپ نے اسے پوچھا یہ کس کام آتا ہے۔ اس نے بیان کیا اسے قبول فرماکر اسے واپس کر دیا۔

شیخ حسام الدین قدس سرہٗ کا انتقال ۹۶۰ھ میں ہوا تھا۔

چوں حسام الدین حسام الدین حق
سالک دین راہنمائے متقی
شد چو زین عالم بگو تاریخ او
زاہد دین پیشوائے متقی

۹۶۰ھ

پیر سید عبد الاول بن علائی چشتی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ حضرت سید گیسو دراز قدس سرہ کی اولاد میں سے کسی ایک بزرگ کے مرید تھے۔ بڑے عالم فاضل اور صاحب طریقت و حقیقت تھے علوم ظاہریہ میں کمال حاصل کیا تھا۔ آپ کی تصانیف بڑی مشہور

ہوئیں۔ بخاری شریف کی شرح فیض الباری آپ نے لکھی تھی۔ رسالہ سراجیہ کو نظم کیا۔ نفس و معرفت کی تحقیق میں بڑا عمدہ رسالہ لکھا تھا۔ سیرت پر بھی آپ کی کتابیں ملتی ہیں۔ سفر السعادت پر حواشی لکھے۔ آپ کی لکھی ہوئی کتابیں اہل علم کے حلقوں میں بڑی پسند کی گئیں۔ عمر کا آخری حصہ فقر و فاقہ میں گزارا۔ علائق دنیا سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔

اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں لکھا ہے۔ کہ آپ کے آباؤ اجداد زید پور سے جو جونپور کے مضافات میں ہے نقل مکانی کر کے دکن آ گئے تھے آپ دکن میں ہی پیدا ہوئے اور وہاں ہی تحصیل علوم کیا وہاں سے گجرات آئے پھر وہاں سے چل کر حرمین الشریفین پہنچے حج کے بعد واپس آئے تو احمد آباد میں قیام کیا۔ محمد بیرم خان خان خانان کی استدعا پر احمد آباد سے دہلی آ گئے۔

دہلی میں ہی ۹۶۸ھ میں انتقال کیا۔

عید الاول اول از روز قیام
رفت مثل گل بباغ جنتی
سال وصل شیخ محبوب آمد است
ہم ہو الاول ہو آلاخر ولی

شیخ قاضی خان ظفر آبادی قدس سرہٗ: آپ شیخ حسن طاہر کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ بڑے زاہد۔ عابد اور صاحب استقامت و کرامت بزرگ تھے فرمایا کرتے تھے۔ میں تے تیس سال جہاد کیا اور اس نفس امارہ سے لڑتا رہا۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ یہ نفس پلید انسان کو کن کن داؤ پیچ سے مغلوب کرتا رہتا ہے۔

نصیر الدین ہمایوں بادشاہ نے کئی بار کوشش کی کہ آپ نذرانہ قبول فرمالیں

مگر ہر بار انکار فرما دیا کرتے تھے ایک بادشاہی مرتبت کے بادشاہ نے کہلا بھیجا آپ جو شہر یا جاگیر اپنے نام پر لکھ دیں۔ وہ آپ کے لئے ہو گی۔ مگر آپ نے فرمایا مجھے یہ چیزیں درکار نہیں ہیں ہم نے اپنے پیرو مرشد سے وعدہ کیا ہے کہ جو کچھ مانگیں گے اپنے خدا سے مانگیں گے۔ ہمایوں نے کہا۔ اچھا یہ چیزیں اپنے بیٹوں کے لئے لے لیں۔ آپ نے فرمایا وہ بالغ ہیں انہیں اختیار ہے۔ اپنے لئے کیا چیز حاصل کریں۔ آخر کار یہ فرمان آپ کے بڑے بیٹے عبداللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا انہوں نے بھی معذرت کر دی۔

قاضی خان پندرہ ماہ صفر ۹۷۰ھ کو فوت ہوئے۔

از قضائے قاضئ ہر دو سرا
کرد قاضی خان چو در جنت مکان
سال وصلش قاضی مہدی بگو
قاضئ ہند یست قاضی جہاں
۹۷۰ھ

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہر قدس سرہٗ:۔ آپ قاضی خان ہنستی کے خلیفہ خاص تھے۔ زہد و تقوی میں بے مثال تھے۔ تجرید و تفرید میں باکمال تھے حلم و رضا صبر و تحمل میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے جس پر نگاہ ڈالتے خدا رسیدہ بنا دیتے تھے حالت وجد و سماع میں حالت اضطراب میں رہتے تھے آپ نے مجلس سماع میں ہی جان دے دی اس آیت کریمہ فسبحان الذی بیدہ الملکوت کل شی والیہ ترجعون کی سماعت پر جان دے دی۔ آپ کو جو شخص ایک بار دیکھتا سبحان اللہ سبحان اللہ پکار اٹھتا۔

آپ کی ولادت جونپور میں ۸۹۸ھ میں ہوئی۔ اور وفات چھ جمادی الآخر ۹۷۵ھ کو ہوئی۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کا قطعہ وصال اس طرح لکھا ہے۔

شیخ کامل عارف دوراں خود عبدالعزیز
آنکہ می داد اہل دل را مجلسش یاد از بہشت
ہر چہ از اوصاف اہل اللہ در عالم بود
حق تعالیٰ را ول فطرت بذات او سرشت
یادگار اہل حقیقت او بود در دوران خویش
گشت زاں تاریخ خوئیش یادگار اہل چشت
۸۹۸ھ

شیخ علی متقی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان چشتی الصابری الشاذلی المدینی قدس سرہ العزیز آپ کے آبائے کرام جونپور میں تھے۔ مگر آپ برہان پور میں پیدا ہوئے آپ کے والد سات سال کی عمر میں آپ کو باجن چشتی برہان پور میں لے گئے۔ باجن چشتی کے پیروں کا سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری تک جا ملتا تھا وہاں سے مودود چشتی تک جا ملتا ہے۔ شیخ علی متقی نے آپ کے زیر سایہ پرورش پائی کچھ عرصہ پرورش پانے کے بعد دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ ایک درباری امیر کی خدمت میں نوکری کرنے لگے۔ بڑے مالدار بن گئے۔ اسی اثنا میں آپ کو خدا طلبی کی لگن ہو نے آ لیا۔ سارا گھر بار غریبوں میں تقسیم کر دیا اور شیخ عبدالحکم بن باجن شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کچھ عرصہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ خرقۂ خلافت پایا۔ وہاں سے چل کر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں ملتان پہنچے۔ بڑے فیض حاصل کئے وہاں

سے ہی حرمین الشریفین کو روانہ ہوئے وہاں آپ کو ابوالحسن بکری قدس سرہٗ جو وقت کے قطب الاقطاب تھے۔ کی محبت نصیب ہوئی۔ وہاں ہی شیخ محمد بن محمد سخاوی قدس سرہٗ سے قادریہ سلسلہ میں خرقۂ خلافت پایا آپ سے ہی سلسلہ شاذلیہ کی تلقین کی اجازت پائی۔ آپ کو شیخ ابومدین شعیب المغربی قدس سرہٗ سے مدینی سلسلہ میں خلافت ملی۔

آپ مکہ مکرمہ میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے وہاں ہی آپ نے سلسلہ تصانیف شروع کیا۔ کہتے ہیں آپ نے ایک سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے جمع الجوامع۔ جامع صغیر۔ تبیین الطریق۔ مجموعہ حکیم کبیر۔ بڑی مشہور ہیں شیخ ابن حجر المکی ان دنوں مکہ کے ممتاز عالم دین تھے۔ آپ کے مرید ہو گئے۔ اسی طرح اور بہت سے علماء و فقہا بھی آپ سے بیعت ہوئے۔ وہاں سے روانہ ہو کر گجرات آئے اور پھر دکن آ گئے۔ حاکم گجرات سلطان بہادر نے آپ کی خدمت میں حاضری کی التجا کی مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ آخر کار اس نے قاضی عبداللہ سندھی کو اپنا سفارشی بنا کر اجازت حاصل کی اور زیارت سے مشرف ہوا دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ روپیہ آپ کی خدمت میں نذر کیا۔ یہ نذرانہ قاضی عبداللہ کو دیا تاکہ آپ انکار نہ کریں۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک وزیر نے آپ کی دعوت کی۔ اور ساتھ ہی عرض کی حضور اس دعوت سے میری غرض یہ ہے کہ آپ کا قدم میرے غریب خانہ میں آنے سے روحانی برکات نصیب ہوں۔ آپ نے فرمایا تین شرطیں سامنے رکھیں پھر آؤں گا پہلے یہ کہ مجھے جہاں دل چاہا بیٹھوں گا۔ دوسرے جو چیز مجھے اچھی لگی وہی کھاؤں گا۔ تیسرے جس وقت میرا جی چاہا۔ اٹھ کر چلا آؤں گا۔ وزیر نے یہ تینوں شرطیں قبول کر لیں۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت نے روٹی کے چند

ٹکڑے جیب میں رکھے وزیر کے گھر پہنچے۔ اس نے بڑا شاہی اہتمام کیا ہوا تھا معزز مہمان اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے آپ آئے اور دروازے کے ساتھ ہی جوتوں کی جگہ کے ساتھ جہاں کوئی فرش نہ بچھا تھا۔ بیٹھ گئے وزیر نے عرض کی حضور آگے تشریف لائیں۔ مگر آپ نے اپنی شرط یاد دلائی۔ کھانا چنا گیا۔ کئی قسم کے اعلیٰ کھانے لگائے گئے۔ شیخ نے اپنی جیب سے روٹی کے سوکھے ٹکڑے نکالے اور کھانے شروع کئے۔ صاحب ضیافت نے عرض کی حضور چند لقمے تو تناول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ میری دوسری شرط تھی۔ مجھے یہی کھانا اچھا لگتا ہے۔ آپ اٹھے اور مجلس کو چھوڑ کر گھر آگئے۔

اخبار الاخیار میں حضرت نے اپنا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ حلال کا مال کبھی ضائع نہیں ہوتا میں ایک بار ہندوستان سے ایک جہاز پر بیٹھا حج کے لئے مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ سمندر میں طوفان نے جہاز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جہاز کے ایک ٹکڑے پر ہم چند دوست بچ گئے۔ میری کچھ کتابیں تھیں۔ وہ بھی میرے ساتھ بچ گئیں مگر پانی سے بھیگ گئیں جس تختے پر ہم سوار تھے۔ چلتا چلتا ساحل سمندر پر جا لگا۔ ہم اترے میں نے کتابیں اٹھائیں دھوپ میں خشک کیں۔ مگر وہ اتنی بوجھل تھیں کہ میں انہیں اٹھا کر سفر کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں زمین کھود کر دفن کیا اور اس پر نشانی لگا دی کہ کبھی موقعہ ملا۔ تو آکر لے جاؤں گا۔ روانہ ہوئے تو صحرا میں سخت گرمی تھی۔ پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ ہر طرف مایوسی میں نے دعا کی۔ بارالٰہی۔ اپنی رحمت سے پانی بھیج۔ دیکھتے دیکھتے بادل آئے۔ اور زوردار بارش ہونے لگی۔ موسم خوشگوار ہو گیا اور پانی پینے کو مل گیا۔ میں حج کو پہنچا۔ صفا مروا پر سعی کرنے کے بعد چند لمحے ایک جگہ بیٹھا تھا تو کچھ بدو سر پر کتابوں کا گٹھا رکھے آپہنچے۔ کہنے لگے ہم نے یہ کتابیں بیچنی ہیں۔ کھول کر دیکھی گئیں

تو وہ میری ہی کتابیں تھیں۔ مول چکا کر خرید لیں۔ ان کے کاغذ مٹی سے اٹے اور جڑے ہوئے تھے۔ میں پانی کی مدد سے انہیں علیٰحدہ کرتا گیا۔ الحمدللہ ساری کتابیں درست نکلیں۔ ایک حرف بھی ضائع نہ ہوا تھا۔

شیخ علی متقی جن دنوں مرض الموت میں تھے فرمایا۔ جب تک ہماری انگشت شہادت حرکت کرتی رہے۔ جان لو کہ ابھی روح بدن میں ہے۔ جب یہ حرکت سے رک جائے۔ تو سمجھ لینا کہ اب روح پرواز کر گئی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اخبار الاخیار اور معارج الولایت نے آپ کا سال ولادت ۸۸۵ھ لکھا ہے اور وصال بوقت صبح دوم ماہ جمادی الاوّل ۹۷۵ھ کو ہوا تھا۔ آپ کا مزار پُرانوار مکہ مکرمہ میں ہے اخبار الاخیار کے موئلف نے آپ کا مادہ تاریخ وفات شیخ مکہ (۹۷۵ھ) اور متابعت (۹۷۵ھ) نبی سے نکالا ہے۔

شیخ عبدالحق محقق دہلوی آپ کے شاگرد اور مرید تھے آپ نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد میں آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کے ہاں قیام پذیر تھا ایک دن میں آپ کے مزار پُرانوار کی زیارت کو گیا۔ میں نے مزار پہ کھڑے ہو کر اپنا حال بیان کیا اور عرض کی حضور میں آپ کے خلیفہ کے پاس رہ رہا ہوں آپ انہیں توجہ دلائیں کہ وہ میرے احوال و افکار پر زیادہ نگاہ رکھیں رات خواب میں دیکھا کہ حنفی مصلّٰی کے ساتھ جناب شیخ ایک تخت پہ جلوہ فرما ہیں۔ اور میں مؤدب سامنے کھڑا ہوں مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم نے ہماری قبر پہ جو کچھ کہا ہے ہم نے سن لیا ہے۔ فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ تمہارے کام درست ہوں گے۔

اخبار الاخیار میں یہ روایت بھی لکھی ہے کہ شیخ علی متقی کی وفات کے بارہ سال بعد آپ کے بھائی کے بیٹے سید احمد کا انتقال ہوا۔ لوگوں نے لاش کو صلحاء اور اولیاء کے قبرستان میں دفن کرنا چاہا۔ حضرت عبداللہ یافعی کی ایک قبر میں امانتاً

دفن کیا گیا تھا اتفاقاً قبر کو کھولا گیا تو آپ کا بدن اسی طرح صحیح و سالم نکلا حالانکہ مکہ کی مٹی کا یہ اثر ہے کہ تین چار ماہ میں بدن کو کھا جاتی ہے اور مردہ کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔

حامی دین راہنما راہ حق
مرشدا علی علی والی دلی
سالِ وصلش گو علیِ شیرِ خُدا
ہم بخواں مخدوم دیں عالی علی
۹۷۵ھ

۹۷۵ھ

شیخ ادہن جونپوری قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ بہاؤ الدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے اور وقت کے بڑے مشائخ میں سے مانے جاتے تھے آپ کی عمر سو سال سے بھی زیادہ تھی آپ اس قدر ناتواں اور ضعیف تھے کہ جب تک آپ کو دونوں بازوؤں سے سہارا نہ دیا جاتا تھا اٹھ نہ سکتے تھے۔ مگر اس ناتوانی کے باوجود مجلس سماع میں جب آپ پر رقت طاری ہوتی تو بغیر کسی سہارے کے اُٹھ کھڑے ہوتے وجد میں آجاتے اور یوں دکھائی دیتا کہ آپ پوری طرح تندرست ہیں۔

جن دنوں آپ کے والد حضرت شیخ بہاء الدین اپنے پیر و مرشد شیخ عیلٰی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہا کرتے تھے تو ہر روز صبح کی نماز حضرت شیخ کے پیچھے ادا کیا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی تکبیر اولیٰ قضا نہ کی۔ ایک بار حضرت شیخ بہاء الدین کا ایک لڑکا فوت ہو گیا آپ تجہیز و تکفین میں مصروف رہے تو آپ کی تکبیر اولیٰ قضا ہو گئی اور آپ صبح کی نماز کی جماعت میں تشہد میں جا کر ملے۔ نماز کے بعد حضرت عیلٰی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بہاء الدین کو فرمایا آج کے بعد آپ کا

بیٹا نہیں مرے گا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اوہن دیا جسے حضرت شیخ علیسی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے بڑی لمبی عمر اور بہت سے کمالات ملے۔
اخبار الاخیار میں آپ کی وفات ۹۷۶ھ میں لکھی ہے۔

پرتو افگن شد بجنت مثل ماہ
چونکہ اوہن مظہر نور جمال
رحلتش شاہ ولائیت اکبر است
فیض مولا نیر سال وصال

شیخ اسلیم بن بہاء الدین چشتی قدس سرہٗ:- آپ حضرت مسعود شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ برصغیر میں آپ شیخ اسلیم کے نام سے مشہور ہوئے۔ مگر عرب و عراق میں آپ کو شیخ الھند کے نام سے شہرت ملی تھی۔ والد کا اسم گرامی بہاء الدین اور والدہ کا نام نامی بی بی احد تھا آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والدین لودھانہ (پنجاب) میں قیام پذیر تھے وہاں سے اللہ کے حکم سے دہلی تشریف لے آئے اور محلہ پیر علاء الدین میں قیام فرمایا۔ حضرت شیخ اسلیم دہلی میں ہی ۸۸۴ھ میں پیدا ہوئے یہ روایت معارج الولایت کی ہے مگر صاحب اخبار الاخیار نے آپ کا سال ولادت ۸۷۷ھ لکھا ہے کہتے ہیں جس دن آپ پیدا ہوئے تو فرش پر مسور کی دال کا ایک دانہ پڑا تھا جو آپ کی پیشانی پر چسپاں ہو گیا اس دانے کا نشان ساری عمر آپ کی پیشانی پر رہا۔ آپ فرماتے ہیں میں نے کئی بار کوشش کی کہ یہ نشان مٹا دوں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔
حضرت اسلیم چشتی کے والدین دہلی (فتح پور) میں آپ کے پاس ہی قیام فرما تھے تو فوت ہوئے شیخ موسیٰ کا اپنا بیٹا نہ تھا۔ آپ نے حضرت اسلیم چشتی کو اپنا

بیٹا بنا کر پرورش کی اور اس پرورش میں آپ نے بڑی محنت اور شفقت سے حصہ لیا۔ آپ سفر کو روانہ ہونے لگے۔ تو فرمایا۔ میرا اور کوئی بیٹا نہیں۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ کو جانے کی اجازت دوں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا دے گا جب شیخ موسیٰ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو حضرت شیخ اسلیم چشتی فتح پور دہلی سے سرہند کو روانہ ہو گئے۔ اور شیخ مجد دالدین جو اس وقت کے ملک العلماء تھے۔ ان سے ظاہری علم حاصل کرنے لگے کبھی کبھی آپ سرہند سے نکل کر قصبہ بہدالی چلے جاتے تھے یہ قصبہ سرحد سے تین میل کے فاصلے پر ہے وہاں شیخ زین الدین چشتیؒ کا مزار ہے آپ اس مزار پر حاضری دیتے تھے۔

اخبار الاخیار کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ نے ۹۳۱ھ ہجری میں حج کے لئے روانہ ہوئے وہاں ایک عرصہ رہے اور کئی حج ادا کئے ایک مدت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاور بنے وہاں سے رخصت ہوئے تو عرب و عجم کی سیر کو نکلے بڑے بزرگوں کی مجالس سے فیض پایا۔ اور بڑے بڑے اہم کام کئے۔ قطب العارفین شیخ ابراہیم چشتی کو اپنا پیرو مرشد بنا کر خرقہ خلافت حاصل کیا عرب میں بہت سے لوگوں کو مرید بنایا اور خرقہ خلافت بھی عطا کرتے رہے سید محمد لولی شیخ محمود شامی شیخ رجب علی متولی روضہ منورہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بہت سے عربی شرفاء آپ کے مرید ہوئے اور خلافت پائی ہندوستان واپس آئے تو کوہ سیکری (فتح پور) پر گوشہ نشینی اختیار کی۔ ریاضت اور مجاہدہ میں مشہور ہوئے۔ شادی کی اور صاحب اہلِ عیال بنے۔ آپ نے کوہ سیکری پر ہی بڑی بڑی عمارتیں۔ باغ۔ تالاب اور کوئیں تعمیر کئے ۹۶۲ھ ہجری میں سیموں بقال نے آپ کو بہت پریشان کیا۔ چنانچہ آپ نے فتح پور سیکری کو چھوڑ کر دوبارہ حج کو چلے گئے۔ اور دنیائے اسلام کا سفر کر کے واپس آ گئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد جب اسلام شاہ نے بادشاہت کا اعلان کیا۔ تو تمام شاہی لشکر اس کے بڑے بھائی عادل خاں کے ساتھ مل گیا۔ اسلام شاہ نے اپنے ایک خاص آدمی کو حضرت سلیم چشتی کے پاس دعا کے لئے بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ سلام شاہ کو کہہ دو کہ وہ فی الفور گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلے جتنے فوجی اس کے بھائی عادل شاہ سے مل گئے ہیں وہ تمہارے نام ہندوستان کی بادشاہی لکھ دی ہے۔ اسلام شاہ باہر نکلا۔ سارا لشکر ساتھ مل گیا اور ہندوستان کے اقتدار پر اس کا قبضہ ہو گیا۔

قاضی غیاث الدین ابراہیم آباد کے قاضی تھے اور آپ کے خلیفہ خاص بھی تھے۔ ایک دن قاضی غیاث الدین نے کہا حضور دہلی کا بادشاہ سلطان محمد عادل میرا واقف ہے۔ میں اس سے ملاقات کی اجازت چاہتا ہوں۔ مگر آپ اس سے ملنے کی اجازت دیں۔ اور ساتھ ہی آپ کے پاس ایک عراقی گھوڑا ہے اگر آپ مجھے عنایت فرمائیں تو میں اسے بطور تحفہ دے دوں حضرت سلیم چشتی نے قاضی صاحب کو سلطان سے ملنے کی اجازت بھی دی اور گھوڑا بھی دے دیا۔ مگر ساتھ شرط رکھی کہ بادشاہ کو بتا دینا کہ یہ گھوڑا اس کے لئے حاضر رہے گا۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس پر سوار ہو گیا تو اس کی سلطنت کو زوال آجائے گا۔ قاضی غیاث الدین شاہی دربار میں پہنچے عراقی گھوڑا پیش کیا۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ مگر ساتھ ہی آپ نے اس پر واضح کر دیا کہ آپ کے سوا اس پر کوئی دوسرا سوار نہ ہو۔ ورنہ آپ کی سلطنت زوال پذیر ہو گی۔ بادشاہ نے تسلیم کر لیا۔ کچھ دن گزرے قاضی صاحب نے دیکھا کہ بادشاہ کا ایک خاص ملازم اس گھوڑے پر سوار جا رہا ہے۔ حضرت سلیم چشتی کے پاس آئے ذکر کیا آپ نے فرمایا آج سے اس کی سلطنت تو زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی ہے اور چند دنوں میں اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا گیا

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ فتح پور سیکری کی تعمیر سے پندرہ سال قبل حضرت شیخ سلیم چشتی نے لوگوں کو بتایا۔ کہ ان پہاڑوں پر عالی شان عمارتیں بنیں گیں اگر تم لوگ اب ہی وہاں حویلیاں بنالو تو بڑی قیمت پاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت ایک گز جگہ بھی نہیں خریدی جا سکے گی۔ لوگوں نے کہا کہ اس ویرانے میں کون حویلیاں بنائے یہاں تو جنگل کے درندے پریشان کرتے ہیں کچھ عرصہ بعد شہنشاہ اکبر حضرت سلیم چشتی کو ملنے آیا۔ اور عقیدت وارادت کا اظہار کرتے ہوئے۔ اپنی بیوی کو حضرت کے حجرے میں ٹھہرایا۔ جہاں اس کا بیٹا جہانگیر پیدا ہوا۔ پھر کیا تھا۔ دہلی کے رؤسا اور امراء فتح پور میں اپنے محلات بنانے لگے۔ بادشاہ کا آنا جانا ہو گیا۔ بہت بڑا شہر بنتا گیا۔ لوگوں کو اب جگہ ملنا محال ہو گئی۔ اس شہر پر شاہی رعائتیں ہونے لگیں۔ حضرت شیخ سلیم چشتی کے لئے ایک شاندار خانقاہ۔ مسجد۔ اور دوسرے محلات بنائے لگے حضرت ان مکانات میں منتقل ہو گئے۔ آپ کی مسجد کا یوم تاسیس ثانی المسجد الحرام سے برآمد ہوتا ہے۔ اور خانقاہ کا سنگ بنیاد خانقاہ اکبر سے برآمد ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سلیم چشتی حج بیت اللہ سے واپس آئے تو آپ نے اپنے مریدوں کو فرمایا اب میں یا تو ترک مقال (گفتگو) کر دوں گا یا ترک طعام احباب نے عرض کی حضور ترک گفتگو سے روحانی فیض کا سلسلہ رک جائے گا۔ آپ نے فرمایا اچھا میں ترک طعام کروں گا۔ چنانچہ اس دن سے زندگی کے آخری لمحات تک آپ نے کھانا ترک کر دیا۔ ایک ہفتہ بعد چند لقمے کھاتے ان میں بھی گوشت نہ ہوتا تھا۔ ایک دن سرود کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی انہی دنوں گوپال گویئے کی بیٹی نے دہلی میں بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنے والد گوپال نایک کی ہڈیاں دکن لے جاؤں۔ بادشاہ نے کہا اب ان ہڈیوں کو پہچاننا مشکل ہے

اس نے بتایا حضور گویئے کی ہڈی میں سوراخ ہوتا ہے۔ میں اس سوراخ سے پہچان لوں گی۔ حضرت سلیم چشتی نے یہ بات سُنی تو فرمایا گویئے ہڈی میں ایک سوراخ پاتے ہیں مگر ہم سرود کے دلدادہ اپنی ہڈیوں میں کئی سوراخ برداشت کرتے ہیں یہ کہہ کر آپ نے ایک تیز نشتر لے کر اپنی ران کا گوشت جدا کر کے ہڈی ننگی کی۔ لوگوں نے دیکھا۔ کہ آپ کی ران کی ہڈی میں اتنے سوراخ ہیں۔ جس طرح شہد کے چھتے میں ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا سرود کی قدر و قیمت ہم جانتے ہیں۔ یہ قوال بیچارے کیا جانیں

جن دنوں حضرت شیخ سلیم چشتی۔ قدس سرہٗ۔ گھر سے باہر سفر میں ہوتے تو نور باطن سے گھر کے تمام حالات دیکھ لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ گھر میں ضروریاتِ زندگی بھی غائبانہ مہیا کرتے رہتے تھے آپ اپنے خطوں میں لکھتے تھے کہ حضرت گنج بخش کی پریاں مجھے تمام حالات سے آگاہ کرتی ہیں۔ اور میں گھر کے لئے تمام ضروریات انہی کے ہاتھوں پہنچاتا ہوں حیرت ہے کہ یہ تمام چیزیں گھر میں پڑی ملتی تھیں۔

ایک دن حضرت خانقاہ سے نکل کر صبح کی نماز پڑھنے مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ برآمدہ میں ایک درویش کو سوئے ہوئے پایا۔ تو اسے جگا کر فرمایا۔ بھائی درویشوں سے لڑنا جھگڑنا اچھا نہیں ہوتا۔ اٹھو نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ نماز پڑھو۔ درویش اٹھا۔ شرمندہ ہوا اور کہنے لگا واقعی میں خواب میں ایک درویش سے جھگڑ رہا تھا

حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کی خاصی تعداد عرب و عجم اور دوسرے اسلامی ممالک میں پائی جاتی تھی۔ مگر ہم ان میں سے بعض مشہور خلفا کے نام لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں شیخ فتح اللہ سنبھلی۔ شیخ کمال الدین۔ شیخ پیارا مانڈوی شیخ محمد مردالی۔ شیخ محمد بخاری۔ شیخ سید جیو دہلوی۔ شیخ کبیر سارنگ پوری۔ شیخ محمد غوری۔ شیخ حسین بدایونی۔ شیخ ولی ساکن قصبہ مود۔ شیخ حماد گوالیاری۔ شیخ یعقوب کشمیری۔ شیخ رکن الدین۔ شیخ حاجی حسین۔ شیخ بکھاری۔ شیخ سدہ ہاری بنی اسرائیلی

سید حسنین شیخ عبدالواحد ساکن آگرہ، شیخ جلال حافظ امام۔ شیخ امام صوفی سرہندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ اسلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خورد سال بیٹا تھا۔ جس سے کرامات کا اظہار ہوا کرتا تھا۔ ابھی وہ ایک سال کی عمر میں تھا کہ لوگوں کو اس کی کرامات سے فائدہ پہنچتا۔ سال کی عمر میں ایک دن وہ ماں کی گود سے غائب ہو گیا۔ گھر میں بڑی تشویش ہوئی۔ حضرت دوسری منزل پر تشریف فرما تھے۔ وہ بچہ خود بخود آپ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا نام تاج الدین تھا۔

اڑھائی سال کی عمر میں فوت ہو گیا تھا۔

حضرت شیخ کا وصال بروز جمعرات انتیس[۲۹] ماہ رمضان المبارک ۹۷۹ھ کو ہوا۔ آپ کے دونوں فرزند شیخ احمد اور شیخ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہما نے آپ کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ بدرالدین کو تو آپ نے زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا اور فرمایا کہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیخ بدرالدین کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اس کی اتباع ضروری ہے حضرت کا مزار پر انوار فتح پور سیکری میں زیارت گاہ عام و خواص ہے۔

اسلم الاولیاء سلامت دو
اسلم سلیم یا السلام !!
گشت مخدوم صدق رہبر عشق
سال تولیدش از خرد لا تام
قطب والا سلیم مخدوم است
۹۷۹ھ
سن ترحیل ان ذوی الاکرام

۹۷۹ھ

شیخ حسن محمد بن میاں جیون قدس سرہٗ:۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شاہ میاں جیون بن شیخ نصیر الدین شیخ امجد الدین بن شیخ سراج دین بن کمال الدین علامہ قدس سرہم تھا۔ آپ کا نام مشائخ چشت میں مشہور ہے آپ روحانی طور پر شیخ جمال الدین المعروف شیخ جمن کے مرید تھے۔ شیخ جمن شیخ محمد المعروف شیخ راجن کے اور وہ شیخ علم الدین کے اور وہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ آپ علوم ظاہری میں عالم متبحر تھے۔

آپ اٹھائیس ۲۸ ذیقعدہ ۹۸۰ھ میں واصل بحق ہوئے تھے۔

حسن چوں بحکم ذوالجلال
زد نیائے دوں رخت ہستی بہ بست
بتاریخ ترحیل آں شاہ دین
ندا شد محمد حسن حق پرست
۹۸۰ھ

شیخ تقی حایک قدس سرہٗ:۔ آپ پیشہ کے اعتبار سے جولاہے تھے مگر حضرت شیخ اسلیم فتح پوری کے مرید تھے ریاضت۔ زہد و تقویٰ سے زندگی بسر کی اور صاحب کرامت واستقامت ہو گئے۔ آپ کا نام زہریلے جانوروں کے حملہ کے خلاف اکسیر کا کام کرتا ہے۔ خصوصاً سانپ کا زہر آپ کے نام سے ہی معدوم ہو جاتا ہے۔ آپ کوہ مانک پور میں رہا کرتے تھے۔ صاحب شجرہ چشتیہ نے آپ کا سال وفات ۹۸۲ھ لکھا ہے۔

چوں تقی روشن ضمیر حق پرست	باہزاراں اتقا شد در بہشت
شد ندا از عقل پیر حق پرست	بہر سال ارتحال آنجناب

۹۸۲ھ

شیخ محمد طاہر گجراتی قدس سرہٗ:۔ گجرات میں بسنے والی قوم بوہرہ سے تعلق رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی اور روحانی کرامات سے نوازا تھا حرمین الشریفین میں ایک عرصہ تک رہے وہاں کے علماء مشائخ سے علمی استفادہ کرتے رہے۔ آپ شیخ علی متقی کے مرید خاص تھے آپ شیخ علی متقی کے بھی خاص شاگرد رہے۔ ایک عرصہ کے بعد واپس وطن آئے وطن میں آکر آپ نے اپنے علاقہ اور خاص کر اپنے قبیلوں میں رائج بدعات کی بیخ کنی شروع کر دی اور لوگوں کو علم حدیث کی تعلیم دینے کے لئے کئی مدارس قائم کئے پھر تشریح احادیث پر بڑی مفید کتابیں لکھیں ان میں ایک کتاب صحابہ کرام کے ذکر خیر میں ہے۔ جس کا نام مجمع البحار ہے ایک اور کتاب جس میں اسماء الرجال کی تصحیح کی گئی ہے لکھی۔ یہ بڑی مختصر مگر چند کتابیں ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف میں اپنے استاد علی متقی قدس سرہٗ کی بڑی تعریف کی ہے — آپ اپنے پیر اور مرشد کی وصیت کے مطابق اپنے شاگردوں کے لئے خود سیاہی تیار کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات سبق دیتے ہوئے بھی سیاہی کو حل کرتے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ "ہاتھ کار میں دل یار میں اور زبان گفتار میں مشغول رہنی چاہیئے۔" آپ نے اپنے علاقے میں بری رسومات کو ختم کرنے کے لئے کوششیں کیں اور بعض بڑے بڑے لوگوں کو دین کے خلاف کام کرتے ہوئے روکا۔ اس طرح بہت سے لوگ آپ کے دشمن بن گئے اور بدمعاشوں سے مل کر آپ کو شہید کرا دیا۔

آپ کی شہادت کا واقعہ ۹۸۴ھ میں رونما ہوا تھا

پاک رفت از جہاں بخلد بریں	شیخ ذی جاہ متقی طاہر
ارتحالش بدان تو تاج شرف	ہم بخوان وارث نبی طاہر

۹۸۴ھ

آپ شیخ یوسف رحمۃ اللہ
شیخ نظام الدین بکھاری علیہ رحمۃ اللہ الباری:- کے فرزند ارجمند تھے اور برہان پور کی ولایت کے صاحب منصب تھے بڑے متقی پرہیز گار اور ذوق وشوق کے مالک تھے۔ معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ میں بارہ سال تک رہے بڑے علاج کروائے گئے بڑے بڑے طبیبوں سے مشورے لئے گئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا آخر بارہ سال کے بعد شیخ نظام الدین پیدا ہوئے چالیس دن گزرنے کے بعد والدہ نے غسل کیا اور مسکرا کر اپنے بیٹے کو کہنے لگیں "میں تمہارے لئے بارہ سال تک کڑوی دوائیاں کھاتی رہی ہوں اور بڑی ہی تکلیف کا سامنا کرتی رہی ہوں" ماں کی بات سنتے ہی شاہ بکھاری نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا "اماں آپ سچ کہہ رہی ہیں وہ تمام کڑوی دوائیاں میں ہی بارہ سال آپ کے پیٹ میں رہ کر کھاتا رہا ہوں" ماں چالیس روزہ بچے کے منہ سے یہ بات سن کر حیران رہ گئیں اور اسی حیرانی اور ڈر میں فوت ہوگئیں آپ کی بڑی بہن بی بی اللہ دی نے آپ کو اپنی گود میں اٹھایا اور پرورش کرنے لگیں۔ جب بڑے ہوئے تو پاک پتن کے دینی مدرسہ میں علم حاصل کرنے لگے ایک دن آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سر پر ایک ٹوپی رکھ دی ہے اور فرمایا اے نور العین اللہ تعالیٰ نے تمہیں خرقۂ فقر عطا کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ حرمین شریفین کا طواف کرو۔ جب آپ اٹھے تو اپنے والد بزرگوار شاہ یوسف کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواب سنائی۔ باپ نے آپ کو حج پر جانے کی اجازت دے دی۔ آپ شیخ بیگن شیخ سونا۔ شیخ حمید الدین شیخ محمود کے ساتھ بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے۔ انہی دنوں شاہ یوسف پاک پتن میں ایک قلعہ میں قید ہو گئے۔ عادل شاہ بادشاہ کو شاہ یوسف سے بڑی عقیدت

تھی۔ آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ الیسر کے قلعے میں مقیم رہیں اور اپنی برکات سے لوگوں کو نوازتے رہیں۔ آپ نے ایک دن عادل شاہ کو وصیّت کی کہ میرا بیٹا شاہ بخاری خشکی کے راستے کعبۃ اللہ گیا ہے وہ حج کرنے کے بعد اس طرف آئے گا۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ اس کی خدمت میں سرگرم رہو تمہاری جو بھی مراد ہو گی اُس کی دعا سے پوری ہو گی۔ پھر شاہ یوسف نے شیخ حسین کو بُلایا اور انہیں مثالی خلافت عطا فرمائی اور خود فوت ہو گئے۔ جب حضرت شاہ پکھاری مکہ سے واپس آئے اور موضع نبکری میں پہنچے تو عادل شاہ بادشاہ آپ کے استقبال کے لئے آیا اور بہت سا نذرانہ خدمت میں پیش کیا۔ مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ پکھاری نے پانچ مرتبہ حج کیا۔ مگر آتے جاتے کبھی کعبہ کی طرف پشت نہیں کی۔ مکہ میں رہتے ہوئے چمڑے کے جوتے نہیں پہنے۔ آپ کے پاس ایک برتن تھا جس میں سیاہ اور سفید بچھو بھرے رہتے۔ آپ کو نیند آتی تو اپنا ہاتھ اس برتن میں ڈالتے کوئی بچھو کاٹتا تو اُس کے درد سے نیند جاتی رہتی۔ اور آپ عبادت میں مشغول رہتے۔ حضرت شاہ قدس سرہٗ ایک عرصہ تک دن کو روزہ رکھتے اور ساری رات کھڑے رہتے۔ چھ ماہ کے بعد آپ ایک بار کھانا کھاتے وہ بھی جَو کی روٹی اپنے ہاتھ سے پکاتے آپ کی پکائی ہوئی روٹیوں میں اتنی برکت ہوتی کہ خود کھانے کے بعد اپنے دوستوں میں جن کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ تھی تقسیم کر دیتے۔ ایک دن آپ کے ایک دوست نے درخواست کی کہ آج میں آپ کے لئے روٹی پکاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تم نہیں پکا سکتے جب اُس نے بڑی ضد کی تو آپ نے اجازت دے دی۔ وہ روٹی پکانے لگا آگ جلائی تو وہ جھک کر آگ کو پھونکیں مارنے لگا آگ نے بڑھ کر اس کی ساری داڑھی جلا دی آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ میری روٹی کوئی دوسرا

نہیں پکا سکتا۔

شیخ حمید الدین چشتی نے آپ کے ملفوظات میں لکھا ہے ایک دن حضرت شاہ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور آپ کی نگاہ لوح محفوظ پر پڑی۔ آپ نے دیکھا کہ لوح محفوظ پر میرا نام درج ہے۔ آپ اٹھے مجھے اپنی جگہ بٹھایا ایک شال عصا اور مصلّٰی عطا فرمایا اور اپنی خاص پگڑی سر سے اُتار کر میرے سر پر رکھ دی۔ پھر اپنا جبہ مبارک بھی مجھے پہنا دیا۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ جن دنوں شاہ پکھاری برہان پور میں مقیم تھے تو آپ کے وضو کرنے کے لئے دریائے تپتی سے پانی لایا جاتا تھا۔ شیخ محمود نامی ایک درویش پانی لانے کی خدمت میں مقرر تھا۔ ایک دن حضرت شاہ نے شیخ محمود کو یاد فرمایا۔ تو لوگوں نے فرمایا وہ تو آپ کے لئے پانی لانے دریا پر گیا ہے آپ نے یہ بات سن کر بڑا افسوس کیا فرمایا میرے لئے پانی لانے پر اللہ کے بندوں کو اتنی مشقت کرنی پڑتی ہے اُسی وقت اٹھے تو اپنا عصا زمین پر مارا جہاں سے پانی کا چشمہ اُبلنے لگا۔ پھر آپ وہاں سے باہر نکلے آپ نے دیکھا کہ وہ پانی ٹھاٹھیں مارتا ہوا آپ کی طرف آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا اے پانی جلدی نہ کر ذرا آہستہ چلو تاکہ ہم لوگ تمہارے پاس رہ سکیں پانی اُسی وقت زمین میں غائب ہو گیا لیکن آج تک پانی کا ایک چشمہ جاری و ساری ہے۔ اُس چشمہ کا نام اتاولی ہے۔ عادل شاہ جو برہان پور کا بادشاہ تھا اُس نے آپ کے لئے بڑی عظیم الشان خانقاہ بنائی تھی آپ کا مزار اسی خانقاہ میں ہے۔

حضرت شاہ پکھاری کی وفات سنہ ۹۸۶ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

پکھاری چو نزن عالم شد بجنت
بسال وصل آن محبوب باری
۹۸۵ھ

فرشتہ گو خفیہ معرفت خوان
دگر فرما سنجی عابد پکھاری

۹۸۵ھ

شیخ پیارا چشتی قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ اسلیم چشتی کے خلیفہ تھے۔ اور اپنے وقت کے عظیم مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ شہزادہ سلیم جہانگیر کو اُس کے والد جلال الدین اکبر بادشاہ اپنے ساتھ لے کر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے روضہ منورہ کی زیارت کو گئے۔ اس سفر میں شیخ پیارا کو ساتھ لے لیا گیا۔ تاکہ وہ شہزادہ جہانگیر کی نگرانی کر سکیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اجمیر میں پہنچ کر شہزادہ بیمار ہو گیا۔ اس وجہ سے اکبر بادشاہ بڑا ہی پریشان ہوا۔ اکبر نے شیخ پیارا کو کہا کہ آپ کے پیرو مرشد نے ہمارے ساتھ اس لئے بھیجا تھا کہ شہزادے کی دیکھ بھال کر سکیں۔ شیخ پیارا نے جواب دیا کہ ہم حضرت کی خدمت میں عرض لکھ رہے ہیں۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے ایک شاہی قاصد کے ہاتھ شیخ سلیم کے نام عرضی لکھی جس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ بادشاہ کو کہہ دیں کہ انشاءاللہ شہزادہ تندرست ہو جائے گا چونکہ ہم نے تمہیں شہزادہ کی حفاظت کے لئے بھیجا تھا۔ اس لئے شہزادہ کی بیماری کو اپنے جسم پر لے لو۔ خط پڑھنے کے بعد شیخ پیارا نے بادشاہ کو تسلی دی اور شہزادے کی بیماری اپنے آپ پر لے لی اور شہزادہ تندرست ہو گیا۔ شیخ پیارا اس بیماری میں کئی مہینوں تک مبتلا رہے۔

ایک بار شیخ پیارا بادشاہ کے دربار سے اُٹھ کر اپنے گھر آ رہے تھے راستے میں ایک مست ہاتھی نے پر حملہ کر دیا۔ ہاتھی آپ کے نزدیک پہنچا تو آپ اپنے گھوڑے سے اُتر کر فوراً قبلہ رُخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ ہاتھی آپ سے

ہٹ کر دوسری طرف چلا گیا۔

شیخ پیارا ۹۸۶ھ کو فوت ہوئے آپ کا مزار پُر انوار دریائے نبرد کے کنارے پر ہے جو دکن اور گجرات کے درمیان میں ہے۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
شہ مطلوب پیارا رحمت اللہ
عیاں شد فخر الانوار تاریخ

۹۸۶ھ

دگر محبوب پیارا رحمت اللہ

شیخ جلال الدین تھانیسری الکابلی قدس سرہٗ رحمت اللہ:۔ آپ شیخ عبد قدوس کے گنگوہی کے خلیفہ اعظم تھے۔ ماں باپ کی نسبت سے فاروقی تھے۔ آپ کا اصلی وطن بلخ تھا۔ آپ کے والد کا نام قاضی محمود تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ اور سترہ سال کی عمر میں سارے علوم سے فارغ ہو گئے۔ آپ درس بھی دیا کرتے اور فتویٰ بھی لکھا کرتے تھے۔ آخر کار شیخ عبد قدوس گنگوہی کے ظاہری اور باطنی طور سے مرید ہو گئے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی میں ایک شخص بڑی خوش آواز سے غزل پڑھ رہے تھا۔ شیخ اُس کی آواز سُن کر بے ہوش ہو گئے اور کوٹھے کی چھت سے نیچے گر پڑے۔ وہ نیم بسمل پرندے کی طرح تڑپنے لگے۔ اور زمین پر لیٹتے جاتے ہوش آیا تو اُسی دن چشتیہ صابریہ سلسلے میں داخل ہو گئے اور بڑے مقامات تک پہنچے آپ سے بڑی کرامتیں ظاہر ہوئیں آپ اس طرح یادِ الٰہی میں غرق رہتے کہ مرید آپ کے کان میں نماز کے وقت اللہ اکبر اللہ

ہتے تو پھر جا کر آپ کو ہوش آتا اور نماز ادا کرتے۔ اگر آپ نعت یا قوالی سُنتے تو وجد کرنے لگتے۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں آپ کے رتبہ والا بزرگ کوئی نہیں ہوا۔

ایک شخص شیخ جلال الدین کے مریدوں میں سے تھا۔ وہ کئی سال آپ کی خدمت میں رہا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہو۔ ایک دن حضور کی خدمت میں بیٹھا دل میں خیال کر رہا تھا کہ پرانے زمانے میں شیخ نجم حسین کبریٰ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ جس شخص پہ ایک نظر ڈالتے اُسے ولی اللہ بنا تے۔ اِن دنوں ایسے بزرگ کہاں۔ شیخ جلال الدین نے اُس مرید کے دل میں اس خیال کو خود ہی معلوم کر لیا۔ اور فرمایا ہاں اِن دنوں میں بھی ایسے بندے اس دنیا میں ہیں جو ایک نگاہ سے طالبِ حق کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ کہا اور اُس شخص پہ ایک تیز نگاہ ڈالی وہ اُسی وقت تڑپ کر لیٹنے لگا تین دن تک بے ہوش رہا۔ تیسرے دِن ہوش میں آیا تو شیخ کے قدم چوم کر عرض کی مجھے اِتنے سالوں میں وہ چیز نہ ملی جو ایک نظر میں حاصل ہو گئی ہے وہ اُسی ہفتے فوت ہو گیا حضرت شیخ کو اُس کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ہر ایک کو یہ داشت کی طاقت نہیں ہوتی۔ یہ بے چارہ بھی نگاہ کی تاب نہیں لا سکا ایک ہی نظر میں فوت ہو گیا۔

شیخ جلال الدین کا ایک بیٹا فوت ہو گیا کئی دنوں تک اُس کے صدمے سے آپ مجلسِ سماع میں نہ جا سکے۔ اور یہ درد حقیقی محبت میں تبدیل ہو گیا۔ شیخ کی تفصیلات میں سے مکتوبات قدسیہ بہت مفید کتاب ہے۔

شیخ جلال الدین چودہ ماہ ذالحج ۹۸۹ھ میں ۹۵ سال[۱] کی عمر میں فوت ہوئے

---

[۱]:۔ صاحب اقتباس الانوار حضرت مولانا شیخ محمد اکرم قدوسی قدس سرہٗ نے آپ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کا مزار تھانیسر میں ہے۔

جلال از جہاں چوں بجنت رسید
بے سال تر خیال ہاں زسی کمال
بیاہ شیخ پاکیزہ دل شد عیاں
دیگر ہست ماہتاب عزت جلال

شیخ رزق اللہ قدس سرہٗ:- آپ حضرت مصباح العاشقین ملاوہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے آپ کے والد نے شیر خوارگی کے دنوں میں ہی حضرت ملاوہ کی گود میں ڈال دیا تھا جنہوں نے دیکھتے ہی فرمایا یہ بچہ ہمارا مرید ہو گا۔ ابھی آپ کی عمر چار سال تھی کہ آپ کے مرشد حضرت ملاوہ دفات

(بقیہ حاشیہ) مفصل حالات سپرد تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین فاروقی محمود تھانیسری قدس سرہٗ جمال اہل طریقت اور کمال حقیقت تھے۔ حضرت عبد القدوس گنگوہی کے بہت سے مرید آپ کے گاؤں میں رہتے تھے۔ ایک بار حضرت گنگوہی آپ کے گاؤں آئے تو مسجد اور مدرسہ حضرت جلال الدین کے ارشاد و تدریس کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپ نے حضرت کے مریدوں کو کہا۔ سنا ہے تمہارے گھر تمہارا مرشد و قاص بھی ہے اور سماع کی مذمت بھی کرتا ہے۔ مریدوں نے حضرت گنگوہی کو آپ کی طعن آمیز بات سنائی تو آپ نے فرمایا۔ ہاں رقص کرتا بھی ہے اور کراتا بھی ہے دوسرے روز خود مسجد میں جا پہنچے۔ مولانا جلال تدریس میں معروف تھے۔ آپ نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ اس بات سے فارغ ہو کر حضرت جلال حضرت گنگوہی کے پاس آئے۔ اور دریافت کیا میاں فقیر کہاں سے آئے ہو۔ آپ نے ایک نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا میں تو رقاص ہوں تمہیں رقص کرانے آیا ہوں۔ بس ایک نگاہ سے حضرت جلال کے تمام ظاہری علوم سلب ہو گئے اور وہ واقعی تڑپنے لگے۔ کتابوں میں لگ گئی۔ اور حضرت جلال آپ کے حلقۂ ارادت میں پھنس گئے تھے۔ آپ نے ساری عمر اپنے مرشد کی خدمت گزار دی۔ اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کی اشاعت میں دن رات ایک کر دیئے (باقی اگلے صفحہ پہ ملاحظہ فرمائیں)

پل گئے۔ سن بلوغت کو پہنچے تو اپنے پیر و مرشد کی روحانی تربیت اور فیضان سے بلند مراتب پر پہنچے۔ عشق و محبت میں باکمال ہوئے حضور و استقامت میں یگانہ روزگار ہوئے آپ نے بے شمار سفر کئے۔ بزرگان دین کی مجالس سے فائدہ اٹھایا۔ آپ کا کلام ہندی اور فارسی اشعار سے پُر ہے۔ آپ کی ایک کتاب ہمایئں وحوت بزنجش بڑی مشہور رہی اور ہندی اشعار میں راجن تخلص فرماتے تھے۔ اور فارسی اشعار میں مشاقی فرماتے۔ آپ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چچا تھے۔

صاحب اخبارالاخیار نے آپ کی تاریخ ولادت ۸۹۷ھ اور وفات بستم ربیع الاول ۹۸۹ھ لکھی ہے اور یہ قطعۂ تاریخ لکھا ہے۔

مخدومی عارف زمان مشتاقی
دے گفت بوقت نقل مشتاق حقم
حقا چو تاریخ وفاتش نگریست
نوکرتی قلمش ہمیں سخن کرد رقم

شیخ اسحاق قدس سرہٗ: آپ سلسلہ چشتیہ میں اہل کمال بزرگ ہوئے ہیں۔ بڑی ریاضتیں کیں۔ ملتان سے دہلی آکر قیام

(بقیہ حاشیہ) آپ ہی آپ کے ممتاز خلیفہ تھے۔ جلال الدین اکبر ۹۸۹ھ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معارف تصوف پر گفتگو کرتا رہا۔ اور فلسفۂ وحدت الوجود بابت سے نکات خاص کئے فیضی نے تھانیسر میں حاضر ہو کر علمی مباحث کئے بیربل نے خود آکر اپنی ذہنی مشکلات کا حل تلاش کیا حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ سپاہیانہ لباس میں آپ سے ملے اور ایک مجلس سماع میں شرکت بھی کی۔ شاہ قمیص رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی نگرانی میں ایک چلہ کاٹا آپ کی کتاب ارشاد الطالبین آپ کے اسرار رموز کا ذخیرہ ہے آپ کے خلفاء میں سے نظام الدین بلخی بڑے باکمال بزرگ ہوئے ہیں ان کے مفصل حالات بھی اقتباس الانوار میں ملتے ہیں۔

فرمایا۔ بڑی لمبی عمر پائی۔ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے ایک بیٹے کی آرزو ہے جب پیدا ہو گا۔ پھر میں اس دنیا سے جاؤں گا۔ نہایت کبرسنی میں اللہ نے ایک بیٹا دیا بیٹے کی پیدائش کے بعد اپنی خادمہ کو بلاکر فرمایا۔ گھر میں جو کچھ ہے لے آؤ۔ خادمہ نے کہا۔ آپ کے گھر میں کب کوئی چیز رہتی ہے۔ جو لے آؤں۔ فرمایا آج جو کچھ ملتا ہے لے آؤ۔ خادمہ ڈیڑھ سیر غلہ اور دو کپڑے لائی۔ آپ نے دونوں چیزیں فقرا کے حوالے کر دیں۔ پھر فرمانے لگے۔ آج سماع کو جی چاہتا ہے۔ کسی قوال کو بلالاؤ۔ خادمہ نے کہا آپ کے پاس کیا ہے جو قوال کو دیں گے آپ نے فرمایا بلاؤ۔ میں اسے اپنی پگڑی اور چادر دے کر خوش کر لوں گا۔ اسی اثنا میں اپنے ایک دوست کے گھر چلے گئے وہاں مجلس سماع برپا تھی۔ شریک ہوتے۔ وجد میں آئے رونے لگے۔ بے اختیاری کے عالم میں گھر سے باہر آئے اور اپنے گھر آگئے فرمایا آج جمعہ کا دن ہے حجام کو بلاؤ۔ حجامت کرائی غسل کیا۔ دوستوں کو ایک ایک کر کے الوداع کہا قرآن پاک کی ایک منزل پڑھی اور جان جانِ آفرین کو دے دی۔ آپ کی وفات ۹۹۹ھ کو ہوئی۔

چو اسحاق از جہاں رخت سفر بست

بسال رحلت آں شکوہ آفاق

بگو اسحاق مخدوم مکمّل

دگر فرما مطیع خاص اسحاق

شیخ عثمان زندہ پیر قدس سرہٗ

آپ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال رکھتے تھے اور سلسلہ چشتیہ کے ممتاز مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے تین بھائی حضرت شیخ حسین حضرت شیخ برہان اور حضرت شیخ محمود قدس سرہم تھے۔ شیخ حسین آپ سے بڑے تھے وہ اپنے والد ماجد کی زندگی میں ہی انتقال فرما گئے تھے۔ ان کے دو بیٹے شیخ

نورالدین اور شیخ عفور یادگار زمانہ رہے۔ جب آپ کے والد شیخ عبدالکبیر فوت ہوئے۔ تو حضرت شیخ عثمان ہی سجادہ نشین بنے۔ مگر ساتھ ہی شیخ حسین کے دونوں بیٹوں شیخ انوارالدین اور عفورالدین نے بھی سجادگی کا دعویٰ کر دیا اور فتوحات اور نذرانوں پر جھگڑا کھڑا کر دیا وہ حضرت شیخ شمس الدین ترک اور شیخ جلال الدین پانی پتی کے مزارات کے نذرانوں کا دعویٰ بادشاہ سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں لے گئے بادشاہ بذات خود اس مقدمہ کے تصفیہ کے لئے دہلی سے پانی پت آیا۔ اگرچہ والدہ ماجدہ اور حضرت کے مرید اور شہر کے امراء شیخ عثمان کی سجادہ نشینی پر راضی تھے لیکن بادشاہ کی طرف داری اور دربار میں اثر درسوخ کی وجہ سے سجادہ نشینی دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی۔ پہلی عید کے دن دونوں سجادہ نشین شہر سے باہر آئے اور دونوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ شیخ حسین کے بیٹے اپنی سواریوں سے نیچے گر گئے اور زخمی ہو گئے وہ عید گاہ تک نہ پہنچ سکے۔ اُس دن سے اِن لوگوں کو مقابلے کی طاقت نہ رہی اور سجادہ نشینی شیخ عثمان کے پاس ہی رہی۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ جھٹوں میں سے دو آدمی ایک ہندو ایک مسلمان آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ ان کے معاملے میں فیصلہ نہیں ہوتا تھا دونوں حضرت شیخ کی خدمت میں آئے دونوں کی باتیں سنی اور اِس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان سچا ہے چنانچہ آپ نے مسلمان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ ہندو نے احتجاج کیا کہ آپ نے محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اُس کے حق میں فیصلہ کیا ہے ورنہ میں زیادہ حقدار تھا۔ حضرت شیخ یہ بات سُن کر مراقبے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر فرمایا کہ تمہاری عورتیں حملہ میں۔ تم دونوں کے لئے حکم دیا جاتا ہے کہ سیدھے گھر چلے جاؤ۔ سچے کے گھر میں لڑکا پیدا ہو گا اور جھوٹے کے گھر میں لڑکی پیدا ہو گی۔ دونوں اس بات پر راضی ہو گئے۔ اور گھر چلے گئے کچھ دنوں بعد مسلمان کے ہاں لڑکا پیدا

ہوا اور ہندو کے لڑکی۔ دونوں نے حضرت شیخ کا فیصلہ مان لیا اور جھگڑا ختم کر دیا۔

شیخ عثمان کے بیٹے شیخ نظام الدین نے ایک نیا کنواں بنوایا۔ وہ اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی کہ آپ فاتحہ اور دعا فرمائیں آپ نے فرمایا پہلے دعوت کا انتظام کرو جس میں ایک گائے ذبح کرو اور اتنے من گندم کا آٹا لا کر کھانا پکاؤ اور غریبوں میں تقسیم کرو پھر میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ بیٹے نے کہا میرے پاس تو ایک بکری ہے میں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہماری زبان سے جو نکل گیا ہے اُسے پورا کرو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارا کنواں گر جائے گا شیخ نظام الدین دعوت کا انتظام کرنے سے ہچکچاتے رہے اور کنواں نیچے سے بیٹھ گیا۔

شیخ عثمان ۹۹۰ھ (نو سو نوے ہجری) میں فوت ہوئے۔

شیخ عثمان پیر عالمگیر چشت!\
رفت از دنیائے دون اندر جہان\
رحلتش رکن جہاں عثمان بگو\
نیز قطب الواصلین عثمان بخوان

شیخ دانیال چشتی قدس سرہٗ: آپ سید راجی حامد شاہ کے مرید اور خلیفہ ہیں آپ کو کئی بار حضرت خضر علیہ اسلام کی صحبت بھی نصیب ہوئی اور آپ نے حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روحانی فیض پایا تھا۔ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین نے آپ کو باطنی طور پر حضرت خضر علیہ اسلام کے حوالے کر دیا تھا ہندی زبان کا یہ شعر معارج الولایت میں بھی ملتا ہے اور شرح الحروف العالیات میں بھی پایا جاتا ہے۔

جگُ جگُ عمر جو حضرت خواجی
حضـــرت نبی رسول نواجی
دانیـــال جو پر گٹ کنیان
حضـــرت خواجی خضر ہند دنیا

یعنی حضرت خواجہ معین الدین دائی اور باطنی عمر کے مالک ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ دانیال کو ظاہر کریں اور اولیاء اللہ میں اُن کا ایک مقام متعین کریں چنانچہ انہوں نے خواب میں حضرت دانیال کو حضرت خضر کے حوالے کر دیا۔

شیخ دانیال ۹۹۴ھ ہجری میں فوت ہوئے اُس وقت آپ کی عمر ایک سو گیارہ سال تھی۔

چوں جناب دانیال محترم
یافت از دنیائے دوں باحق وصال
۹۹۴ھ
سال وصل او بگو ممتاز وقت
ہم بخوان بدرالکرامت دانیال

شیخ فتح اللہ ترین سنبھلی چشتی قدس سرہٗ آپ حضرت خواجہ سلیم چشتی کے خلیفہ تھے آپ فتح پور سکیری کے پہاڑ کی چوٹی پر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن شیخ سدھاری جو حضرت شیخ اسلیم کے خلیفہ تھے آپ کو دیکھنے کے لئے پہاڑی کی چوٹی پر گئے۔ چند لمحے بیٹھے تو شیخ فتح اللہ نے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔ شیخ سدھاری نے دوڑ کر آپ کا دامن پکڑا اور کھینچ کر نیچے لائے اور اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ آپ نے کہا شیخ سدھاری تم جانتے ہو کہ میں کہاں جا رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں

شیخ فتح اللہ نے بتایا کہ آج میرے پیر و مرشد اسلیم چشتی کی خانقاہ میں بہت سے بزرگ جمع ہوئے تھے۔ حضرت غوث اعظم اُس مجلس سے واپس ہوتے ہوئے اس طرف سے گزر رہے تھے میں اُن کی خدمت میں حاضری کے لئے آگے بڑھا۔ جب تم نے میرا دامن پکڑا تو حضرت غوث اعظم نے مجھے اجازت دے دی تو میں واپس اپنی جگہ پہ آگیا ورنہ میرا دامن تمہارے ہاتھ میں رہتا اور میں بغداد چلا جاتا۔

معارج الولایت کے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ فتح اللہ ان پڑھ تھے اور اُمی تھے۔ اس لئے علماء کرام کو یہ اعتراض تھا کہ بے علم ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات آپ کے خلیفہ شیخ وجیہہ الدین نے سُنی تو آپ کو بڑی ناگوار گزری۔ ایک دن حضرت شیخ فتح اللہ بڑے خوش بیٹھے ہوئے تھے اور شیخ وجیہہ الدین آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا وجیہہ الدین آج جو کچھ مانگنا ہے۔ مانگ لو اُنہوں نے آپ کے سامنے علماء کرام کا اعتراض پیش کیا اور عرض کی کہ آپ میری تسلی کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اعتراض کرنے والے عالم دین کو میرے پاس لے آؤ۔ شیخ وجیہہ الدین ایک بہت بڑے عالم دین کو جسے آپ کی بے علمی پر اعتراض تھا۔ لے آئے۔ آپ نے اُس عالم دین کو فرمایا آپ جو کتابیں چاہیں میں اُسے پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔ اُس عالم دین نے ہدایہ پیش کیا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کو اوّل سے پڑھوں یا آخر سے یا درمیان سے انہوں نے کہا کہ درمیان سے پڑھیں۔ آپ نے شیخ وجیہہ الدین کو کہا میں زبانی پڑھتا جاتا ہوں اور تم لکھتے جاؤ۔ آپ نے تقریباً دو صفحے پڑھ دیئے اور لکھی ہوئی عبارت اُس عالم دین کو دی اور فرمایا کہ یہ عبارت کتاب کی تحریر سے ملا لو۔ وہ عالم دین حیران رہ گیا۔ اُسی دن کے بعد تمام علماء کرام آپ کے معتقد ہو گئے۔

جب حضرت شیخ اسلیم چشتی فوت ہوئے تو آپ کے بڑے بیٹے شیخ احمد نے

فتح اللہ کو ایک خط لکھا کہ دعا فرمائیں تاکہ بارش ہو جب خط پہنچا تو شیخ فتح اللہ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ خط پڑھتے ہی فوراً اٹھے اور بیابان میں نکل گئے اور وہاں گرم دھوپ میں بیٹھ گئے اللہ کی بارگاہ میں التجاء کی کہ جب تک رحمت کی بارش نہ ہوئی میں یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔ آپ نے یہ کہہ کر لوگوں سے کہا کہ آسمان کی طرف دیکھو کہ بادل کا کوئی ٹکڑا دکھائی دیتا ہے لوگوں نے کہا کہ ایک ٹکڑا فتح پور کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آپ اُٹھے اور خط کا جواب لکھا کہ اگر نمازِ جمعہ کے بعد فتح پور میں بارانِ رحمت ہو گئی ہو تو مجھے لکھیں فی الواقعہ فتح پور میں اتنی بارش ہوئی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور ہر طرف سبزہ لہرانے لگا۔

شیخ ابوالفتح ۹۹۹ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

یافت چون ابوالفتح فتح کار خویش
یا ہزاران فتح در ملک جنان
سال وصل او بگو مفتاح عشق
ہم بخوان فیاض حق ای مہربان

وفات: نو سو ننانوے ہجری (۹۹۹ھ)

شیخ نظام نارنولی قدس سرہٗ

آپ شیخ خانو قدس سرہٗ کے مریدان پاک اور خلیفہ خاص میں سے تھے گوالیار میں سکونت پذیر رہے اور ہزاروں طالبان حق کو چالیس سال تک روحانی تربیت دیتے رہے آپ کی توجہ سے بڑی کثیر مخلوق راہ ہدایت پر آئی سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ نظام رحمۃ اللہ علیہ ہر سال نارنول سے پاپیادہ چلتے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر جاتے۔ سارے راستے

میں آپ پر ذوق اور وجد طاری رہتا۔ وہاں سے اجمیر شریف چلے جاتے اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے بازار کی زیارت کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی قبولیت بخشی تھی۔ بڑے بڑے کامل مرید اور ممتاز اولیا، آپ کی تربیت میں رہے۔ آپ کے پیرو مرشد کا نام شیخ خانو گوار پائی تھا۔ وہ خواجہ حسین ناگوری کے مرید تھے۔ آپ کو شیخ اسماعیل بن شیخ حسن سرمست سے خرقۂ فقر ملا تھا۔ اِس کے علاوہ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی خرقہ بھی حاصل ہوا۔ شیخ نظام الدین کے بھائی شیخ اسماعیل بھی شیخ خانو کے مرید تھے۔ شیخ خواجگی ببری بھی انہی کے مرید ہیں۔ شیخ منوّر جو آگرہ میں بڑے مشہور ہوئے۔ شیخ خانو ہی کے مرید تھے۔ سفینۃ الاولیاء اور اخبار الاخیار میں شیخ خانو گوار لیاوی کا سال وفات ۹۴۰ھ لکھا ہے جبکہ شیخ نظام نارلوی کی وفات ۹۹۹ھ ہجری میں ہوئی۔

نظام از دار دنیا چون سفر کرد
خدا بگشود بروے باب جنت
عیا نشد سن دصال انتقالش
۹۹۹ھ
محب اولیا مہتاب جنت

وفات : نوسو ننانوے ۹۹۹ھ ہجری

شیخ طاہا چشتی قدس سرہٗ : آپ حضرت اسلیم چشتی کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے جب اسلیم چشتی سفرِ حج پر روانہ ہوئے تو آپ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ حج سے واپسی پر گجرات پہنچے تو شیخ اسلیم چشتی نے احمد آباد میں مقرر کر دیا۔ شیخ محمد شیروانی اور بعض دوسرے عزیزوں کو بھی آپ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ شیخ طاہا نے عرض کی حضور اس علاقے

میں بڑے بڑے اولیاء اللہ ہیں جن کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے میں یہاں رہ کر کیسے کام کر سکوں گا۔ آپ نے فرمایا یہ تمام لوگ تمہارے مطالع اور فرمانبردار بن جائیں گے۔ یہ شیخ طاہا احمد آباد میں قیام پذیر ہوئے۔ وہاں کے بزرگوں نے آپکا باطنی امتحان لیا۔ اور پھر آپ کے تابعدار بن کر روحانی فائدہ حاصل کرنے لگے۔ معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ اکبر کے زمانے میں مظفر ہوائی کو گجرات کا سلطنت دار بنا دیا گیا۔ وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی کہ شیخ اپنے ہاتھ سے اس کی کمر پر تلوار باندھے۔ تاکہ ہندوستان کی سلطنت اُس کے زیر نگیں رہے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ہندوستان کو اللہ تعالیٰ نے اکبر بادشاہ سپرد کر دیا ہے میں کون ہوتا ہوں کہ اُس میں تبدیلی کی کوشش کروں۔ یہ بات سنتے ہی مظفر غصّے سے بھڑک اٹھا اور کہنے لگا اکبر کے لشکر سے لڑنے کی بجائے میری تلوار تمہارے خون سے تر ہوگی۔ یہ شیخ نے کہا میرے اور آپ کے درمیان ایک ہفتے کی مہلت ہونی چاہیئے۔ اُس کے بعد جو مرضی ہو کرنا۔ ابھی ہفتہ نہ گزرا تھا کہ اکبر بادشاہ کی فوجیں گجرات آپہنچیں اور گجرات پر قبضہ کر کے مظفر کو وہاں سے نکال دیا۔

یہ شیخ طاہا کی وفات سنہ ۱۰۰۰ھ ہجری میں ہوئی۔

چو طاہا بلطف خدا و نبی
ازین دیر دون شد بجنت رواں

۱۰۰۰ھ

شود وصال تو تحصیل آن شاہ دین
ز مخدوم مرحوم طاہا عیاں

شیخ مٹھہ کاکرونی قدس سرہٗ:۔ آپ بڑے کامل درویش اور مکمل ولی اللہ تھے حضرت خواجہ معین الدین کے روحانی فیض یافتہ تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ بیس۲۰ سال تک خواجہ اجمیری کے روضہ منورہ پہ جھاڑو دیتے رہے۔ بیس۲۰ سال کے بعد روضہ منورہ سے آواز سنی کہ اے مٹھہ تم کو ولی کامل بنا دیا گیا اور ولایت کاکرون تمہارے حوالے کر دی گئی ہے اور وہاں کی تمام چیزیں تمہارے تصرّف میں ہوں گی۔ شیخ مٹھہ اجمیر سے اُٹھے تو کاکرون آ گئے۔ ایک خانقاہ بنائی۔ اور لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

آپ کی وفات ۱۰۰۳ھ ہجری میں ہوئی اور آپ کا مزار کاکرون میں ہی ہے۔

لذت وصل خدا در خلد یافت
مٹھہ پیر با خبر شیرین کلام
از دل سرور وصل پاک او
شد عیاں والا قدر شیرین کلام

وفات:۔ ردس سو تین (۱۰۰۳ھ ہجری)

شیخ کبیر جولاہہ قدس سرہٗ:۔ آپ شیخ تقی کے مرید اور خلیفہ تھے زمانے کے مشہور اور باکمال ولی اللہ شمار ہوتے تھے اپنی ولایت کے انوار کو ملامت کی چادر میں پوشیدہ رکھتے تھے اپنے وقت کے مواحدوں کے امام تھے۔ آپ نے ہندی زبان میں بہت سے اشعار کہے۔ جو ان کی بلند فکری اور اعلیٰ تخیل کے آئینہ دار ہیں۔ اگر اُن کے کلام میں تحقیق اور تجسس کیا جائے تو وصل خداوندی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں وہ میدانِ وصل میں فراق کی کیفیت کو سامنے نہیں آنے دیتے ہندوستان میں ہندی زبان میں جس شخص

کے حقائق و المعارف سب سے پہلے بیان فرماتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ کبیر ہی تھے۔ ان کے مختلف ہندی اشعار ملتے ہیں۔ لیکن ان میں زیادہ بشن پد وساکی کی قسم پائی جاتی ہے اگر انصاف سے آپ کے کلام کو دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زبان کے ترازو سے حقائق کے موتی تولے ہیں۔ ہمیں ایسے حقائق دوسرے شعراء کے کلام میں نہیں ملتے۔ محققِ ہندی جن کا ہم بعد میں ذکر کریں گے وہ بھی اپنے کلام میں شیخ کبیر کا ہی اتباع کرتے ہیں۔ کبیر نے جن ساکھیوں اور بشن پد دھ کا ذکر کیا ہے محققِ ہندی نے انہی کو دوہڑوں میں نظم کر دیا ہے۔ اُس کی باطنی قوت پر ہندو اور مسلمان دونوں پر کامل اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ہر طبقہ انہیں اپنے مذہب میں قرار دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمان انہیں پیر کبیر کہتے ہیں اور ہندو انہیں بھگت کبیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۰۰۳ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

شد ز دنیا بجنت اکبر
چو کبیر از عطائی قدیر
رحلتش صاحبِ اشارت خوان
ہم بدان بُلبُل بہشت کبیر
۱۰۰۳ھ

شیخ ولی چشتی قدس سرہٗ: آپ کے والد بزرگوار کا نام یوسف چشتی تھا آپ خود اسلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مرید تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ جس دن اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اُسی دن سے مقبول نظر ہو گئے۔ اور آپ کے سر پہ تاجِ خلافت سجا دیا یہ بات دیکھ کر حضرت کے دوسرے مرید بھی آگے بڑھے اور عرض کی حضور کریم

کئی سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس میں کیا راز ہے۔ آپ نے فرمایا شیخ ولی اپنے کو دیگر تمام چیزوں سے پڑ کو کے پکا کر لائے تھے میں نے اُس میں صرف نمک ہی ڈالا ہے اور وہ تیار ہوگئی۔ آپ لوگوں کو پختہ ہوتے ہی وقت لگے گا۔

آپ کی وفات ۱۰۰۴ ہجری تھی۔

یافت از حق ولایت جنت
چوں ولی خدا ولی اللہ
جامع فیض گو ترحیلش
ہم ولی شیخ اولیاء فرما
۱۰۰۴ھ

مولانا عبداللہ سلطان پوری الانصاری قدس سرہٗ:۔ آپ برصغیر کے زبردست علماء کرام اور ولی اللہ تھے چشتی سلسلے میں بیعت تھے۔ شیر شاہ سوری کے زمانہ سے لے کر شہنشاہ اکبر تک آپ کو مخدوم الملک کا خطاب رہا۔ چونکہ شریعت کے عالم اور طریقت کے عارف تھے۔ کفر اور بدعت کے خلاف بڑا کام کرتے تھے اور کلمۂ توحید کے اعلان میں پیش پیش تھے۔ آپ نے سُنت نبوی کو جاری کرنے میں بڑی جد وجہد کی حتیٰ کہ جن دنوں شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کا اعلان کیا اور ملک میں غیر اسلامی رسومات کو رواج دیا پھر اس نے لوگوں کو یہ بھی کہا کہ صبح خوبصورت سورج کو چڑھتے وقت سجدہ کیا جائے اور کلمۂ محمدی کی بجائے لا الہ اللہ ہو اکبر خلیفۃ اللہ پڑھا جائے تو مولانا عبداللہ انصاری جہاد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے آخر بادشاہ اکبر نے انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ملک سے نکل جائے آپ مسجد میں جا بیٹھے اکبر نے

کہا کہ مسجد بھی ہمارے ملک میں ہے۔ یہاں سے بھی باہر نکل جاؤ اور کسی دوسرے ملک میں چلے جاؤ آپ ہندوستان سے نکلے تو بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے حج کرنے کے بعد واپس ہندوستان آئے۔ بادشاہ کے حکم سے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا اور اس طرح آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ آپ کی بہت سی تصانیف اہل علم کے لئے مشعل راہ بنی۔

چنانچہ کشفُ الصمد۔ منہاج الدین اور عفیفۃ الانبیاء زمانہ بھر میں مشہور رہوئیں۔ آپ کی شہادت کا واقعہ ۱۰۰۶ھ ہجری میں ہوا۔

از عبادت یافت عبد اللہ خلد
رحلتِ آن عابد عالی مکان
آفتاب فقر عبد اللہ گو
نیز فرما آفتاب عاشقان

۱۰۰۶ھ

شیخ اختیارالدین مروانی قدس سرہٗ:۔ آپ نظام الدین نار نولی کے خلیفہ تھے آپ کا پہلا نام اختیار خان تھا جب جذب الٰہی دامن گیر ہوا تو آپ اجمیر میں چلے گئے۔ اور کافی عرصہ حضرت خواجہ اجمیری کے بازار میں پڑے رہے۔ ایک دن آپ نے حضرت خواجہ اجمیری کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے پیر نار نول میں ہیں اُن کا نام نظام الدین ہے تم جاؤ۔ آپ نے حضرت شیخ نظام الدین کو دیکھا کہ ایک پرانی چارپائی پر بیٹھے ہیں اور سر جھکا ہوا ہے۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ جو شخص نیند میں اونگھتا رہتا ہو وہ میری اصلاح کیا کرے گا۔ حضرت شیخ نے نورِ باطن سے اختیارالدین کے اس خدشے کو معلوم کیا اور سر اٹھا کر فرمایا کہ آپ کو حضرت خواجہ معین الدین

نے بھیجا ہے ان کے حکم سے میرے پاس آئے ہو۔ اب ان حالات میں شک کرنا یا ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ شیخ اختیار الدین حضرت کی بات سُن کر شرمندہ ہوئے پاؤں چومے اور مرید ہو گئے۔

آپ نے ان کی تربیت کی اور پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اختیار خان کا نام بدل کر اختیار الدین رکھا۔ حضرت شیخ نظام الدین نے آپ کو خرقۂ خلافت پہنا کر ان کے وطن بھیج دیا وہ کالکاپی کے نزدیک قیام فرما ہوئے وہیں آپ کا مزار بنا ہے پھر آپ کی اولاد اور دوسرے رشتہ دار وہاں سے اُٹھ کر شمس آباد میں آباد ہو گئے۔

آپ کی وفات ۱۰۱۱ھ ہجری میں ہوئی

اختیار الدین چو با صد افتخار
گشت خود مختار در خلد بریں
سن وصال ارتحالش اعظم است
نیز شد از دل عیاں شیخ امین
۱۰۱۱ھ

شیخ جلال الدین کاسی چشتی قدس سرہٗ آپ کا نام جلال خان تھا پٹھان کے کاسی قبیلہ کے بہت بڑے رئیس تھے۔ شیر شاہ سوری کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے سلطنت افغانان کے زوال کے بعد مغلوں نے انتقامی کاروائیاں شروع کیں تو جلال خان کے دل سے دنیا کے جاہ و جلال سے دل اچاٹ ہو گیا اور شاہ محمد چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے مرید ہوئے مگر ایک عرصہ تک فتح کے دروازے نہ کھل پائے ایک عرصہ کے بعد شاہ محمد چشتی نے بتایا۔ کہ آپ کے معاملات شیخ

بدر الدین صاحب ولائیت کے اختیار میں ہیں۔ وہاں جائیں۔ جلال خاں وہاں پہنچے تو ایک عرصہ تک خانقاہ کی جاروب کشی کرتے رہے۔ فارغ اوقات میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے رات کو مجاہدات اور ریاضات میں گزارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تو ان کے مرشد نے ایک نگاہ سے انہیں منازل سلوک طے کرا دیئے۔ مزار اقدس سے آواز آئی۔ جلال بدر الدین۔ بدر الدین جلال۔ اس طرح آپ کمالات کو پہنچے۔ لوگوں میں بڑی شہرت ملی۔ بے پناہ لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں آنے لگے۔ ایک دن آپ کے دل میں خیال آیا کاش میرا کوئی فرزند معنوی ہوتا تو میں بھی اسے ان فیوضات سے مالا مال کرتا۔ یہ خبر وقت کے صاحب ولایت کو ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اب ہم تمہارے لئے فرزند رشید کا بھی بندوبست کریں گے اس کی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ اتفاقاً اسی علاقہ میں ایک ہندو کاستھ قوم سے تھا وہ لکھنو کے دربار میں منصب دار تھا۔ اس کا ایک چودہ سالہ بیٹا ظاہری حسن وجمال میں اپنی مثال آپ تھا وہ ان دنوں سعدی کی کتاب گلستان پڑھتا تھا۔ جب وہ گلستان کے دیباچہ میں اس شعر پر پہنچا۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوٰہ علیہ وآلہٖ

لڑکے نے اپنے استاد سے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کی اتنی تعریف کی گئی ہے۔ استاد نے بچے کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ کے حالات سے واقف کیا۔ اور بڑی تعریف فرمائی بچے کے دل پر اس کی گفتگو کا اتنا اثر ہوا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ بچے کے مسلمان ہونے کی خبر نے ہندوؤں میں ایک طوفان برپا کر دیا

ہندوؤں کے شور و ہیجان سے وہ بچہ گھر سے نکلا۔ بدایوں شہر جا پہنچا وہاں اسے جلال الدین کی خانقاہ میں رسائی ہوئی ادھر صاحب ولایت نے روحانی طور پہ حضرت جلال الدین کو آگاہ فرمایا جس معنوی بیٹے کی تلاش میں تھے۔ وہ تمہارے پاس آ پہنچا ہے اس کا نام مخدوم عبداللہ رکھو۔ یہی تمہارا جانشین ہو گا۔ شیخ جلال الدین نے اس بچے کی تربیت کی۔ اُسے ظاہری اور باطنی علوم سے بہرہ ور کیا ادھر صاحب ولایت کی روحانی نگاہ نے بچے کی شخصیت کو اور اہم بنا دیا حضرت شیخ کا معمول تھا۔ کہ آدھی رات کو اُٹھتے صاحب ولایت کے آستانہ پہ پہنچ کر تلاوت قرآن کرتے صبح نماز کے بعد اپنے اہل و عیال کی طرف شہر میں چلے جاتے تھے۔ ایک دن آپ جا رہے تھے کہ راستہ میں چور رات کا مال تقسیم کر رہے تھے۔ انہیں شک گزرا کہ یہ شخص ہمارے حالات سے واقف ہو گیا ہے کہیں ہم پکڑے نہ جائیں۔ آپ پر تیروں کی بارش کر دی جس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ کو اپنے صاحب ولایت کے مزار کے پاس دفن کیا گیا۔ آپ کی شہادت اکبر بادشاہ کے آخری دور اقتدار میں ہوئی تھی یہ ایک ہزار تیرہ صدی ہجری تھی۔ مخدوم عبداللہ آپ کی جگہ مسند ارشاد پہ بیٹھے۔ بڑی شہرت ملی۔ لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ مخدوم عبداللہ کی کشف و کرامات کی شہرت دُور دُور تک پھیلنے لگی۔ مخدوم عبداللہ ساری ساری رات عبادت کرتے۔ اکثر راتیں ایک پاؤں پہ کھڑے گزار دیتے تھے اس علاقہ کے اکثر لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آتے گئے ان دنوں قصبہ رائے بریلی کے ایک رئیس طاہا بھی آپ کے عقیدت مند ہو گئے تھے اس نے بھی ترک دنیا کر کے یاد الٰہی کو اپنی زندگی بنا لیا مخدوم سید جہانگیر بادشاہ کے عہد حکومت ایک ہزار چوتیس ہجری میں فوت ہوئے اور اپنے مرشد شیخ جلال الدین کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ شیخ طاہا نے آپ کی مسند سنبھالی۔

چوں جلال آں ولی اہل کمال
صورت سرو شد نباغ جناں
ہست شیخ زمانہ ۱۰۱۳ھ تاریخش
نیز مشتاق حق جلال بخواں

۱۰۱۳ھ

سید مزمل چشتی قدس سرہٗ:- سید مزمل چشتی شیخ عبدالوہاب جو ہندوستان کے اکابر سادات میں سے تھے۔ کے بیٹے ہیں۔ آپ نے جوانی کے عالم میں اپنے پیر و مرشد کی نگرانی میں بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے کئی کئی راتیں قیام اللیل فرماتے اپنے مرشد سے اتنے فیضان پائے کہ صاحب کرامات و کمالات بن گئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ سید مزمل کو ایک بار خیال آیا۔ کہ وہ اپنے مرحوم والد کی قبر زیارت کرے چنانچہ اپنا یہ ارادہ اپنے پیر و مرشد کے سامنے بڑے اصرار سے کیا ۔ آپ نے تین بار اس ملاقات سے منع فرمایا۔ مگر سید مزمل کا اصرار بڑھتا گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اچھا اگر تم اصرار کرتے ہو تو یاد رکھو تم کو اتنے سال شیر شاہ سوری کے لشکر میں ملازمت کرنا ہو گی۔ جب شیر شاہ قلعہ گوالیار کی فتح کے لئے لشکر کشی کرے تو تم اس لشکر میں ساتھ ہو گئے۔ تمہارے لئے ایک کھلی جگہ پر خیمہ نصب کر دیا جائے گا۔ جہاں تم فتح قلعہ کے لئے دعا کرو گے۔ ایک دن وہاں تمہارے خیمہ کے دروازے پر ایک ایسا شخص آئے گا۔ جس کی وضع قلندرانہ اور لباس پھٹا ہوا ہو گا۔ اسے پورے آداب و اخلاق سے پیش آنا وہ تمہارے والد مرحوم سے ملاقات کا بندوبست کرے گا۔ سید مزمل لشکر میں بھرتی ہو گئے کچھ عرصہ بعد واقعی شیر شاہ سوری نے گوالیار پر لشکر کشی کی۔ اور

آپ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ایک دن ایک قلندر آیا اور اس سے دریافت کیا۔ سید مزمل واقعی آپ اپنے والد سے ملنا چاہتے ہیں۔آؤ۔خیمہ سے باہر آؤ۔وہ باہر آئے تو قلندر نے کہا اب آپ دوبارہ خیمہ میں اندر جاؤ۔آپ کے والد کھڑے ہوں گے۔سید مزمل آگے بڑھے۔دیکھا کہ اُن کے والد مرحوم کھڑے ہیں وہ ڈھاریں مار کر روتے روتے والد کے قدموں میں گر گئے۔لیکن جب سر اٹھایا نہ وہاں والد تھے نہ قلندر۔واپس اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔تم نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ورنہ والد سے باتیں کرنے کا بھی موقعہ مل جاتا تھا۔

سید مزمل ایک عرصہ تک اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں رہے اور کمالات حاصل کرتے رہے۔آخر کار ۱۰۱۵ھ میں فوت ہو گئے۔

بجنت رفت از دنیائے فانی

چوں آں سیّد مزمل خواجہ دہر

دلی شیخ جہاں وصلش رقم کن

بخواں سیّد مزمل خواجہ دہر ۱۰۱۵ھ

۱۰۱۵ھ

شیخ سیّد چیو قدس سرہٗ حضرت خانوادہ چشتیہ میں بڑے معروف ولی اللہ ہیں۔آپ اس سلسلہ میں منسلک ہونے سے پہلے دہلی کے بہت بڑے روسا میں شمار ہوتے تھے۔ایک دن حضرت شیخ سلیم چشتی کے ایک مرید سے کہنے لگے مجھے ایسے پیر کی تلاش ہے جو مجھے پہلی ملاقات میں ہی اپنی طرف کھینچ لے۔اور اس کاروبار دنیا سے ہٹا کر اللہ کی طرف لگا لے میں اس پیر سے بیعت کروں گا۔اس نے کہا۔یہ اوصاف تو میرے پیر شیخ سلیم چشتی

میں پائے جاتے ہیں جو فتح پور میں رہتے ہیں۔ سیّد چھبو نے فرمایا۔ میں اس کے پاس اس صورت میں جاؤں گا۔ کہ وہ خود میرے استقبال کے لئے تشریف لائیں اس مرید نے کہا آپ اپنے چاہنے والوں کی آرزوئیں پوری کرتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چل کر تو دیکھیں۔ دونوں فتح پور کی طرف روانہ ہوئے تو شیخ اسلیم استقبال کو نہ آئے۔ سیّد چھبو کا ساتھی کہتا رہا۔ بس ابھی آتے ہوں گے مگر دونوں فتح پور کے دروازے تک جا پہنچے۔ مگر آپ استقبال کو نہ آئے۔ حتیٰ کہ دونوں آپ کی خانقاہ میں جا بیٹھے مگر اس کے باوجود حضرت سلیم چشتیؒ ان کے سلام کا جواب بھی دینے نہ آئے۔ سید چھبو کی رگ حمیت اور دنیا داری بھڑکی۔ آپ غصّے سے اٹھے اور دہلی کو روانہ ہوئے۔ حضرت شیخ اسلیم نے سنا تو اپنے ایک خاص مرید کو پیچھے دوڑایا کہ انہیں واپس لے آئیں وہ مرید ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا۔ کہ سید چھبو گھوڑے سے اُترے اور خاموشی کے ساتھ سر جھکا کر واپس حضرت اسلیم چشتی کی خانقاہ کی طرف چل پڑے حضرت شیخ کی زیارت ہوئی تو بے خود ہو کر قدموں میں گر پڑے تین دن تک مدہوش رہے۔ تیسرے دن ہوش آیا تو آپ نے بڑی شفقت اور محبت سے اپنایا۔ بیعت سے مشرف فرمایا۔ خرقہ خلافت دیا اور وطن کو روانہ ہونے کی اجازت دی۔

شیخ سید چھبو کی وفات ۱۰۱۵ھ میں ہوئی آپ کا مزار دہلی میں ہے۔

رفت چوں سید نجلد جاوداں
یافت از دیرانہ فانی اماں
گو بسال وصل تاج بوتراب
مقتدائی مہدی عرفانی بخواں

۱۰۱۵ھ

آپ شاہ بکاہی چشتی کے مرید تھے

شاہ نعمان چشتی برہانپوری قدس سرہٗ:-

آپ سے بیعت ہونے سے پہلے دولت آباد میں اپنے پیر کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ پیر کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے شاہ نعمان کو اپنے پاس بلایا اور حکم دیا کہ وہ بکاہی کی خدمت میں جائیں اور اپنا حصہ جاکر وصول کریں۔ شاہ نعمان اپنے پیر کی وفات کے بعد دولت آباد سے روانہ ہوئے اور ہریان پورہ پہنچے۔ اور شاہ بکاہی کی خدمت میں عرض کی کہ میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہارے آنے سے پہلے تمہارے پیر کی زبردست سفارش پہنچ چکی ہے۔ اس کے بعد آپ نے شاہ نعمان کو اپنی خاص تسبیح اور مصلیٰ عنایت فرمایا۔ اور اپنی نظر مقام عصر کا قابل بناکر قلعہ عیصر کی طرف روانہ فرمایا۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ جب شاہ نعمان قلعہ عیصر کی طرف جانے کے لئے رخصت ہونے لگے۔ تو شاہ بکاہی کی خدمت میں عرض کی کہ حضور اُس قلعے میں شاہ محمود پہلے ہی موجود ہیں میرے وہاں جانے میں کیا حکمت ہے آپ نے بتایا کہ آج رات تمام اولیاء اللہ حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ میں نے عرض کیا کہ قلعہ عیصر شاہ نعمان کو عطا کیا جائے۔ بادشاہ محمود کے پاس ہی رہے۔ حضورؐ نے حکم فرمایا کہ ہم نے یہ قلعہ شاہ نعمان کو دے دیا ہے اور شاہ محمود کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنا مصلیٰ وہاں سے اٹھالے۔ اُس دن کے بعد شاہ نعمان قلعہ عیصر میں پہنچ گئے اور قیام پذیر ہوئے۔ اپنی دوری کے باوجود علمی درس کے وقت حضرت شاہ نعمان اُڑ کر شاہی بکاہی کی مجلس میں ہر روز برہان پور پہنچا کرتے تھے درس سننے کے بعد اجازت لے کر واپس چلے آتے۔ اگر کوئی چیز تحفے کے طور پر موجود ہوتی تو اپنے گھر بیٹھے ہی ہاتھ بڑھاتے اور حضرت شاہ بکاہی

کی خدمت میں پیش کر دیتے۔

شاہ نعمان ۱۰۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

برفت از جہاں در بہشت معلیٰ
چو آں شاہِ روئے زمین شاہ نعمان
بگو عاشق مقتدا، ارتحالش
بگو پیشوائے یقین شاہ نعمان

۱۰۱۶ھ

شیخ حاجی اویس وتوزی قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت پیر قبار کی اولاد سے تھے۔ پٹھانوں میں وتوزی قبیلہ بہت باعظمت اور بہت باوقار ہے آپ اُسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کو پیر قبا کی روحانیت سے بڑا فیض ملا تھا جن دنوں آپ حج کرنے آئے تو حضرت اویس کرنی رضی کی زیارت کرنے کے لئے کرن پہنچے اور وہاں سے وطن واپس آئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے۔ شیخ حاجی کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو اُس کا نام داؤد رکھا آپ کی بیوی نے مبارک دی فرمانے لگے یہ ایسا لڑکا نہیں ہے کہ اس کی پیدائش پر مبارک دی جائے تو واقع جب وہ لڑکا جوان ہوا تو پاگل ہو گیا شیخ کو اللہ نے ایک بیٹی دی۔ جب وہ جوان ہوئی تو آپ نے ایک یوسف نامی نوجوان کو کہا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم قبول کرو۔ تو مجھے بتاؤ نوجوان نے کہا کہ میں اپنی والدہ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم میرے خلوص کو ٹھکرا رہے ہو۔ تم نے میری لڑکی قبول نہیں کی۔ جاؤ تمہارے ہاں کبھی اولاد نہیں ہوگی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ شیخ یوسف نے بے شمار عورتوں سے نکاح کئے لیکن کسی کے ہاں بھی اولاد نہ ہوئی۔ شیخ حاجی اویس قصور

میں پیدا ہوئے وہیں زندگی گزری اور وہاں ہی ان کا مزار ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۱۷ھ میں ہوئی۔ ہم نے اوپر پیر قبار چشتی کا ذکر کیا ہے ہم اُن کے تھوڑے سے حالات معارج الولایت اخبار الاولیاء اور شجرا چشتیہ سے لکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کا نام نامی شیخ وڈو تھا اور لوگ انہیں پیر قبار بن شعور ابن خشگی کہتے تھے۔ تسکیرنی اور خشں کی پٹھانوں کے قبیلے ہیں جو چشتی فقرا سے تعلق رکھتے ہیں۔ شعور پٹھانوں کے تین بیٹے تھے۔ ایک کا نام پیر قبار تھا۔ دوسرے کا نام حسین خشگی۔ تیسرے کا نام خلف خشکی تھا۔ اِن تینوں میں سے پیر قبار بڑے بھی تھے اور بزرگ بھی تھے جب ان کے دِل میں اللہ کی طلب کی آگ بھڑکی تو وہ کسی پیر کامل کی تلاش میں نکلے۔ وہ بڑے بڑے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر دل کو تسلی نہ ہوئی۔ آخر قصبہ سیں قطب الدین خواجہ چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت خواجہ نے آپ کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنی خانقاہ میں رکھ لیا۔ اور حکم دیا کہ لنگر کا کھانا پکانے کے لئے پانی لایا کرو پیر قبار چالیس سال تک لنگر کے لئے پانی لاتے رہے جس وقت خواجہ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ نے پیر قبار کو اپنے پاس بلایا اور فقر خلافت خصوصی عنایت فرمایا اور اجازت دی کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں چونکہ پیر قبار کو خواجہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ وطن کو واپس نہ آئے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد اُن کے مزار پر وہی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ ایک رات خواجہ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ اب تم اپنے وطن کو واپس چلے جاؤ آپ وطن واپس آئے پشاور کے کوہستان کے پٹھان بڑے سنگ دل تھے انہوں نے آپ کی بزرگی کو تسلیم نہ کیا اور بزرگی کی سند طلب کی۔ کہنے لگے کہ اگر اسی وقت دو کبوتر جنگلی اُڑتے اُڑتے آئیں اور تمہارے گریبان میں گھس جائیں اور دامن کے راستے باہر نکلیں پھر ہمیں تسلی ہوگی کہ تم ولی اللہ ہو۔ چنانچہ غائب سے دو کبوتر آئے اور گریبان میں گھس

گئے اور بارود کے راستے باہر نکل آئے۔ یہ کرامت دیکھ کر پشاور کے قریب کے لوگ آپ کے مرید ہو گئے خصوصاً خشکی قبیلہ آپ کا عقیدت مند بن گیا۔ پیر قبار نے ان کبوتروں کے حق میں دُعا کی اور مریدوں کو حکم دیا کہ آج کے بعد کوئی شخص نہ کبوتر کا شکار کرے اور نہ ذبح کرے۔

آپ نے اعلان کیا کہ جو شخص کبوتروں کو تکلیف دے گا یا وہ مر جائے گا۔ یا بے اولاد رہے گا۔ یا تنگ دست ہو جائے گا۔ آج تک خشکی پٹھانوں میں یہ رسوم چلی آرہی ہے کہ کوئی کبوتر کا شکار نہیں کرتا۔ تلقین نو مرید ین میں لکھا ہے۔

چوں زد تو خوارق عادات
خوان ستہ قوم بر مکشوفات
دو کبوتر موافق گفتار
نہ استین دو شیخ شد طیار
قوم را گفت شیخ بعد ازان
چونکہ شد بر ولاتشیں برہان
جنس این طیر نہ اخر ندھید
گر مریدان خاص دال بیند
این نکی خوارق از نیز دال بود
خارقش دا کجا شمار بود

اگرچہ پیر قبار کی توجہ سے بے پناہ مخلوق کو ہدایت ملی مگر آپ کے مرید کامل شیخ لبطق تھے۔ آپ بڑے صاحب کرامت ولایت اور ہدایت کے مالک تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ختنگی کے بیٹے آپ کے مرید اور پدر زادہ تھے بعض کہتے ہیں کہ شیخ لبطق خواجہ چشتی کے پوتے تھے۔ اُن کے والد کا نام عمر تھا۔ اور حضرت پیر قبار نے

اُن کے حق میں دُعا کی تھی کہ قیامت تک اُن کی اولاد میں مصرف باقی رہے گی۔ پیر قبار ۵۵۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔

اخوند سعید شوریانی قدس سرہٗ ثلاثہ :- آپ کو ابوالحسن خرقانی ثانی کہتے تھے کیونکہ آپ کو ابوالحسن خرقانی سے

خرقہ ملا تھا۔ اسی طرح آپ کو پیر قبار کی روحانیت سے تربیت حاصل ہوئی تھی جب آپ درجہ کمال کو پہنچے تو بھی پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ شریعت کے احکام کے نفاذ میں بڑے ہی سخت تھے۔ آپ کی نظر میں بادشاہ فقیر ایک جیسے ہی تھے بلکہ بعض اوقات فقیروں سے زیادہ محبت اور شفقت کرتے تھے۔ امیروں سے دور رہتے اور اُن کو اپنا مرید بھی نہ بناتے تھے۔ قوالی سنتے سماع کی مجلس میں بن بلائے بھی چلے جاتے اور وہاں پہنچ کر وجد اور رقص کرتے۔ اخبار الاولیاء اور معارج الولائیت میں آپ کی بڑی بڑی کرامتیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ کھانا پکاتے ہنڈی میں زیادہ نمک ڈال دیتے لیکن جب پک جاتا۔ پھر جو بھی کھاتا اس کو پورا لگتا۔ ایک دفعہ ایک آدمی گجرات چلا گیا مدت گزرنے کے بعد اُس کی کوئی خبر نہ آئی اُس کے رشتہ داروں کو بڑی فکر ہوئی ایک دن ایک شخص حضرت اخوند کی خدمت میں آیا۔ اور آکر گم شدہ آدمی کے رشتہ داروں کا رنج کیا۔ آپ نے تھوڑی سی خاموشی کے بعد فرمایا کہ فلاں شخص فلاں مہینے فوت ہو گیا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد گجرات سے اُس کے فوت ہونے کی خبر پہنچی تو وہی تاریخ تھی جو حضرت اخوند نے بتائی تھی ایک بار ایک ہندو راجپوت حاضر ہوا کہنے لگا کہ اکبر بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ آپ دعا کریں کہ وہ راضی ہو جائے آپ جو ہدیہ کہیں گے میں پیش کروں گا۔

آپ نے فرمایا تم بادشاہ کے پاس چلے جاؤ کوئی فکر نہ کرو۔ میں نے بادشاہ

کی زبان بند کر دی ہے جب تم پہنچو گے تو بادشاہ انعام دیں گے۔ جب تم انعام لے کر واپس آؤ اور ایک موٹا سا دنبہ میرے لئے لانا۔ راجپوت دربار میں پہنچا بادشاہ سے خلعت پائی تو دنبوں کا ایک ریوڑ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا مجھے تو بس ایک ہی دنبہ دو۔

حضرت اخوند سعید کی وفات ۱۰۱۸ھ میں ہوئی۔ اور آپ کا مزار قصور میں ہے

وصل شد با وصل حق چون از جہاں
پیر حق گو شیخ حق آئین سعید
فضل حق دان شیخ حق گو رحلتش
نیز کن تحریر خیر دین سعید

۱۰۱۸ھ

شیخ نظام الدین بن شیخ عثمان زندہ پیر پانی پتی قدس سرہٗ: آپ مشائخ چشت میں بڑے معروف بزرگ تھے۔ زہد و تقویٰ۔ ورع و فقر میں ہمہ تن مصروف تھے۔ آپ نے اپنے والد عثمان زندہ پیر سے ہی بیعت کی تھی۔ یہ دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کا اسم گرامی شیخ کمال تھا۔ جو بڑے صاحبِ کمال و جمال تھے۔ آپ نے اپنی علمی اور روحانی کوششوں سے بڑا نام پایا تھا۔ اکابرین وقت نے شاہ کمال کو اپنے والد کا جانشین قرار دے کر سجادہ نشین بنا دیا گیا۔ مگر شاہ کمال نے انکار کر دیا اور ذکر و فکر کو ہی اپنایا۔ ان کی جگہ شیخ نظام الدین سجادہ نشین بنے۔ اور اپنے والد کے سلسلہ کو جاری رکھ کر خدمت خلق میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی وفات ۱۰۱۸ھ میں ہوئی تھی۔

چوں نظام الدین نظام دو جہاں
از جہاں آخر بجنت شد مقیم
سالِ ترحیلش چو جستم از خرد
شد عیاں مخدوم محبوب کریم

شیخ رحمت اللہ شوریانی قدس سرہٗ:- آپ پیر گیار کی اولاد میں سے تھے اور انہی کے سلسلہ میں روحانی فیض پایا تھا۔ معارج الولائیت میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پرندوں چرندوں اور درندوں کی باتیں معلوم کرنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔ آپ جدھر جاتے اللہ کی ہر قسم کی مخلوق سے باتیں کر لیتے اور ان کی سن لیتے تھے۔ ایک دن ایک بہت بڑے سانپ سے باتیں کر رہے تھے۔ جب لوگ قریب آئے تو سانپ اپنی بل میں گھس گیا اور آپ اپنے راستہ پر چل دیئے۔

آپ کی وفات ۱۰۲۵ھ میں ہوئی مزار پر انوار قصور شہر میں ہے۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ پڑھانے کے لئے ایک شخص غیب سے آئے گا۔ اسی کی امامت کرانا۔ اور مجھے میرے آبائی قبرستان میں دفن کرنا۔ ایسا ہی ہوا کہ جب نماز جنازہ کے لئے صفیں درست کیں تو غائب سے ایک بزرگ آئے جنہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

چونکہ رحمت ابر رحمت بحرام
از جہاں در رحمت حق شد نہاں
سالِ وصلش پیر رحمت اقدس است
مقتدائے عشق ہم آمد عیاں

۱۰۲۵ھ

شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہٗ آپ کے دادا کا نام شیخ محمد صدر ہے آپ کے بزرگوں کا نسب حضرت صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے آپ کے بزرگ جون پور میں رہتے تھے۔ مگر شہر گجرات میں پیدا ہوئے چھوٹے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ نوجوانی میں حضرت شیخ گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ اجازت پایا۔ مگر مکہ معظمہ چلے گئے وہاں بارہ سال مشائخ متقین کی خدمت میں رہے واپس ہندوستان آئے اور احمد آباد میں قیام کیا۔ وہاں ہی آپ کی شادی ہوئی۔ شیخ الدین گجراتی کی مجلس میں بیٹھ کر ظاہری علم حاصل کئے۔ پھر حضرت شیخ خان جون پوری کی خدمت میں گجرات چلے گئے۔ شیخ خان نے اُن کے والد ماجد کی زبان سے سنا تھا۔ کہ ہمارا بیٹا قطب الوقت ہو گا آپ نے شیخ محمد کی بڑی ہی عزت کی۔ شیخ ابو محمد صفر یتمی آپ کے والد کے مرید تھے اور قلعہ علیسر میں رہتے تھے۔ آپ نے شیخ وحید الدین اور شیخ ماہ کو لکھا کہ آپ کا شہباز ابھی پرواز نہیں کر رہا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ اُس کی پرواز آپ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ شیخ محمد کو علیسر بھیج دیا گیا۔ وہاں جا کر وہ روحانی نعمتیں حاصل کیں جو آپ کے والد بزرگوار نے شیخ حصر یتمی کے سپرد کی تھیں۔ وہاں سے واپس آکر برہان پور میں قیام کیا۔ ظاہری اور باطنی علم کا سلسلہ جاری کیا۔ اور چشتیوں کے مشہور بزرگوں میں شمار ہونے لگے شیخ محمد کو حضور نبی کریمؐ سے اتنی ارادت محبت اور اخلاص تھا کہ ہر سال بے اختیار ہو کر مدینہ شریف کی طرف روانہ ہو جاتے اور کئی منزلیں طے کرنے کے بعد حضور کے حکم سے واپس آتے۔ آپ کی صبح شام سنت نبوی اور شریعت محمدی کے مطابق گزرتی تھی۔ جتنے نذرانے آتے اُس کے تین حصے کر لیتے ایک حصہ بیوی بچوں کو دیتے ایک حصہ درویشوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے اور ایک حصہ سارا سال جمع کر کے مدینہ پاک

بھیج دیتے۔

سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے آپ کی وفات بروز سوموار ۲ ماہ رمضان ۱۰۲۵ھ لکھی ہے۔ خواجہ ہاشمؒ آپ کی تاریخ وفات ابن فضل اللہ آپ کی ۱۰۲۹ عمر ۸۶ سال تھی۔ اور آپ کا مزار مبارک برہان پور میں ہے۔

آپ پیر قبار کی اولاد سے تھے۔

مولانا شیخ احمد شوریانی قدس سرہٗ:۔ آپ کے والد خواجہ غلام معین الدین خواجہ خیشوگی تھے۔ جنہوں نے معارج الولائیت اور اخبار اولیاء لکھی ہے آپ بہت بڑے عالم دین اور خطہ پنجاب کے شیخ کامل تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم حضرت اسحاق بن شاہ کاکو لاہوری سے حاصل کیا۔ شیخ صاحب حضرت فریدالدین گنج شکر کی اولاد سے تھے۔ لاہور میں آپ کی علمی فضیلت اور روحانی درجوں کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بہت سے لوگ آپ کی شاگردی سے وابستہ تھے شیخ احمد قصور سے اُٹھ کر شیخ اسحاق کی خدمت میں لاہور آئے اور علمی اور ادبی سرمایہ حاصل کیا۔ خویشکی اور شورہ پٹھانوں میں اتنا بڑا ظاہری علوم کا عالم اور باطنی رموز کا واقف کوئی نہ تھا۔ زہد اور عبادت میں بے مثال تھے۔ قرآنی دعائیں وظیفے کے طور پر پڑھتے تھے۔ چہل اسم دعائے سیفی اور حزب البحر پورے آداب اور شرائط سے پڑھتے تھے۔ فرائض کے علاوہ ہر روز نفل اشتران ضحیٰ اور تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے جو مشکل مسائل علماء سے حل نہ ہوتے تھے۔ آپ کے پاس حل ہوتے تھے آپ شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی کے ہم عصر تھے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ عیسیٰ سندھی برہان پوری آپ کے احباب میں سے تھے یہ تینوں بزرگ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ شیخ عبداللطیف برہان پوری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی عمر میں دو شخصوں کو ظاہری اور باطنی علوم میں ماہر دیکھا

ہے ایک شیخ عبدالوہاب متقی اور دوسرے شیخ احمد شیوکپانی میں نے اُن سے ملاقات کی ہے۔ اُن جیسا علوم جاننے والا کوئی نظر نہیں آیا۔ اگر آپ کے پاس کوئی طالبعلم پنجاب سے جاتا آپ اسے واپس بھیج دیتے اور فرماتے جب تمہارے پاس قصور سے شیخ احمد شیوکپانی شریعت اور طریقت کا دریا بہا دیا ہے تو تم پیاسے اس چشمے پر کیوں آئے ہو۔ تم اُن کے پاس چلے جاؤ تمہیں خدا تک پہنچا دیں گے۔ شیخ احمد کتابیں لکھنے سے اجتناب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ پہلے بزرگوں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں ان کی ایک کتاب سوالاتِ احمدی جو انہوں نے بے دینوں کے خلاف لکھی تھی اکسیرِ اعظم کی حیثیت رکھتی ہے بڑی مقبول ہوئی تھی۔

شیخ احمد ۱۰۳۰ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

شد چو در بزم محمد در جنان
احمد آن حامئ دین احمدی
احمد واعظ بگو تاریخ او
نیز ہادی احمد فاضل ولی
۱۰۳۰ھ

شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوری قدس سرہٗ: آپ شیخ محمد صدیق چشتی لاہوری کے خلیفہ کامل تھے۔ آپ عشق و محبت۔ جذب و سکر۔ سماع و وجد اور فقر میں بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ کا صوفیا میں بھی بڑا بلند مقام تھا۔ سماع کے دوران آپ کو یہ کیفیت ہوئی کہ بعض اوقات یہ گمان ہوتا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں دو دو تین تین دن مست اور بے ہوش رہتے آخر کار ۱۰۳۰ھ ہجری میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ کا مزار اپنے پیر و مرشد کے

مزار کے پہلو میں میدان زین خان میں ہے۔

چو از دنیا بفردوس برین رفت
سلیم آن شیخ عالم شاہ حق بین
بگو سال وصال آن شہ دین
دگر فیض سلیم آید وصالش

۱۰۳۰ھ

میر سید محمد کالپی قدس سرہٗ: ابتدائے کار میں حضرت ابوالاعلیٰ نقشبندی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ کی تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک بار حضرت خواجہ اجمیری کے دربار میں حاضر ہوئے۔ روضہ کی زیارت کی۔ حضرت خواجہ خواب میں ملے اور ارشاد فرمایا۔ کہ ہمارے ملک میں آکر ہمارے طریقہ چشتیہ پر ہی چلنا چاہیئے سماع کی مجالس میں حاضر دینی چاہیئے۔ چنانچہ آپ روحانی طور پر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے مرید ہو گئے۔ اور باطنی طور پر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگے فیضان چشتیہ کے علاوہ آپ کو دوسرے سلاسل تصوف سے بھی فیض ملا تھا۔ آپ سماع میں بڑا غلو فرماتے اور ہر سال حضرت خواجہ اجمیری کے مزار پر انوار کی زیارت کو جاتے ایک دن آپ کے روضہ انور کے سامنے بیٹھے تھے کہ آپ پر بے ہوشی اور بے خودی طاری ہونے لگی کہ حضرت خواجہ روضے سے باہر تشریف لائے اور آپ کے منہ میں پان رکھا تو آپ ہوش میں آ گئے اگرچہ یہ ملاقات روحانی اور باطنی تھی۔ مگر جب آپ کو ہوش آیا تو وہ پان آپ کے منہ میں موجود تھا۔ پھر حضرت خواجہ اجمیری سے اتنی قربت ہو گئی کہ جب دل چاہتا زیارت ہو جایا کرتی تھی اور فیضان حاصل کر لیا کرتے تھے ہمیشہ تدریس میں مشغول رہتے۔ لوگ آپ سے ہر سلسلہ سے

فائدہ حاصل کرتے تھے۔ اغنیا اور امرار سے دُور رہتے اگر کوئی رئیس آجاتا تو اس کی تعظیم نہ کرتے ہاں غربا اور مساکین کو نوازتے کئی بار بادشاہ آئے مگر آپ تعظیماً نہیں اٹھے۔ آپ نے تفسیر سورۃ فاتحہ لکھی اور اس کا نام روائح رکھا تھا۔ آپ ۱۰۳۱ھ میں فوت ہوئے۔

چو در خلد منور گشت اوشں
جناب ماہ لقا سید محمد
زشمس المتقین جوار تحالش
دگر سرِّ خدا سید محمد ۱۰۳۱ھ

۱۰۳۱ھ

شاہ اعلیٰ چشتی پانی پتی قدس سرہٗ:- آپ اعلیٰ مراتب اور بلند درجات کے مالک تھے۔ آپ کو اپنے والد نظام الدین رحمۃ اللہ سے خرقۂ خلافت ملا۔ پھر آپ نے شیخ نظام نارنولی سے بھی خلافت پائی کسی نے آپ کے حق میں کیا خوبصورت شعر کہا ہے۔

نظامش پیر و ہم پدرش نظام است
نظام دو جہان روئے تمام است

ایک شخص اللہ دیا جو آپ کا مرید تھا نے آپ کے ملفوظات اور واقعات پر ایک کتاب لکھی جس کا نام جواہر اعلیٰ تھا۔ اُس میں آپ کے تمام حالات اور مقامات لکھے گئے ہیں۔ ان کا اپنا نام عبدالسلام تھا مگر شیخ نظام نارنولی نے آپ کو شاہِ اعلیٰ۔

سیر الاقطاب کے مصنف فرماتے ہیں کہ شاہ اعلیٰ ابتدائی عمر میں بابر کے ایک امیر خراخان کی نوکری کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد ان کا کاروبار اس قدر کمال

کو پہنچا کہ بابر کی ساری فوج میں ان جیسا کوئی تیر انداز نہ تھا۔ آپ لشکر سے نکل کر طالب الہٰی دہلی سے پانی پت پہنچے۔ اور والدِ مکرام کو اپنے دل کی کیفیت سے آگاہ کیا۔ والد مکرام کے حکم پر آپ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے روضے کے ساتھ حجرے میں چلہ کاٹنے بیٹھ گئے آپ یہاں بڑی ریاضتیں اور مجاہدہ کرنے لگے ابھی چالیس دن پورے نہیں ہوئے تھے کہ ایک دن حجرے کا دروازہ بند تھا شیخ نظام الدین نارنولی حجرے کے اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارا باطنی حصہ میرے پاس ہے تم میرے پاس نارنول میں آؤ۔ آپ بے خودی کے عالم میں گرتے پڑتے نارنول پہنچے اور شیخ نظام نارنولی کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کے کام کی تکمیل ہوئی خرقہ خلافت ملا اور شاہ اعلیٰ کے خطاب سے ممتاز ہوئے۔

شیخ اللہ دیا جو آپ کے ملفوظات کا مؤلف ہے اور آپ کا مرید خاص بھی ہے لکھتا ہے کہ ایک بار میں نے حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی بارگاہ میں نذر مانی میرا کام میری مرضی کے مطابق ہوا۔ تو میں ایک دن نذر ادا کرنے کے لئے شاہ اعلیٰ کو لے کر حضرت بو علی قلندر کے مزار کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں سخت بارش تے آ لیا۔ مگر آپ نے فرمایا فکر نہ کرو بارش تم پر نہیں برسے گی۔ میں نے دیکھا ہم سے دس دس قدم دُور فاصلے پر بارش ہو رہی ہے لیکن ہم پر ایک قطرہ بھی نہیں گر رہا۔ اس طرح ہم محفوظ حضرت قلندر کے روضہ پر پہنچ گئے۔ ہم نے وہاں دیگیں پکائی۔ انہیں تقسیم کیا۔ لیکن اتنی زوردار بارش کے باوجود ہم پر ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ حالانکہ ہمارے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔

سیر الاقطاب میں لکھا کہ شاہ اعلیٰ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے سونے کی کچھ اشرفیاں چمڑے کے تھیلے میں ڈال کر اپنے حجرے میں دفن کر دیں چند مہینوں

کے بعد جب اُسے ضرورت پیش آئی تو اشرفیاں تلاش کیں۔ زمین کھود دی گئی۔ لیکن اشرفیوں کا نام و نشان نہ ملا۔ تھک ہار کر شاہ اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتحال پیش کی۔ حضرت شاہ اعلیٰ بذاتِ خود اِس کے گھر تشریف لے گئے ابھی اُس کے گھر نہ پہنچے تھے راستے میں ایک کسّی زمین پر ماری اور فرمایا یہاں اپنا مال تلاش کرو۔ اس شخص نے وہاں سے زمین کھودی اسے اپنے چمڑے کے تھیلے میں اشرفیاں پڑی مل گئیں وہ حیران رہ گیا اور عرض کی کہ میں نے اپنی اشرفیاں حجرے میں دفن کیں تھیں لیکن اب یہ راستے سے برآمد ہوئیں ہیں۔ خدا معلوم یہ کیا راز ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اسرارِ الٰہی ہے، ان کا انکشاف نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شاہ اعلیٰ کے دو لڑکے تھے ایک کا نام شاہ منصور اور دوسرے کا نام شاہ نور تھا۔ دونوں آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے البتہ شاہ منصور کا ایک لڑکا شاہ محمد زندہ تھا جو اپنے دادا بزرگوار کی مسندِ ارشاد پر بیٹھا۔ حضرت شاہ اعلیٰ کی خانقاہ میں ایک کنواں ہے جو آپ نے خود کھودا تھا۔ جب وہ مکمل ہو گیا تو اُس کا پانی کھارا نکلا۔ مریدوں نے آپ کی خدمت میں اِس پانی کے متعلق شکایت کی۔ اتفاقاً وہاں ایک شخص چند روٹیاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار سے لے کر حاضر ہوا حضرت شاہ اعلیٰ نے ان روٹیوں کو اپنے ہاتھ سے توڑا اور کنوئیں میں ڈال دیا۔ دعا کی اور فرمایا کہ اب پانی نکالو اور پیو۔ جب پانی نکالا گیا تو وہ میٹھا بھی تھا اور ٹھنڈا بھی۔

شاہ اعلیٰ کی ولادت ۸۹۰ ہجری میں ہوئی اور وفات ۱۰۳۲ ہجری میں ہوئی آپ کی عمر ۱۴۲ سال تھی۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے آپ کی تاریخ ولادت لفظ فیاض سے برآمد کی ہے اور تاریخ وفات شیخ اللہ سے برآمد کی ہے۔ آپ کے فوت ہونے کے چند سال بعد ایک ضعیف عورت جس کا شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ آپ کا مزار بنانے لگی، عمارت شروع ہوئی مگر عمارت بنانے والے معمار نے خواب میں دیکھا

کہ حضرت شاہ اعلیٰ سے اپنی قبر کے سرہانے کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ عمارت کا جو چبوترا تم بنارہے ہو اس سے ہمارے صندوق کا تختہ ٹوٹ گیا ہے اور ایک اینٹ صندوق میں گر گئی ہے۔ مناسب ہے کہ تم چبوترے کو گرادو۔ اینٹ کو صندوق سے باہر نکالو اور صندوق کے تختے کو درست کر کے دوبارہ چبوترا بناؤ۔ صبح ہوئی تو وہ معمار اس شاہی خاندان کی عورت کے پاس گیا اور رات کے خواب کا قصہ بیان کیا اُس نے کہا کہ جس طرح شاہ اللہ نے حکم دیا ہے اُس پر عمل کیا جائے شہر کے بڑے بڑے لوگ جمع ہوئے چبوترے کی عمارت کو ہٹا دیا گیا۔ صندوق باہر نکالا گیا سب لوگوں نے دیکھا۔ واقعی صندوق کا تختہ ٹوٹا ہوا ہے اور اُس کے اندر اینٹ پڑی ہوئی ہے یہ اینٹ حضرت کے زانوں کے نیچے تھی۔ دایاں پاؤں دراز تھا۔ لیکن بایاں پاؤں اینٹ کی وجہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا سارا جسم صحیح وسالم موجود ہے آنکھیں اُسی طرح روشن ہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت آرام فرمارہے ہیں۔ چنانچہ شہر کے رہنے والے چھوٹے بڑے آپ کے دیدار پُر انوار سے فیض یاب ہوئے صندوق کے تختے کو درست کیا گیا اور از سرِ نو عمارت کی بنیاد کو تیار کر کے اٹھایا گیا

جناب شاہ اعلیٰ پیر اسلام
نظام دین و دنیا شیخ والا
بگو بالغ نخوان غالب بتر حیل
دگر سرورِ معلیٰ شاہ اعلیٰ

۱۰۳۳ھ

حضرت بایزید تبک زئی قدس سرہٗ: اپنے وقت کے کاملین میں سے تھے حضرت شیخ تبک سے

ربیت روحانی ملی تھی۔ معارج الولایت کے مولف لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت بایزید مجلس سماع میں موجود تھے۔ طبیعت پر سخاوت کا غلبہ آیا۔ فرمانے لگے ہے کوئی جسے میں خدارسیدہ بنادوں۔ مجلس میں شورہ قبیلے کے تین پٹھان بیٹھے تھے۔ ایک شیر خان امجوزی۔ دوسرا پاینده امجوزی تیسرا شیخ صدرالدین و توزی تھا تینوں اٹھے۔ حضرت شیخ سے معانقہ کیا اُسی وقت تینوں خدارسیدہ بن گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ جب بھی مجلس سماع میں بیٹھتے تو وجد کی حالت میں یہی کلمہ زبان پر لاتے۔ اور اس طرح سینکڑوں لوگ خدارسیدہ ہو گئے۔ ایک دن مجلس میں ایسا بیگانہ آدمی موجود تھا جو ان مقامات کو نہ جانتا تھا اُٹھا اور شیخ سے معانقہ کرنا چاہا۔ تو دیکھا اُس کے اور شیخ کے درمیان ایک بڑی صندوق ہے جس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں تو فوراً پیچھے ہٹ گیا۔

حضرتِ شاہ بایزید کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ میں صبح کی نماز کے بعد شیخ کو باہر مصلیٰ پر بیٹھے دیکھا کبھی تو وہ ایک ضعیف بوڑھے کی طرح نظر آتے اور کبھی نوجوان خوبصورت دکھائی دیتے۔ کبھی میں دیکھتی کہ وہ ایک چھوٹے بچے کی شکل میں بیٹھے ہیں اور کبھی یوں محسوس ہوتا کہ بہت بڑا شیر بیٹھا ہے۔ جب میں نے پہلی مرتبہ انہیں شیر کی شکل میں دیکھا تو میں ڈر گئی۔ خوف و ہراس کی وجہ سے کانپنے لگی۔ آپ فوراً اصلی شکل میں آ گئے اور کہنے لگے ڈرو نہیں۔ اللہ کے شیروں کے گھر جنگل کے شیر نہیں آ سکتے۔

ایک بار شیخ سفر کرتے کرتے آگرہ شہر میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ کسی شخص کی کھوپڑی راستے میں پڑی ہوئی ہے آپ نے چاہا کہ اُس سے بات کریں۔ آپ نے اُسے غور سے دیکھا تو اُس نے اپنے سارے حالات بتا دیئے۔ حضرت شیخ نے اُس کے لئے فاتحہ پڑھی اور دعائے مغفرت کر کے آگے چلے۔

شیخ خان ام جوزی جو آپ کا فیض یافتہ تھا۔ راستے میں جا رہا تھا کہ ایک مست ہاتھی دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔ ہاتھی والے نے دور سے کہا کہ بابا ہٹ جاؤ۔ ہاتھی مست ہے کہنے لگے مست کو مست سے کیا کام۔ جب ہاتھی آپ کے نزدیک پہنچا تو سر جھکا دیا۔ آپ نے اُس کے سر کو اٹھا کر اونچا کیا اور فرمایا اگر میں اِس کے سر کو سہارا نہ دیتا تو یہ قیامت تک اسی طرح پڑا رہتا۔ ایک دن شیر خان مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک بوڑھی عورت آئی اور آ کر کہنے لگی۔ میرا ایک عزیز سخت بیمار ہے اور مرنے کے قریب ہے۔ آپ اُس کی شفا کے لئے دعا فرمائیں آپ نے چند لمحے سر جھکایا اور پھر بوڑھی عورت کو کہنے لگے اس کی عمر تو ختم ہو گئی ہے میں نے بڑی تلاش کی لیکن اُس کی حیاتی نہ پا سکا۔ اب اِس کے بغیر چارہ نہیں کہ میں اپنی عمر اُسے دے دوں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی چادر زمین پہ بچھائی اُس پہ لیٹ گئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے جان اللہ کے حوالے کر دی۔ اُسی دن سے اُس بوڑھی عورت کا عزیز بیٹا شفایاب ہو گیا۔

شیخ صدر الدین المشہور شیخ صدو بھی آپ کے دوسرے خلیفہ تھے وہ بھی مردِ کامل تھے لیکن دیوانوں کی طرح بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے۔ شہر کے بچے ان کے پیچھے شور مچاتے اور کہتے بابا روٹی دے۔ وہ اپنی کرامت سے بغل سے روٹیاں نکالتے جاتے اور بچوں کو دیتے جاتے ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں سخت بارش شروع ہو گئی کہیں پناہ کی جگہ نہ تھی فرمانے لگے فکر نہ کرو بارش تم پہ نہیں برسے گی۔ ایسا ہی ہوا چاروں طرف بارش برستی رہی لیکن ان پہ ایک قطرہ بھی نہ گرا۔

شیخ پائندہ دتوزی آپ کے تیسرے خلیفہ تھے وہ بھی وقت کے عظیم الشان ولی اللہ تھے جو شخص آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیتا وہ ولی اللہ ہو جاتا آخری

عمر میں اپنے بھائیوں سے لڑ جھگڑ کر قصور کو چھوڑا اور موضع خورد میں چلے گئے
باقی عمر وہیں رہے جہاں آپ کو بڑی مقبولیت ملی۔
حضرت شیخ بایزید ۱۰۳۵ھ ہجری میں فوت ہوئے تھے

رفت از دنیا چو در خلد بریں
عالم اسرار عامل بایزید
اہل حق فیاض گو تاریخ او
تیز فرما شیخ کامل بایزید
۱۰۳۵ھ

خواجہ نظام الدین بن شیخ عبدالشکور بلخی تھانیسری قدس سرہٗ:۔ آپ ہندوستان کے بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ ظاہری اور باطنی تصرف کے مالک تھے مذہبًا حنفی تھے اور چشتی صابری تھے آپ کی نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ شیخ جلال الدین تھانیسری کے بھتیجے تھے اور داماد بھی تھے۔ خلیفہ بھی تھے اور جانشین بھی تھے۔ اور آپ کے ہی سجادہ نشین تھے۔ اگرچہ آپ نے ظاہری علوم میں اُستاد سے ایک سبق نہ پڑھا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں علم لدنی سے آپ کو نوازہ تھا اور آپ پر ظاہری اور باطنی علوم کے کمالات منکشف ہو گئے تھے۔ باوجودے کہ اُمی تھے مگر بڑے بلند حقائق اور نقطے بیان کیا کرتے تھے۔ آپ کی گفتگو موتی کی لڑیاں تھیں۔ اُمیّ ہونے کے باوجود آپ کی تصانیف شرح لمحات مکی و مدنی بڑی مشہور ہوئی۔ ایک رسالہ حقیقت لطیفہ باطن وجود لکھا۔ ریاض القدس کے نام سے قرآن کے آخری دو سپاروں کی تفسیر لکھی۔ امام غزالی کے رسالے کی شرح لکھی۔ علماء بلخ کے اعتراضات کا جواب رسالہ بلخی میں دیا۔

سماع کے جواز میں ایک مکمل کتاب لکھی آپ کو سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں خاص مقام حاصل تھا وہ یات کرنے میں کسی کے مقلد نہیں تھے جو اُن پر اللہ کی طرف سے کشف ہوتا وہ اپنی کتابوں میں لکھ دیا کرتے تھے۔ وہ شریعت اور طریقت کے علوم میں اپنے وقت کے تمام علماء سے بڑھ گئے تھے۔ ان علوم کے علاوہ آپ کو علم کیمیا وسیمیا اور ریما اور ریمیا میں بڑی مہارت تھی۔ غائب کے خزانے اور زمین میں دبے ہوئے سونا چاندی کے ذخیرے آپ کو نظر آجاتے تھے۔ اپنے پیرو مرشد کی وفات کے بعد سجادہ نشین بنے۔ تو آپ کی کرامتیں اور کرامات دنیا میں پھیل گئیں۔ شہزادہ سلیم نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ انہوں نے ہی اُسے ہندوستان کی بادشاہی کی بشارت دی تھی۔ جب اکبر بادشاہ ایک ہزار چودہ ۱۰۱۴ ہجری میں مرگیا تو شہزادہ سلیم جہانگیر شاہ کے خطاب سے تخت نشین ہوا۔ اس کا لڑکا شہزادہ خسرو باپ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور بغاوت کرکے اکبر آباد سے پنجاب کی طرف بڑھا۔ راستے میں تھانیسر کے مقام پر حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کرائی۔ حضرت شیخ نے اسے بڑی اچھی نصیحتیں دیں اور فرمایا کہ باپ کے خلاف بغاوت کرنے سے باز آجاؤ۔ مگر آپ کی یہ باتیں شہزادہ خسرو کے دماغ میں نہ آئیں۔ وہ وہاں سے اپنا لشکر لے کر دریائے بیاس کی طرف چلا گیا۔ اس وقت حضرت شیخ نظام الدین کے مخالفوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور شیخ کے خلاف بہتان طرازی کرکے بادشاہ جہانگیر تک یہ بات پہنچائی کہ شیخ خسرو شاہ کو سلطنت دلانے کے لئے دعا کر رہے ہیں اور انہیں سلطنت کی بشارت بھی دے دی ہے یہ بات سن کر جہانگیر بڑا خفا ہوا اور اُس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ شیخ کو ہندوستان سے باہر نکال دیا جائے تاکہ وہ پھر یہاں نہ آئے۔ شیخ اس واقعہ سے پہلے ہی حج بیت اللہ کا ارادہ کر چکے تھے۔ وہ

ہندوستان سے اٹھے اور کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوئے پہلے مکہ پہنچے۔ حج ادا کیا اور پھر مدینہ پاک کی حاضری دی اور کئی سال وہیں قیام کیا۔ وہاں ہی آپ نے شرح ولمعات لکھی۔ جس میں خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اشارہ پر رخصت ہو کر بلخ کو چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ مقیم رہے وہاں آپ نے سات سو لوگوں کو کمال تک پہنچایا۔ ان دنوں بلخ کے بادشاہ امام قلی خان ازبک بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں آ گئے اس طرح بہت بڑی مخلوق علماء و مشائخ آپ کے مرید بن گئے اور آپ کو بڑی شہرت ملی۔

جس وقت حضرت خواجہ کے کمالات کی شہرت بلخ میں عام ہوئی اور بادشاہِ وقت بھی اُن کا مرید ہو گیا۔ شہر کے علماء ان سے حسد کرنے لگے۔ بادشاہ کو کہا گیا کہ شیخ نظام الدین سُنت رسول کا تارک ہے۔ وہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد میں نہیں آتا اور اپنی خانقاہ میں ہی نماز ادا کر لیتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شہر میں دو مقامات پر نماز جمعہ جائز نہیں۔ بادشاہ نے حضرت شیخ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا امام رافضی ہے میں اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ میری نماز رافضی کے پیچھے نہیں ہوتی۔ یہ بات سن کر بلخ کے لوگوں میں ہنگامہ ہو گیا انہوں نے کہا کہ اگر شیخ نظام الدین امام رافضی ہونا ثابت نہ کر سکے تو انہیں بادشاہ قتل کرنے کا حکم دے۔ بادشاہ یہ بات سُن کر حضرتِ شیخ کے پاس آیا اور ساری کیفیت بیان کی آپ نے ساری بات سن کر بادشاہ کو تسلّی دی اور فرمایا کہ آپ فکر نہ کریں یہ جتنے بھی مخالفین ہیں یہ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ شہریوں کا ایک ہجوم بارہ ہزار افراد پر مشتمل شیخ کی خانقاہ کے دروازے پر آ گیا امام خود ننگی تلوار لئے حضرت شیخ کے سامنے آیا اور زبان درازی شروع کر دی اور کہا کہ آپ نے مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے میں

آپکو قتل کردوں تو جائز ہے۔ حضرت شیخ نے بادشاہ کو کہا کہ امام کے جوتے اتروا کر انہیں پھاڑہ جائیے ابھی اِس کا رفض ظاہر ہو جائے گا۔ بادشاہ اٹھا اور امام کے پاؤں سے اُس کا جوتا اُتروایا اور اُس کو پھاڑ اگیا اس میں سے ایک کاغذ نکلا جس میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا نام لکھا ہوا تھا۔ شہر والوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو امام کو وہیں قتل کر دیا اور تمام حضرت شیخ کے مرید بن گئے۔

ایک بار حضرت شیخ بلخ کے پہاڑ کے دامن میں گئے وہاں پانی نہ تھا نماز ظہر کا وقت آیا تو آپ کو وضو کے لئے پانی نہ ملا اپنا عصا پکڑ کر ایک پتھر پہ مارا جس سے خوشگوار پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ یہ بات بلخ شہر میں ایک نجومی نے سُنی وہ کہنے لگا اس میں شیخ کا کیا کمال ہے۔ اُس وقت آبی ستارے برُج سرطان میں تھے اُس کی وجہ سے پتھر سے پانی نکل آیا۔ اِس کو شیخ کی کرامت نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کسی مرید نے آپ کو اس نجومی کی بات سنائی آپ خاموش رہے کچھ دنوں بعد شیخ بلخ کے جنگل میں سیر کرنے تشریف لے گئے اور اُس نجومی کو بھی ساتھ لے لیا۔ جنگل میں پانی نہیں تھا۔ آپ نے نجومی سے پوچھا کہ کیا اس وقت ستارے برج سرطان میں ہیں یا نہیں۔ نجومی نے اپنے علم کی وجہ سے غور کیا کہ اس وقت تو آتشی ستارے آتشی برج میں ہیں کہیں سے پانی برآمد ہونا ناممکن ہے۔ حضرت شیخ نے اپنا عصا زمین پہ مارا اور پانی کا ایک میٹھا چشمہ جاری ہو گیا۔ نجومی حیران رہ گیا اور آپ کے پاؤں میں گر پڑا۔

ایک دن ایک گڈریا جو بالکل جاہل تھا طلبِ حق کے لئے حضرت شیخ کی خدمت میں آیا شیخ نے اُس پہ توجہ کی اُسے عالمِ کمال بنا دیا اُس پہ دینی اور دنیوی علوم کے اسرار ظاہر ہونے لگے۔

حضرت شیخ ۸ ماہ رجب المرجب بروز جمعہ ۱۰۳۶ ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ

کا مزار بلخ میں ہے۔

شیخ بڑے صاحب اولاد تھے آپ کے دو بیٹے خواجہ محمد سعید اور عبدالحق ہندوستان میں آ گئے۔ محمد سعید تھانیسر میں اور عبدالحق کرنال میں رہنے لگے اگرچہ شیخ کے خلفاء کی تعداد حد سے زیادہ ہے مگر ہم چند بزرگوں کے نام لکھتے ہیں۔ خواجہ ابو سعید گنگوہی۔ شیخ حسین بہوہری۔ شیخ ولی محمد نارنولی۔ شیخ پائندہ سنوری۔ سید الہ بخش لاہوری بلکہری۔ شیخ عبدالکریم لاہوری (آپ کا مزار نواں کوٹ لاہور میں ہے)۔ حضرت شیخ بندگی۔ شیخ الہ داد لاہوری۔ شیخ دوست محمد لاہوری شیخ مصطفےٰ۔ شیخ عبدالفتاح اندری۔ شیخ عبدالرحمان کشمیری۔ سید قاسم برہانپوری۔ قاضی عبدالحی ولد قاضی سالم۔ شیخ برہانپوری۔ شیخ فتحی۔ اور اسماعیل اکبرآبادی شیخ جان اللہ لاہوری (آپ کا مزار مہان سنگھ کے باغ میں ہے) یہ سب بزرگ آپ کے نامور خلفاء تھے[۱]

نظام الدین ولی بلخی !!
چو از دنیا بجنت راہی
وصالش ناظم پاکیزہ جُستم
دوبارہ شد عیان نظم الٰہی

۱۰۳۶ھ

---

[۱] صاحب اقتباس الانوار (مواطع الانوار) شیخ محمد اکرم قدوسی (مرتبہ ۱۱۳۰ھ) نے حضرت خواجہ نظام الدین بلخی قدس سرہٗ کی زندگی کے کوائف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے آپ نے مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ خلفاء کے علاوہ شیخ محمد مرزا سرہندی کا نام بھی لکھا ہے۔ اور پھر یہ بتایا ہے کہ ہندوستان کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا۔ جہاں شیخ نظام الدین بلخی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شیخ جان اللہ لاہوری قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ نظام الدین بلخی تھانیسری کے خلیفہ اعظم تھے۔
وقت کے مقتدر مشائخ اور اولیائے کرام میں تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال حاصل کیا تھا ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی مگر جذب حقیقی نے اپنی طرف کھینچا۔ تھانیسر پہنچے۔ شیخ نظام الدین سے بیعت ہوئے۔ ریاضت اور مجاہدہ کو اپنا شعار بنا لیا۔ آپ کے ہمرکاب حج کو گئے۔ واپسی پر آپ کے ساتھ ہی بلخ پہنچے خرقۂ خلافت حاصل کیا تو ولایت لاہور عطا ہوئی۔ بے پناہ لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے۔ آپ کی وفات ۱۰۳۹ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کا مزار پُر انوار باغ مہیاں سنگھ لاہور میں ہے۔

شیخ جان اللہ چوں بحکم قضا
زین جہاں رفت سوئے دار جناں
ہست فیض الحسن بتاریخش   ہم دگر اہل فیض جان جناں

(بقیہ حاشیہ) کا کوئی نہ کوئی تربیت یافتہ خلیفہ سے خالی ہوتا۔ برصغیر کے باہر توران عربستان میں بھی آپ کے کئی خلفاء کام کر رہے تھے۔ آپ کے خلیفہ شیخ اللہ بخش لاہوری کے کمالات کو خصوصی طور پر سپرد قلم کیا گیا ہے شیخ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ وحدت الوجود حضرت شیخ اکبر ابن عربی کے نکات سے اعلیٰ اسرار کا اظہار فرمایا ہے اور شرح لمعات بکی اور مدنی میں ایسے اسرار کا اظہار کیا ہے رویت باری تعالیٰ پر آپ کے خیالات سالکان تصوف کے لئے باعث اطمینان ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے صاحب خزینۃ الاصفیاء کی بیان کردہ کے علاوہ رسالہ حقیۃ دربیان ہفت باطن۔ ریاض القدس۔ شرح مشکوٰۃ شریف اور مصباح الولایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

شیخ علی غواص ترمذی قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت شیخ نظام الدین تھانیسری کے مرید اور خلیفہ تھے اپنے دور کے بڑے باکمال ولی اللہ تھے۔ جب حضرت شیخ نظام الدین بلخ تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت سے بیعت کی اور ایک عرصہ تک آپ کے زیر تربیت رہے۔ تکمیل کے بعد یوسف زئی قبیلہ کی طرف چلے گئے۔ یوسف زئی قبیلہ کے بے شمار افغان آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے حضرت مولانا دہر دیزہ اور ان کے لڑکے عبدالکریم آپ کے مرید ہوئے اور صاحبِ کمال ہوئے مخزن اسلام میں آپ کے احوال و مقامات ملتے ہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے غوث اعظم ثانی تھے۔ آپ کو قطبیت اور غوثیت کا درجہ ملا تھا۔ چونکہ آپ اسرار تصوف و عرفان کے موتی چننے میں غواصی کرتے تھے اس لئے حضرت مرشد نے آپ کو غواص کا خطاب دیا تھا۔ آپ ۱۰۴۰ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار پرانوار یوسف زئیوں کے علاقہ میں مرجع خلائق ہے۔

چو زد غوطہ در بحرِ وصل خدا
علی شاہ غواص والی ولی
سخی پیر امجد علی سال اوست
بفرما دگر شیخ ہادی علی

۱۰۴۰ھ

سید محمد مہدی قدس سرہٗ:۔ آپ کے والد کا اسم گرامی یوسف تھا۔ جونپور کے رہنے والے تھے۔ شیخ دانیال چشتی کے خلیفہ تھے۔ آپ مغلوب الحال اور صاحب سکر بزرگ تھے۔ جس طرح بعض حضرات نے انا اللہ۔ انا الحق اور سبحانی کہا تھا۔ آپ انا المہدی

کا نعرہ لگاتے تھے۔ مگر جب ہوش (صحو) میں ہوتے۔ تو دوسرے بزرگانِ دین کی طرح دعوائے مہدیت سے توبہ کرتے تھے اس زمانے کے جاہل عوام نے آپ کی اس تردید کو قبول نہ کیا۔ اور آپ کو مہدی موعود ماننے لگے ۔اس طرح وہ اپنی جہالت کی سیاہیوں میں پھنسے رہے ۔انہوں نے اپنے طور پر ہی بہتر فرقوں کے علاوہ ایک فرقہ مہدیہ بنا لیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت کے انا المہدی کے دعوے سے مراد مہدی موعود نہ تھا۔ بلکہ ہادی مہدی تھا۔ جس طرح بہت سے اولیاء ہادی اور مہدی کے القابات سے ملقب ہوئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت سید محمد فرقہ مہدیت سے جس قدر دُور رہتے تھے لوگ اسی قدر دعوٰی مہدیت کو درست قرار دیتے تھے۔ چنانچہ یہ فرقہ ایک عرصہ تک ہندوستان میں رائج رہا۔

آپ کی وفات ۱۰۴۲ھ میں ہوئی تھی۔

چوں محمد مہدی ہادی و دین
جاں بجاناں داد رفت اندر جناں
گو بتاریخ وصال او بیخ
ہم محمد مہدی فیاض خوان
۱۰۴۲ھ

شیخ محمد المشہور شیخ محمد اعظم چشتی قدس سرہٗ:

آپ حضرت شیخ محمد چشتی قدس سرہٗ کے فرزند بھی تھے اور خلیفہ بھی آپ چشتیہ سلسلہ کے علاوہ قادریہ۔ نقشبندیہ اور سہروردیہ سلسلوں سے بھی خلافت ملی تھی۔ آپ اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ آپ کی چالیس کتابیں یادگارِ علمی رہیں اور ہزاروں مرید سلسلہ

کو پھیلاتے رہے سماع کی مجالس میں آپ کو وجد اور رقت طاری رہتی۔ نو ربیع الاوّل ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوئے اور آپ کا مزار احمد آباد میں ہے۔

بعظمت شد چو در خلد معلیٰ
محمد اعظم آں فرخندہ انجام
وصالش فضل اسلام است پیدا ۱۰۴۲ھ
دگر از دل عیاں شد شیخ اسلام
۱۰۴۲ھ

شیخ حاجی لگن شوریائی قصوری قدس سرہٗ: آپ پیر گبارہ کی اولاد سے تھے اہل تجرید۔ تفرید اور تقویٰ میں بدرجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ سات بار حج کیا۔ چہرے پہ برقعہ رکھا کرتے تھے۔ تاکہ کسی نامحرم کی ناموس نگاہ نہ پڑے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دل پہ وہ کیفیت طاری نہ ہوئی جو کامیابی کی علامت ہوتی ہے وہ کئی اولیاء اللہ کے پاس گئے۔ التجائیں کیں۔ امداد طلب کی مگر کام نہ بنا۔ جب وہ ساتویں بار حج کرنے گئے تو وہاں کھڑے ہو کر اللہ سے رو کر التجاء کی غیب سے ہاتف نے آواز دی کہ آپ کا کام شیخ عیسیٰ مشوانی سر انجام دیں گے۔ چنانچہ مکہ سے چل کر ہندوستان آئے اور شیخ عیسیٰ مشوانی کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ عیسیٰ ملامتیہ طریقہ کے مالک تھے وہ کھلے عام شراب نوشی کرتے۔ شیخ حاجی چونکہ بہت ہی نیک اور متقی آدمی تھے وہ شیخ عیسیٰ کے پاس نہ گئے اور دل میں آیا کہ یہاں سے لوٹ چلوں۔ شیخ عیسیٰ نے کشفی طور پہ آپ کے دل کی بات معلوم کر لی۔ اور آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور فرمایا تم جس شخص کے پاس بھی گئے ہو تمہارا کام نہیں ہوا آخر کعبۃ اللہ میں جا کر تم نے التجاء کی اور وہاں سے میرے پاس آنے کا حکم ہوا۔ اب ملاقات کے

بغیر واپس چلے جانا عقلمندی نہیں ۔ شیخ عیسٰی کی زبان سے یہ باتیں سن کر حاجی گگن بے حد معتقد ہو گئے اور قدموں میں دو زانوں ہو کر بیٹھ گئے ۔ شیخ عیسٰی نے اشارہ کیا کہ وہ شراب کی صراحی پڑی ہے اُسے اٹھا کر میرے پاس لاؤ ۔ شیخ حاجی اُٹھتے اُٹھتے رک گئے اور ان کے دل پر انکار کا غلبہ دوبارہ آ گیا ۔ چنانچہ شیخ عیسٰی اُٹھے شراب کی صراحی کو پکڑا اور شیخ حاجی کے منہ میں انڈھیلتے گئے ۔ شیخ شراب کے چند گھونٹ پی کر بے خود ہو گئے ۔ جب ہوش میں آئے تو زہد و تقویٰ کا خیال دل سے نکال دیا ۔ عشق و محبت کے لباس میں ملبوس ہو گئے ۔ تمام کپڑے اتار پھینکے ۔ صرف ضروری ستر کے لئے ایک چادر پہن لی ۔ اکثر بے ہوش رہے اور نماز بھی ادا نہ کرتے دنیا والوں سے نہ ملتے ۔ سر داڑھی ابرو اور مژگان کو صاف کر دیا اور یہ کہنے لگے یہ دنیا غداروں کی زینت ہے اس کو دور کر دینا چاہیئے ۔ اکثر سماع کی مجلسوں میں بیٹھتے اور آگ کا ایک آتش دان سامنے رکھتے ۔ کچھ لوگ آپ کے سامنے خود آگ جلا دیتے آپ کے پاس جو بھی نذرانہ آتا آپ اُس آگ میں ڈال دیتے ۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ کے پاس ایک افغانی آیا جس کی اولاد نہیں تھی اُس نے اولاد کے لئے التجا کی آپ نے فرمایا کہ میں اس شرط پر دعا کرتا ہوں کہ پہلا بیٹا مجھے دے دینا جب بچہ پیدا ہوا تو شیخ نے وہ بچہ اُس سے لے لیا اور آگ میں پھینک دیا وہ آدمی یہ صورت حال دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں اپنے بیٹے کو جلانے کے لئے نہیں لایا تھا آپ نے فرمایا چھوڑو اِسے پکنے دو اُس آدمی نے غصے میں آ کر کہا میرے بچے کو آگ سے نکال کر مجھے دے دو ۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہارے بچے کو جلایا نہیں اپنے گھر جاؤ وہ پنگھوڑے میں کھیل رہا ہو گا وہ گھر آیا بچے کو صحیح سالم پنگھوڑے میں کھیلتے دیکھا ۔

کہتے ہیں کہ حاجی گگن اس لئے آگ جلائے رکھتے تھے کہ ان کی طبیعت جلالی

تھی اور اللہ کا جلال اُن پہ غالب تھا آپ بھی چونکہ آگ بھی مظہر جلال الٰہی ہے آپ اُسے اپنے سامنے رکھتے. آپ کی وفات کے بعد لوگ اُن کے نام پہ آگ جلائے رکھتے اور نذر مانا کرتے تھے کہ اگر ہمارا فلاں کام ہو گیا تو ہم جمعرات کی رات کو حضرت شیخ حاجی کے لئے آگ جلائیں گے۔ جب وہ کام ہو جاتا تو آگ جلائے رکھتے۔

شیخ حاجی ۱۰۴۳ھ ہجری میں فوت ہوئے اور آپ کا مزار پُرانوار قصور میں موجود ہے۔

چو حاجی قبلۂ اہل جنان شد
سال رحلت آں شیخ اعظم
دلم فرمود حاجی صاحب ذکر
فرد گفتار کہ حاجی فخر عالم

۱۰۴۳ھ

شیخ عبدالجلیل چشتی لکنوی قدس سرہٗ: آپ بڑے مشہور ولی اللہ تھے وہ اویسی طریقے پہ تھے ظاہری طور پہ آپ کا کوئی مرشد نہ تھا لیکن روحانی طور پہ وہ خواجہ معین اجمیری کے تربیت یافتہ تھے۔ جو شجرہ اپنے مریدوں کو لکھ کر دیتے اپنے نام کے ساتھ حضرت خواجہ اجمیری کی براہ راست نسبت قائم کرتے اپنی کتابوں میں بھی آپ نے لکھا تھا کہ مجھے حضرت خواجہ معین الدین سے کسی واسطے کے بغیر فیض ملا ہے۔ آپ کی بہت سی تصانیفات ہیں۔ چنانچہ مکتوبات، رموزات اسراریہ اور اس قسم کی کئی کتابیں آپ نے لکھیں۔ آپ کی وفات ۱۰۴۳ھ ہجری میں ہوئی۔

زدنیا چو شد در بہشت برین
ولی شیخ عالم خلیل خلیل

بحوالہ مجمعِ فیض تاریخ اد
بفرما مکرم خلیل خلیل
۱۰۴۳ھ

شیخ حاجی عبدالکریم چشتی لاہوری قدس سرہٗ:- آپ کے والد شیخ مخدوم الملک عبداللہ انصاری تھے۔ آپ خاندانِ عالیہ چشتیہ صابریہ میں شیخ نظام الدین بلخی کے مرید تھے۔ جب آپ کے والد بزرگوار کو اکبر بادشاہ نے ہندوستان سے نکال دیا تو وہ کعبۃ اللہ میں چلے گئے۔ شیخ عبدالکریم بھی آپ کے ساتھ گئے حج کیا اور والد کے ساتھ ہی ہندوستان واپس آگئے۔ جن دنوں آپ کے والد کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ آپ لاہور آگئے اور یہیں قیام فرمایا۔ ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے بہت بڑی دنیا آپ کے حلقۂ ارادت میں آئی اور آپ سے بڑی کرامات سامنے آئیں۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ حاجی عبدالکریم دو بار حج کے سفر پر گئے ایک دفعہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اور دوسری بار چند دوستوں کے ساتھ پیادہ خشکی کے راستے بیت اللہ کی طرف چل پڑے سفر میں راستہ بھول گئے اور ایک ویران بیابان میں جا نکلے جہاں دُور دُور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا سب دوستوں پر پیاس طاری ہو گئی۔ آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے دعا فرمائی تو قبول ہو گئی۔ اُسی وقت ایک تیتر آپ کے سر پر اُڑتا ہوا آیا تو آواز دیتا ہوا ایک طرف چلا گیا آپ سمجھ گئے کہ جہاں پرندے ہوتے ہیں وہاں پانی ضرور ہوتا ہے۔ تھوڑی دُور اُسی طرف گئے تو میٹھے پانی کا ایک چشمہ ملا۔ سب نے پانی پیا۔ وضو کیا غسل کیا اور کپڑے دھوئے۔ فرمایا کہ چونکہ تیتر کی وجہ سے ہمیں پانی ملا۔ چنانچہ جو بھی

میرا مرید ہو گا نہ تیتر کا شکار کرے گا اور نہ گوشت کھائے گا. چنانچہ اُس دن سے آپ کے مریدوں نے تیتر کا گوشت کھانا بند کر دیا۔

ایک دن حاجی عبدالکریم اپنی خانقاہ سے اُٹھ کر پیر زیدی کے مزار کی طرف لے گئے۔ آپ کی خانقاہ زیب النساء کے باغ دنواں کوٹ لاہور کے بالکل ساتھ تھی۔ راستے میں ایک شخص شیرا نامی ملا۔ یہ عید کا دن تھا مگر شیرے نے کہا کہ حضرت جی وہ کتنے خوش قسمت لوگ ہیں جو آج حج کر رہے ہوں گے اور ہم کس قدر بدبخت ہیں کہ ہم اِس نعمت سے محروم ہیں. آپ نے فرمایا کیا تم حج کرنا چاہتے ہو؟ آنکھیں بند کرو اور ہمارے پیچھے قدم قدم اٹھاتے چلے آؤ۔ شیرے نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حاجی عبدالکریم کے ساتھ میدانِ عرفات میں کھڑا ہے۔ حج کیا اور حج سے فارغ ہو کر جس طرح گیا تھا۔ اسی طرح لاہور واپس آگیا۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضرت حاجی کے چار بیٹے ہیں۔ ایک کا نام شیخ یحییٰ دوسرے کا نام اعلیٰ انور تیسرے کا نام عبدالحق اور چوتھے کا اعلیٰ حضور تھا اِن چاروں میں شیخ یحییٰ بڑے صاحبِ کمال اور صاحبِ علم بزرگ تھے اُن سے بڑے لوگوں نے فیض پایا۔ یہ بات مشہور تھی کہ ایک دن خیرو نامی ڈاکو موضع سید والا سے اُٹھ کر لاہور ڈاکہ ڈالنے آیا وہ لاہور کے بازاروں میں گھومتا رہا لیکن اُس کو کوئی موقعہ نہ ملا۔ رات ہوئی تو شیخ یحییٰ کی خانقاہ میں آپہنچا۔ وہاں اُس نے دو بیل دیکھے اُنہی کو چرا کر روانہ ہو گیا لیکن تھوڑی دور جا کر اندھا ہو گیا بیلوں کو لے کر پھر واپس آیا تو پھر آنکھیں ٹھیک ہو گئیں اِس طرح اُس نے کئی بار کیا۔ آخر کار بیلوں کو آپ کی خانقاہ کے پاس باندھا اور اندھا ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ دن چڑھا تو خانقاہ کے ملازمین نے خیرو کو دیکھا تو شیخ یحییٰ کو بتایا۔ اب خیرو بھی اُٹھ کر آپ کی خدمت میں آیا تو رات کا سارا واقعہ عرض کر کے معافی مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا تونے سچ کہا ہے

اس لئے تم رحم کے قابل ہو۔ پھر اپنا ہاتھ اُس کی آنکھوں پر مارا وہ اُسی وقت بینا ہوگیا اور شیخ کے مریدوں میں شامل ہو کر مرتبۂ کمال کو پہنچا۔

یاد رہے کہ شیخ عبدالکریم لاہوری بڑے عالم فاضل انسان تھے۔ ظاہری علوم میں بھی بڑے فضل و کمال کے مالک تھے آپ کی تصانیف میں سے شرح فصوص الحکم بڑی مقبول ہوئی اسی طرح آپ نے ایک اور کتاب اسرار عجیبہ لکھی جس میں چشتیہ سلسلے کے اذکار و مشاغل درج ہیں[1]۔

شیخ عبدالکریم ۱۰۴۵ھ ہجری میں ۷ ماہ رجب کو فوت ہوئے آپ کا مزار لاہور میں باغ زیب النساء کے متصل موضع نواں کوٹ لاہور میں واقع ہے

شیخ اکرم کریم با اکرام
مکرمت یافت چون بخلد برین
مقتدای شفیق دان سالش
نیز رحق کریم کاشف دین

مولانا درویزہ پشاوری چشتی قدس سرہٗ:- آپ میر سید علی غوساص کے مرید تھے ظاہری باطنی علوم میں ماہر تھے۔ اپنی ولایت کو چھپائے رکھتے تھے۔ اور تدریس و تعلیم کو اپنایا ہوا تھا آپ بے دینوں اور شیعوں کے خلاف جہاد کرتے تھے۔ جہاں کہیں کسی ملحد یا رافضی کا سنتے تو خود وہاں پہنچتے اُسی سے مناظرہ کرتے اور اسے لاجواب کردیتے

---

[1]: صاحب اقتباس الانوار نے آپ کے ایک اور رسالے مصباح العارفین کا ذکر بھی کیا ہے جس میں سلسلہ چشتیہ قدوسیہ کے مشاغل درج ہیں اس رسالے میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مقامات بھی تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

آپ نے علیسی بلوتی کے ساتھ بڑے مناظرے کئے دوسری طرف ایک ملحد جس کا نام بایزید تھا اور اس نے آپ کو پیر روشن کے نام سے مشہور کر رکھا تھا سخت مناظرہ کیا۔ اور اُسے روشنی کے بجائے تاریکی نام دیا۔ ان دونوں کا نام آپ نے اپنی کتاب مخزن الاسلام میں ذکر کیا ہے۔ مخزن الاسلام ایک ایسی کتاب ہے کہ آپ نے اُسے پشتو زبان میں لکھا مگر وہ کتاب نامکمل رہی آپ کے بعد آپ کے لڑکے مولانا عبدالکریم نے اُسے مکمل کیا۔ اس کتاب میں بڑے حقائق و معارف پائے جاتے ہیں اور احکام شریعت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ معارج الولایت کے مصنف نے مخزن الاسلام کی ایک شرح لکھی ہے جس کا نام شرح کلماتۃ الوفیات رکھا تھا۔

مولانا درویزہ ۱۰۴۸ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

ز دنیا رفت در فردوس والا
چو آن درویزہ درویش معظم
ز دائی رضا جوا رتحالش
بخوان درویزہ معشوق مکرم

۱۰۴۸ھ

بندگی شیخ ابوسعید چشتی صابری گنگوہی قدس سرہٗ: آپ شیخ نورالدین بن شیخ عبدالقدوس کے بیٹے تھے اور شیخ نظام الدین بلخی کے خلیفۂ اعظم تھے پہلے آپ اپنے دادا شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید ہوئے اُن کی وفات کے بعد بلخ میں چلے گئے اور وہاں شیخ نظام الدین کی خدمت میں رہ کر تکمیل پائی۔

مراۃ الاسرار اور سواطع الانوار (اقتباس انوار) کے مصنفین لکھتے ہیں کہ

ایک شخص درویشوں کے کمالات کا منکر تھا جس بزرگ کے پاس جاتا کہتا میں طالبِ خدا ہوں محنت ریاضت میں نہیں کر سکتا مجھے کوئی ایسا بزرگ چاہیئے جو اپنی ایک نگاہ سے سب کچھ سکھا دے۔ وہ مختلف بزرگوں سے ہوتا ہوا شیخ ابوسعید چشتی کے پاس آیا آپ کے ہاتھ میں اُس وقت ایک ڈنڈا تھا۔ آپ نے فرمایا آ تجھے میں اِس ڈنڈے سے خدا تک پہنچاتا ہوں یہ کہہ کر آپ نے ایک ڈنڈا اس کے سر پہ مارا عالم ملکوت اُس پہ ظاہر ہو گیا دوسرا مارا تو عالمِ جبروت ظاہر ہو گیا تیسرا مارا تو عالم شہود لاکیف منکشف ہو گیا بے ہوش ہو کر زمین پہ گر پڑا۔ تین دن تک پڑا رہا۔ ہوش میں آیا تو مرید ہو کر ریاضتیں اور مجاہدے کئے اور آپ کی تربیت میں رہا۔

سواطع الانوار میں لکھا ہے کہ شیخ ابوسعید کے بڑے خلفاء تھے۔ آپ نے ان سب کو تربیت دی اور پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اُن میں سے چند ایک کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ شیخ محمد صادق گنگوہی

۲۔ شیخ محمد ابراہیم سید پوری

۳۔ شیخ محب اللہ صدیقی صدر پوری دم ۔ ۱۰۵۸ ہجری)

۴۔ شیخ ابراہیم سہارنپوری

۵۔ شیخ خواجہ پانی پتی

مراۃ الاسرار میں آپ کی دفات سنہ ۱۰۴۹ ہجری لکھی ہے۔ آپ کا مزار گوہر بار گنگوہ میں ہے۔

چو آخر بحکم قضا رفت بجنت
نہ دنیا بدار بقا بو سعید

ندا شد ز دل سال تاریخ او
کہ مخدوم اہل صفا بو سعید
۱۰۴۹ھ

آپ حضرت پیر کبار کی اولاد سے تھے
شیخ الہ داد و ٹوزی قدس سرہٗ: بڑے متوکل اور متورع بزرگ تھے اپنے حجرہ میں معتکف رہا کرتے تھے۔ اور غم و شادی پر بھی باہر نہ آتے تھے۔ جب آپ کو نفس مجبور کرتا کہ حجرے سے باہر آئیں تو اندر ہی اندر دیوار بنانا شروع کر دیتے پھر تھک جاتے تو دیوار گرا دیتے اور پھر حجرے میں ہی عبادت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ حضرت اخوند سید شوربانی آپ کی بے پناہ عزت کرتے تھے کہتے ہیں ایک بار آپ نے دعا کی "اے اللہ تو نے مجھے کثیر الاولاد بنایا ہے۔ ان میں بعض نیک ہیں اور بعض بُرے ہیں۔ میری استدعا ہے کہ تمام کو بخش دے غیب سے ہاتف نے آواز دی کہ ایک سخت کمان اٹھاؤ۔ اور اس پر ایک تیر رکھ کر دور پھینکو۔ جہاں تک تیر جائے گا۔ قدم قدم پر تمہیں اولاد دوں گا۔ آپ نے تیر پھینکا تو چار قدم پر جا پڑا۔ آپ نے سمجھ لیا کہ میری اولاد چار پشتوں تک رہے گی۔ جنہیں اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ آپ ۱۰۴۹ھ کو فوت ہوئے مزار قصور میں ہے۔ لوگ آپ کے مزار کے علاوہ آپ حجرے کا طواف کرتے ہیں تو مرادیں پاتے ہیں۔

رفت از دنیا بقصر دس بریں
چوں الہ داد آں ولی اہل جاہ
کن رقم صدیق مجذوب عزیز
۱۰۴۹ھ
بہر سالِ انتقالش خواہ مخواہ

ملک محمد جانسی قدس سرہٗ:- آپ کو شیخ محمد جانسی بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کا لقب محقق ہندی تھا۔ آپ شیخ اللہ داد قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ آپ کے کلام میں اپنے پیر و مرشد کی بڑی تعریف کی گئی ہے آپ کو اکبر بادشاہ کے دربار میں لایا گیا تو اس وقت آپ کو زلپشت دکبڑے، ہو چکے تھے۔ بادشاہ آپ کی شکل وصورت دیکھ کر ہنس پڑا۔ آپ نے فرمایا۔ بادشاہ حضور آپ چھوٹے پر ہنس رہے ہیں یا بڑے پر یہ تو سب اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ بادشاہ اس بات سے متنبہ ہو گیا۔ اور آپ کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ آپ نے ہندی زبان میں بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ جن میں سے پدماوت۔ کتھاوت اکبروتی۔ کہرانامہ۔ پوشی نامہ۔ ہولی نامہ۔ بڑی مشہور ہوئیں تھیں۔ کہتے ہیں۔ کہ آپ شیخ اللہ داد کے زیر تربیت رہ کر بڑے بلند مقامات پر فائز ہوئے تھے۔ ۱۰۴۹ھ میں فوت ہوئے۔ صاحب معارج الولایت نے لکھا ہے کہ آپ اکبر بادشاہ کے آخری سال اقتدار تک زندہ تھے۔

محمد چوں ز دنیا نزد حق رفت
بسال رحلت آں شاہ عالی
یکے فضل کمال اولیا خواں
دگر فرما محمد شیخ والی
۱۰۴۹ھ

۱۰۴۹ھ

مخدوم شیخ عبدالرشید جونپوری قدس سرہٗ:- آپ کا پہلا نام محمد رشید تھا اپنے مراسلات اور مکتوبات میں یہی نام لکھا کرتے تھے۔ لقب شمس الدین۔ فیاض اور دیوان تھا اپنے والد شیخ مصطفیٰ عبدالحمید خان کے مرید تھے۔ آپ کے والد شیخ محمد بن شیخ

نظام الدین انبھٹیوی کے مرید تھے جو شیخ حضروت جونپوری کے مرید تھے۔ وہ شیخ الله داد شارح کافیہ کے مرید تھے اور وہ راجی حامد شاہ اور وہ شیخ حسام الدین قدس سرہم کے مرید تھے آپ کو شیخ طبیب سے خلافت ملی تھی۔ اسی طرح آپ کو دوسرے لوگوں سے بھی فیض ملا تھا۔ آپ وقت کے کاملین اور بلند مرتبت مشائخ میں سے تھے۔ ابتدائی زندگی میں درس وتدریس میں مصروف رہے مگر آخری عمر میں تمام کو ترک کر کے بڑی بڑی بلند پایہ کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔ عربی کتابیں خاص طور پر پڑھتے تھے حضرت شیخ محی الدین کی کتاب اسرار المخلوفات پر زبردست شرح لکھی۔ ذکر بالجہر کرتے۔ سماع کی مجالس میں غلو کی حد تک شرکت کرتے تھے علم مناظرہ کی مشہور کتاب رشیدیہ۔ زاد السالکین۔ مقصود الطالبین اور ایک دیوان آپ کی یادگاریں ہیں۔ اشعار میں شمسی تخلص تھا۔ شیخ عبدالرشید قدس سرہ ۱۰۵۵ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

چوں رشید آں مرشد اہلِ رشاد
یا ہزاراں رشد در حقیقت رسید
افضل الاقطاب گو تاریخ او
نیز قطب الاولیا عارف رشید

میر سیّد احمد گیسو دراز قدس سرہٗ:۔ آپ سید محمد کے بیٹے بھی تھے اور مرید بھی۔ ظاہری اور باطنی علوم میں جامع تھے سکر و جذبہ۔ حقائق۔ معارف۔ عشق و محبت سماع و وجد کے رسیا تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے مالک تھے۔ ہندی اور فارسی میں اشعار کہا کرتے تھے۔ منکرین اسلام سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔ مسائل توحید پر گفتگو کرتے شیخ محی الدین ابن عربی کے خیالات کو اعلانیہ بیان فرمایا کرتے تھے فرض نماز پڑھنے کے بعد نو بار کلمہ لا الٰہ کا ورد

کرتے آپ شاہ جہاں پور کے نقشبندی اور مجددیوں سے مسئلہ توحید وسماع پر مناظرہ کرتے تھے وہ آپ سے ناراض تھے۔ آپ کے ساتھ جو بھی مناظرہ کرتا تو آپ فرماتے تم نقشبندی تو نہیں ہو۔ چونکہ آپ کو بزرگان چشت سے خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ ہر وقت اس سلسلہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے خصوصاً حضرت خواجہ گیسو دراز سے بڑی محبت رکھتے تھے آپ نے عربی میں ایک کتاب لکھی جو اسمائے حسنہ کی شرح تھی۔ اس کا نام جوامع الکلم رکھا تھا۔ اس میں آپ نے بڑے حقائق و معارف بیان فرمائے ہیں آپ کے گیسو بھی اپنے مخدوم اور ممدوح حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کی محبت اور اتباع میں تھے۔ آپ نے ایک اور کتاب فارسی میں لکھی تھی۔ جس کا نام مشاہدات تھا

آپ ۱۰۵۸ھ میں فوت ہوئے تھے۔

از جہاں چوں نورِ چشم احمدی
رفت در بزم محمد یافت جا
رحلتش فیاض حق مہدی بخواں
ہم بخواں احمد شفیع مقتدا

شیخ محمد صادق بن شیخ فتح اللہ گنگوہی قدس سرہما:- آپ حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی کے برادر زادہ بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ وجد وسماع ذوق شوق میں کمال رکھتے تھے مریدوں کی تکمیل و تربیت میں بڑا کام کیا تھا۔ آپ کی کرامات اور خوارق زمانہ میں مشہور ہو گئیں تھیں۔

ایک بار آپ سہارنپور شہر کے بازار میں جا رہے تھے۔ آپ کی نگاہ ایک مالدار اور دولت مند ہندو دکاندار پر پڑی۔ اس ہندو کے دل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی۔ دکان سے اٹھا۔ شیخ کا دامن پکڑ لیا۔ مسلمان ہو گیا۔ مرید ہو گیا۔ آپ نے اس

کا نام عبدالسلام رکھا۔ ذکرِ حق کی تلقین کی اور کاملان وقت سے بنا دیا۔

صاحب سواطع الانوار (اقتباس الانوار) نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت سفر کے دوران جگنا تھ کے مقام پر پہنچے۔ بازار میں ایک پتھر کے بت کو نصب دیکھا جسے ہندو پوجا کر رہے تھے۔ آپ بھی کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ بت نے کہا: "انا المَعبُود لا تعبد سوائی"، میں تمہارا معبود ہوں میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ حضرت شیخ اگرچہ اس وقت مغلوب الحال تھے مگر آپ نے قبلہ رو ہو کر سجدہ کیا اور بت کو نظر انداز کر دیا۔ ہندو اس بت کو سجدہ کرتے رہے پھر آواز آئی فاَین ما تولّوا فثَمّ وجہ اللہ۔ جس طرف بھی سجدہ کرو گے۔ ہر طرف اللہ کو پاؤ گے۔" حضرت شیخ نے جواب دیا تم سچ کہتے ہو۔ لیکن ہمارے محبوب مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایمان کے باوجود کہ اللہ ہر طرف موجود ہے کعبۃ اللہ کو سجدہ کا قرار دیا ہے۔ میں آپ کے احکام کی نافرمانی کیسے کر سکتا ہوں۔ بت نے یہ بات سنی تو خواجہ محمد صادق کی تعریف کی۔ اور کہا تم سچے ہو۔ بت کے منہ سے آپ کی سچائی سن کر بہت سے ہندو مسلمان ہو گئے۔

آپ کا ایک مرید عبدالحق نامی تھا۔ اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی آپ اس کے باغ میں سیر کرنے گئے ان دنوں باغ میں آموں کے درختوں پر پھل موجود تھا آپ نے عبدالحق کو فرمایا۔ ہمارے آم لاؤ۔ ان دنوں آموں کا آخری موسم تھا۔ عبدالحق کئی درختوں پر چڑھ کر آپ کے لئے بڑی مشکل سے سات آم لایا اور پیش کئے چھ تو ان میں سالم تھے مگر ایک ناقص تھا۔ آپ نے کھا کر فرمایا۔ تمہیں اللہ تعالیٰ سات لڑکے دے گا۔ ان میں سے ایک ناقص اور بیمار ہو گا۔ چنانچہ اس کے چھ لڑکے تندرست، توانا ہوئے اور ایک معذور تھا۔ وہ گیارہ سال کا ہو گیا تو گونگا تھا۔ حضرت شیخ کو ایک بار شیخ عبدالحق کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے علاقہ کے

لوگوں نے آپ کی خدمت میں بہت ساری مٹھائی پیش کی۔حضرت نے مٹھائی تمام حاضرین میں تقسیم کردی عبدالحق کے بیٹے بھی مٹھائی لینے آئے مگر انہوں نے اپنے گونگے بھائی سے اس کا حصہ زبردستی چھین لیا۔اس نے فریاد کی آپ نے فرمایا اس بچے کو میرے پاس لاؤ۔وہ خود واقعہ بیان کرے وہ آیا۔حضرت نے آب لعب دہن اس کے منہ میں ڈالا وہ اسی وقت باتیں کرنے لگا

آپ کی وفات ۱۸ محرم ۱۰۵۷ھ میں ہوئی تھی۔آپ کا مزار گنگوہ میں ہے آپ کے بہت سے خلفاء تھے۔مگر ہم چند ایک کے اسمائے گرامی یہاں لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ داود (آپ کے بیٹے بھی تھے)

۲۔ شیخ محمد گنگوہی (آپ کے دوسرے بیٹے)

۳۔ شیخ ابراہیم مراد آبادی

۴۔ شیخ عبدالسبحان سہارنپوری

۵۔ شیخ عبدالجلیل الہ آبادی

۶۔ شیخ جمال کاچھوہ

۷۔ شیخ مبارک

۸۔ شیخ یوسف کابلی۔قدس سرہم۔

رفت صادق چوں ز دار حیات
سال ترحیلش بصد صدق ویقین
وارث دین محمد صادق است
بار دیگر صادق جنت نشین [1]

---

[1]: صاحب اقتباس الانوار نے آپ کے حالات ومقامات کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔آپ کے احوال اور کرامات کی تفصیل دی ہے۔پھر آپ کی روحانی تربیت اور اسلام خلق کے معاملات کو قلمبند کیا ہے آپکے خلفاء کا تفصیلی تذکرہ اسی کتاب میں ملتا ہے آپ کے انتقال اور خصوصی مجاہدات کا ذکر بھی کیا گیا ہے

شیخ عبدالخالق لاہوری قدس سرہٗ:- آپ شیخ جان اللہ لاہوری کے خلیفہ تھے۔ فقر و تجرید میں بلند مقامات کے مالک تھے وجد و سماع میں بڑا اضطراب پایا تھا جس پر نگاہ ڈالتے بے خود کر دیتے۔ آپ کا لنگر محتاجوں اور مساکین پر ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ آپ کی خدمت میں بے پناہ لوگ آتے اور راہ ہدایت پاتے تھے آپ ۱۲ رجب المرجب ۱۰۵۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔ آپ کی خانقاہ میدان زین خان میں ہے۔

چو عبد خالق زدار فنا
مکان کرد در دار خلد بریں
وصالش بگو فیض حقانی ست
دگر عبد خالق امام یقین

۱۰۵۹ھ

شیخ عارف چشتی لاہوری قدس سرہٗ:- آپ شیخ اسحاق بن کاکو چشتی کے مرید اور خلیفہ تھے لوگ آپ کو میاں عارف کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ نے شاہجہان کے زمانہ اقتدار میں اپنی مشیخیت کا علم بلند کیا۔ بڑے مرید تھے۔ ہر مہینے کے آخری ہفتہ میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے اور دس دن تک آپ کے حجرے کا دروازہ بند رہتا تھا جس دن حجرے سے برآمد ہوتے عام و خواص کو حجرے کے دروازے سے ہٹا دیا جاتا۔ اگر کوئی حجرے کے دروازے پر بیٹھا رہتا تو جس پر آپ کی نگاہِ جلال پڑ جاتی تین دن تک بے ہوش رہتا تھا۔ جس دن حجرے سے نکلتے سارا دن تنہا گزارتے تھے اور کسی کو پاس آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ مجلس سماع میں بیٹھتے تو بڑے تڑپتے بعض اوقات خدشہ ہوتا کہ آپ ختم ہو گئے ہیں آخر کار اعتکاف میں ہی واصل

بحق ہوئے آپ ۱۰۶۴ھ میں لاہور میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار حضرت طاہر بندگی مجددی کے احاطہ میں میانی کے قبرستان میں ہے۔

چوں جناب عارف چشتی ولی
سوئے جنت شد ازیں عالم رواں
سال وصلش گو فرید حق پرست
بار دیگر عارف چشتی بخواں

شیخ اسماعیل چشتی اکبرآبادی قدس سرہ:۔ آپ اکبرآباد کے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے ظاہری و باطنی علوم میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کے پاس طالب عقبیٰ بھی آتے اور طالب دنیا بھی۔ دونوں فیض یاب ہوتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ دنیادار کا کام کردو اسکے۔ دل میں درویشوں سے محبت پیدا ہوگی۔ طالب حق کا بھی کام کرو اس کے دل میں خدا کی محبت جاگزین ہوگی۔ چونکہ آپ دین و دنیا کے دونوں قسم کے لوگوں کی حاجات پوری کرتے تھے۔ آپ کے دروازے پہ لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ مجالس سماع میں بڑا حصہ لیتے تھے۔ مخبر الواصلین نے آپ کا سال وصال ۱۰۴۴ھ لکھاہے۔ مزار اکبرآباد میں ہے۔

خلیل دہر اسماعیل ثانی
بہشتی شد چو آں نیکو سرشتے
بتاریخ وصالش گفت سرور
ولی الدین اسماعیل چشتی
۱۰۴۴ھ

سعید خان میانہ چشتی قدس سرہٗ:۔ آپ بڑے صاحب حال و ذوق بزرگ تھے۔ شیخ نظام الدین نارنولی

کے مرید تھے بعض تذکرہ میں آپ کو شاہ اعلیٰ پانی پتی کا خلیفہ لکھا ہے۔ کلام کرتے تو صحرائی جانور بھی متاثر ہوتے۔ آپ کی محفل سماع میں اُڑتے پرندے گرتے تھے اور حاضرین مرغ بسمل کی طرح تڑپتے تھے۔ ایک دن حضرت ایک درخت کے نیچے سماع کر رہے تھے۔ درخت پر ایک فاختہ بیٹھی تھی زمین پر گری اور تڑپنے لگی۔ ایک شخص اٹھا اس نے اس تڑپتی ہوئی فاختہ کو پکڑا۔ اور ذبح کر کے لے گیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو بڑے ناراض ہوئے وہ شخص دیوانہ ہو گیا۔ اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کے جرم میں خود پھانسی پر چڑھا۔ شیخ سعید خان ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوئے۔

باسعادت شد چو در خلد بریں
شیخ اسعد ہادی رہبر سعید
قلزم فیض است سال وصل او
ہم معلیٰ متقی اکبر سعید

۱۰۶۷ھ

شیخ بھوگی افغان قدس سرہٗ۔ معارج الولایت نے آپ کو مرد کامل لکھا ہے آپ شیخ کیارہ کے روحانی تربیت یافتہ تھے۔ سماع میں غلو کرتے تھے۔ سماع کرتے تو کئی کئی دن سماع میں رہتے ایک دن مجلس سماع میں تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ رات ختم ہو۔ صبح قریب آتی تو آسمان کی طرف اشارہ کرتے پھر رات چھا جاتی۔ لوگ حیران تھے۔ آج کیا بات ہے لوگ گھبرا کر شیخ بھاگو جو آپ کے ہم عصر تھے گئے۔ آپ نے فرمایا۔ فکر نہ کرو۔ آج شیخ بھوگی کی مجلس سماع بر پا ہے رات لمبی ہو گی۔ آخر حضرت نے سماع ختم کیا تو صبح نمودار ہوئی۔

جن دنوں آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ لوگوں کو اپنے قریب سے ہٹا دیا۔

فرمایا جب تک مجھے حضور سید الانبیاء کی زیارت نہیں ہو گی میں اپنی جان نہیں دوں گا۔ تم لوگ دور رہو۔ زیارت کی تاب نہیں لاسکو گے۔ فرمایا وفات کے پہلے چھت میں ایک بڑا شگاف ہو گا۔ جہاں سے حضور تشریف لائیں گے۔ دروازہ کھلا۔ تو واقعی چھت میں شگاف تھا۔

شیخ بھوگی ۱۰۶۹ھ کو فوت ہوئے مزار قصور میں ہے۔

چو شیخ جہاں پیر بھوگی ولی
شدہ از جہاں سوئے جنت رواں
شود سال ترحیل تاریخ او
آستانہ عشق بھوگی عیاں
۱۰۶۹ھ

شیخ محمد عارف چشتی صابری لاہوری قدس سرہٗ:- آپ شیخ عبد الخالق چشتی لاہوری کے نامور خلیفہ تھے آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا وہی ہو جاتا۔ ایک دن اپنی خانقاہ میں محفلِ سماع میں بیٹھے ہوئے تھے کہ قوالوں نے یہ شعر پڑھا۔

آں مسیحائے کہ جان در دست اوست
میدہد جان گر بمیرم چند بار

(وہ مسیحا جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں ہزار بار بھی مرجاؤں تو وہ میری جاں لوٹا دے گا) شیخ نے یہ شعر سنا تو وجد میں آگئے ناگاہ ایک شخص اپنے بیمار بیٹے کو جو موت کے کنارے پر پہنچا ہوا تھا چار پائی پر ڈالے ہوئے مجلس میں لے آیا اور دعا کے لئے التجا کی۔ شیخ اٹھے یہی شعر پڑھا اور بیمار پر ہاتھ پھیرا وہ اسی وقت شفایاب ہو گیا۔

شیخ حارث ہفتم ماہ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ ہجری میں فوت ہوئے آپ کا مزار لاہور میں ہے۔

شیخ عارف اہل کمال
شد چو از دنیا بخلد جاوداں
رحلتش عارف ثریا جاہ گو
ہم بخواں عارف شہنشاہ جہاں

۱۰۷۱ھ

مولانا عبدالکریم پشاوری قدس سرہٗ آپ حضرت مولانا درویزہ کے بیٹے تھے اور میر سید علی غواص کے خلیفہ تھے آپ کو ظاہری اور باطنی تربیت اپنے والد بزرگوار سے ملی۔ انہیں بعض لوگ اخوند کریم داد کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے اشعار میں یہی نام استعمال کیا وہ صاحبِ شریعت طریقت اور حقیقت بزرگ تھے آپ کا کلام مخزن الاسلام کے آخری حصے میں ملتا ہے خلاصۃ الجر میں آپ کو محقق افغانستان لکھا گیا ہے۔ کہتے ہیں جب مولانا نے کتاب مخزن الاسلام مکمل کی تو رات کے وقت سفید کاغذ کا ایک دستہ اپنے حجرے مبارک میں لے جاتے اور چراغ روشن کئے بغیر لکھتے جاتے صبح اپنے دوستوں کو دیتے اور اس طرح تمام مخزن الاسلام مکمل کر دی۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے مولانا سے پوچھا کہ غوث کسے کہتے ہیں اور اُس کی کیا تعریف ہے آپ نے فرمایا جب غوث فوت ہوتا ہے تو جو شخص بھی اُس کے چہرے پہ نظر ڈالتا ہے تو وہ مسکراتے نظر آتے ہیں آپ کی وفات کا جب وقت آیا تو وہ شخص امتحان کے لئے آپ کے پاس گیا۔ اور آپ کے چہرے کو دیکھا تو آپ مسکراتے ہوئے دکھائی دیئے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی وہ

بات کرنے لگے ہیں وہ شخص اپنے خیالات سے تائب ہوا اور کہا بس مجھے اِس سے زیادہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ایک بار مولانا عبدالکریم نے اپنے باپ سے کہا کہ جس دن آپ میری والدہ سے نکاح کر کے اپنے گھر لائے تھے تو کیا راستے میں نکاح سے پہلے آپ نے دست اندازی کرنے کی کوشش کی تھی اور فلاں درخت کے تنے سے آواز آئی کہ ابھی تک یہ عورت تمہارے لئے نامحرم ہے۔ نکاح سے پہلے دست اندازی کرنا درست نہیں بلکہ اِسے چھُونا بھی حرام ہے یہ آواز میری تھی۔

مولانا عبدالکریم ۱۰۷۲ھ ہجری میں فوت ہوئے آپ کا مزار یوسف زئی علاقے میں ہے

چون کریم واکرم اہل کرم
باکرامت گشت در جنت مقیم
اہل خلوت سال وصلش ہست ونیز
والی عرفان کریم ابن الکریم
۱۰۷۲ھ

شیخ پنجو پشاوری قدس سرہٗ:- آپ قوم کے گجر تھے اور وقت کے کامل مشائخ میں سے تھے۔ عبادت میں مشغول رہتے تھے چشتیہ سلسلے میں سرگرم رہے آپ کا طریقہ مولانا درویزہ پشاوری کا طریقہ تھا۔ آپ مخزن الاسلام کتاب کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ لوگوں کو بھی اس کو پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ اگرچہ پشتو میں بات کرتے تھے لیکن شعر فارسی میں کہتے تھے کبھی کبھی ہندی زبان میں بھی گفتگو کرتے۔ آپ کے مریدوں میں مولانا چلاک میانا شیخو شاہ جہاں پوری اور شیخ علی بڑے مشہور ہوئے۔ آپ کی مجلس میں جو بھی پہنچ جاتا

دینی علوم میں ماہر ہو جاتا۔ آپ ۱۰۷۳ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پشاور میں ہے۔

چو پنجو رستم سرپنجہ عشق
ز دنیا گشت در ذات خدا طاق
وصالش عارف اخلاص گفتم
دگر کرم ارقسم فیاض آفاق
۱۰۷۳ھ

شیخ پیر محمد سلون قدس سرہٗ: آپ ظاہری اور باطنی علوم میں کامل تھے آپ شیخ عبدالکریم کے مرید تھے۔ آپ کے اکثر مرید صاحبِ علم فضل اور ریاضتوں مجاہدہ میں کامل ہوئے ہیں۔ آپ کے زمانے میں پیر محمد یکنوی بھی تھے وہاں کے لوگ جن میں علماء و فضلا بھی تھے۔ شیخ پیر محمد یکنوی سے نفرت کرتے تھے اور ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حتیٰ کہ شیخ پیر محمد یکنوی مجرد اور اکیلے تھے اور لباسِ فقر پہنا کرتے تھے۔ دوسری طرف پیر محمد سلون شادی شدہ اور عیال دار تھے اور مشائخ کا لباس پہنتے تھے۔ اخبار الاولیاء کے مصنف نے آپ کی بڑی کرامتیں نقل کیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ شیخ پیر محمد اپنی شکل وصورت میں اللہ کی ایک نشانی تھے وہ جس صورت میں چاہتے اپنی صورت بنا لیتے۔ ہندی اور فارسی میں شعر کہا کرتے تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۷۴ھ میں ہوئی۔

واصل وصل محمد پیر دین
یافت از حق دولت وصلت بدست
رحلتش گو عارف جنت کریم
ہم بخوان پیر محمد حق پرست
۱۰۷۴ھ

شیخ یحییٰ گجراتی قدس سرہٗ:- آپ خاندان چشت میں بڑے بابرکت اور باعظمت بزرگ تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا کا سلسلہ قطب المشائخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ سے ملتا تھا زہد و ریاضت میں بڑی کوشش کرتے کئی بار حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آخر کار حضور نبی کریم کے حکم پر مدینہ پاک میں سکونت اختیار کرلی۔ حرمین الشریفین کے مشائخ اور علماء نے آپ کی مشیخیت کا اعتراف کرلیا۔ اگرچہ سارے عرب میں خواجہ فضیل بن ایاز۔ سلطان ابراہیم ادھم اور خواجہ عثمان ہارونی کی سلسلہ چشت میں بڑی شہرت تھی۔ لیکن حرمین شریفین میں آپ کے آنے پر سلسلۂ چشتیہ میں از سرے نو تازہ رونق آگئی۔ شیخ یحییٰ ۱۰۷۵ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار مدینہ پاک میں ہے۔

یافت در جنت حیات دایمی
چونکہ یحییٰ زندہ دل پیر ہدا
بود عشق حق سراپا ذات او
ارتحالش شد عیانِ عشق خدا

۱۰۷۵ھ

شیخ جنید موہانی چشتی قدس سرہٗ:- آپ ثانی جنید بغدادی تھے شریعت وطریقت میں یکساں کامل تھے۔ موہان میں کافی عرصہ سکونت کی۔ پھر سندیل میں چلے آئے۔ موہان کے قیام کے دوران رات کو دریا پر چلے جاتے اور ذکر بالجہر کرتے تھے۔ نیند آئی تو پانی میں کھڑے ہو جاتے اور ذکر جلی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ذکر جلی پورا ہوتا تو ذکر خفی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ دن کے وقت جنگل میں چلے جاتے۔ لکڑیاں جمع کرتے بازار میں لاکر بیچتے۔ اور اسی سے گزر اوقات کرتے تھے جو بچ جاتا فقراء میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔ مجالس سماع میں

شرکت کرتے۔ آپ کے اشعار بزبان فارسی۔ ہندی اور عربی میں ملتے ہیں۔ جن میں فصاحت و بلاغت ہوتی۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام بوطیق ہے یہ آپ کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ آپ نے اس کی شرح بھی لکھی ہے یہ فقہی مسائل پر بڑی دلچسپ کتاب ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۷۸ھ میں ہوئی۔ مزار پرانوار مستدیلہ میں ہے۔

شیخ عالم جنید وقت وجنید
شُد چو شبلی بوئے خلد برین
خواجہ جنتی بگو سالش
ہم بقدر ما جنید شیخ امین

شیخ حبیب جعفری قدس سرہٗ:۔ آپ بنگال کے رہنے والے تھے۔ شیخ محمد حالیہ سے بیعت تھے۔ بڑے صاحب عظمت و شہامت بزرگ تھے پہلے قصبہ حالیہ میں رہتے تھے۔ پھر بجنیر چلے آئے۔ تیس سال تک ضرورت کے بغیر اپنے حجرۂ عبادت سے باہر نہیں نکلے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے لوگوں سے نذر لانے قبول نہیں کرتے تھے۔ ذکر اسم ذات میں مشغول رہتے تھے آپ کی کشف و کرامات بہت ہیں۔ چنانچہ صاحب معارج الولایت لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت شیخ نے میرے بھائی عبدالستار کو فرمایا کہ تمہارا بھائی فلاں فلاں تاریخ کو فلاں فلاں منصب پر فائز ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک دن ایک سپاہی کو فرمانے لگے کہ تم عنقریب شاہ عالم بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر نوکری کرو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کی وفات ۱۰۷۹ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار اورنگ آباد میں ہے

چوں محب خدا حبیب زمن
شد بجنت بسال رحلت آں

متقی شاہ اکبر است بگو
نیز اعظم ولی حبیب بخواں

شیخ پیر محمد لکھنوی قدس سرہٗ: آپ بڑے کامل اور مکمل درویش تھے حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ کا اصلی وطن تو جونپور تھا۔ مگر آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف شہروں میں قیام کیا، ایک عرصہ تک دہلی رہے اور وہاں ہی پڑھتے رہے وہاں سے قنوج آئے۔ اور وہاں کے علماء کرام سے بعض کتابیں پڑھیں۔ وہاں سے لکھنو چلے گئے۔ اور سید عبدالقادر لکھنوی سے چند کتابیں پڑھیں۔ وہاں سے ہی جذب الٰہی دامن گیر ہوا، ان دنوں ایک چشتی بزرگ شاہ عبداللہ سیاح کوہ بستان میں سکونت پذیر تھے۔ آپ نے ساری اسلامی دنیا کی سیر کی تھی۔ آپ انہی کے مرید ہو گئے خاندان چشتیہ سے خاص فیض ملا۔ آپ کو دوسرے سلسلوں میں بھی بعیت کا شرف ملا تھا۔ تدریس و تعلیم میں مشغول رہے۔ مخلوق خدا کو ہدایت کرتے رہے۔ لکھنو میں آپ کو مرشد گرامی نے حکم دیا کہ دریائے گومتی کے کنارے جا کر ریاضت کریں وہاں آپ ایک طرف لوگوں کو روحانی تربیت دیتے دوسری طرف طلبار کو کتابیں پڑھاتے تھے آپ پر فتوحات کے دروازے کھل گئے جو نذرانے آتے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے صرف ایک دن کی روزی اپنے پاس رکھتے تھے اگر اپنے پاس کھانا نہ ہوتا۔ بازار سے منگوا کر مہمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ سماع سے بڑی رغبت تھی۔ چند قوال ہر وقت آپ کی خانقاہ پر رہتے۔ جو کچھ آتا اس سے چوتھا حصہ قوالوں کو دے دیتے تھے لکھنو کے علمار فقرار کو بھی ان فتوحات سے مدد کرتے رہتے تھے۔ دریائے گومتی کے پار جانے کے لئے کشتی پر سوار ہوتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی حوصلہ دے کر ساتھ لے لیتے۔ مگر کسی کا پاؤں تک بھی تر نہ ہوتا۔

معارج الولایت کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں بنگال سے ہوتا ہوا لکھنؤ پہنچا تو شیخ پیر محمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ پر بڑی شفقت اور محبت فرمائی آپ نے میری کتاب بحر الفرات شرح دیوان حافظ ملاحظہ فرمائی۔ تو بڑی پسند کی فرمانے لگے۔ یہ تو ایک بحر بے کراں ہے کئی ماہ تک مطالعہ میں رکھی۔ مجھے بعض اشغال کی اجازت بھی دی اور تبرکاً ایک خرقہ بھی عنایت فرمایا۔ بعض ادعیہ ماتورہ چہل اسم حرز ایمانی پڑھنے کو دیں۔ آپ بڑے صاحب تصانیف تھے شرح ہدایہ سراج حکمت آپ نے ہی لکھی تھی فقہ میں ایک فتاویٰ لکھا تصوف میں مکتوبات اور اربع منازل لکھیں اسی طرح سلوک میں آپ کی بہت سی کتابیں ملتی ہیں۔

شیخ پیر محمد ۱۰۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لکھنؤ میں ہے

محمد پیر در بزم محمد

چو شد تاریخ آں سردار آفاق

بگو شیخ یقین و شیخ حق ہیں

سفر شاہ محمد پیر عشاق

شیخ محمد صدیق چشتی لاہوری :- آپ لاہور میں بلند پایہ چشتی بزرگ ہوئے ہیں علوم شریعت و طریقت میں وحید و فرید تھے۔ سارا دن طلبا کی تدریس میں مصروف رہتے تھے شام کے بعد طالبات حق کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ پنجاب بھر سے آپ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوتے اور دینی و دنیاوی امور حل کراتے تھے سماع اور وجد کے دوران آپ جس پر نظر ڈالتے اسے تارک الدنیا بنا دیتے تھے۔ آپ کو محمد عارف لاہوری سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ اور لاہور میں ہی قیام پذیر رہے آپ آٹھ ماہ ذی الحجہ ۱۰۸۴ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کا مزار بھی زین خان کے میدان میں ہے۔

زدنیا رفت در خلد معلیٰ
چو صدیق آں ولی راہ تحقیق
رقم شد شیخ قدسی سال تاریخ
۱۰۸۴ھ
بدیگر بار شمع عشق صدیق
۱۰۸۴ھ

شیخ محمد داؤد بن محمد صادق گنگوہی قدس سرہٗ: آپ بڑے باہمت اور قوی الحال بزرگ تھے کمالات ولایت بچپن سے ہی ظاہر اور ہویدا تھے۔ اقتباس الانوار کے مولف نے آپ کی بڑی کرامات لکھی ہیں اور بڑے مفصل حالات قلمبند کئے ہیں۔ ہم اسی کتاب سے چند سطریں درج کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ جناب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے سالانہ عرس پر ایک پروقار مجلس ترتیب دیا کرتے تھے۔ اس میں غربا اور مساکین کو بڑا عمدہ کھانا مہیا کرتے تھے۔ ایک بار عرس قریب آگیا۔ مگر آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اپنے خلیفہ شیخ سوندھا کو فرمایا کہ عرس غوث پاک کے لئے کسی دوست سے قرض لے لو خود یہ کہہ کر سو گئے۔ اٹھے تو دوبارہ شیخ سوندھا کو بلایا۔ اور فرمایا۔ عرس شریف کے لئے قرضہ نہ لینا حضرت غوث پاک امداد فرمائیں گے۔ آپ نے تمام اخراجات کی ذمہ داری لے لی ہے۔ میں سویا تھا کہ حضور کی روح پرفتوح تشریف لائی۔ مجھے گیارہ روپے نقد اور ایک اشرفی عطا فرمائی ہے اور حکم دیا ہے یہ عرس کے اخراجات پورے کر دو۔ میں اُٹھا تو یہ رقم میرے ہاتھ میں تھی۔

آپ کا ایک مرید چلہ میں بیٹھا۔ اس مکان میں کنار کا درخت تھا۔ اس مرید کو جب بھوک ستاتی تو کنار کے درخت کے پتے کھا لیتا۔ چلہ پورا ہوا تو کہنے لگا میں

نے چالیس دن کچھ نہیں کھایا۔ آپ نے فرمایا تم کنار کے پتے کھاتے رہے ہو اس نے انکار کیا تو آپ نے درخت کو مخاطب کیا اس نے جھک کر اپنی خالی ٹہنیاں پیش کر دیں تو حضور ان ٹہنیوں کے پتے کھاتے رہے ہیں۔

اورنگ زیب عالم گیر ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ بعض معاندین اور حاسدین نے بادشاہ کے حضور شکایت کی شیخ داود تو سماع سنتا ہے اور کئی قسم کی بدعات میں غرق رہتا ہے۔ شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ بادشاہ نے شیخ کی جواب طلبی کا فرمان جاری کر دیا۔ شیخ دہلی پہنچے۔ بادشاہ نے قاضی ملا قوی کو بلایا۔ یہ قاضی صوفیا کے خلاف بڑا متعصّب تھا۔ اس نے شیخ کے پاس آکر آپ سے مختلف سوالات کئے خصوصاً سماع پر سخت اعتراضات کئے آپ نے فرمایا۔ آپ نے حدیث میں پڑھا ہو گا السماع لاھلہ مباح (سماع کی اہلیت رکھنے والے کے لئے مباح ہے) میں سماع کے سننے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ اگر یہ مسئلہ قال کی بجائے حال کی کیفیت پر معلوم کرنا چاہتے ہیں تو میں یہ کہوں گا۔ کہ ان قوالوں کو کہو۔ جو کچھ انہیں آتا ہے سنائیں۔ قوالوں نے سنانا شروع کیا تو آپ نے ملا قوی کو کہا اے جاہل۔ میں خود صاحب شریعت اور احکام الہیہ کے نافذ کرنے والا ہوں مجھ سے سماع کے جواز کی دلیلیں طلب کرتے ہو۔ کہتے ہیں آپ نے جب ملا قوی کو جاہل کہا تو واقعی اس کے سینے سے تمام علوم سلب ہو گئے اور جاہل محض ہو گیا وہ کوئی بات کرنا چاہتا تھا۔ مگر زبان اس کا ساتھ نہیں دیتی تھی اس نے رونا شروع کر دیا اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ آپ کو اس پر ترس آگیا۔ فرمایا تم ان دنوں دربار شاہی میں ملک العلماء ہو۔ تم خواہ مخواہ درویشوں کو تنگ کرتے ہو اپنا معاملہ درست کر جاؤ تمہیں علوم سلسلہ لوٹا رہا ہوں۔ اس کے بعد ملا قوی آپ کا معتقد ہو گیا۔

حضرت شیخ کے وصال کا وقت قریب آیا۔ اپنے چھوٹے بھائی شیخ محمد کو فرمایا میرے لئے تابوت تیار کرو۔ کیونکہ آج تین راتیں ہو گئی ہیں مسلسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کر رہا ہوں۔ فرماتے ہیں۔ داؤد ہم تمہارے مشتاق ہیں۔ ہمارے پاس جلد آؤ۔ چنانچہ شیخ محمد نے تابوت تیار کرایا۔ پانچ ماہ رمضان المبارک ۱۰۹۵ھ کو افطاری کے بعد قوالوں کو بلایا مجلس سماع بپا کرائی ساری رات وجد میں رہے۔ صبح ہوئی تو حالت سماع میں ہی فوت ہو گئے۔ آپ کو قصبۂ گنگوہ میں دفن کر دیا گیا۔

شیخ سوندھا بن عبدالمومن۔ شیخ بلاقی کھتیلی۔ سید غریب اللہ کیرانوی۔ شیخ ابوالمعالی انبیھٹوی۔ سرور شیخ عبدالقادر سنوری آپ کے خلفاء میں سے تھے۔

چو داؤد شد از قضائے الہیہ
ازیں دہر در خلد جنت نشین
بگو شیخ داؤد حق بیں بسال
۱۰۹۵ھ
دگر یار داؤد شیخ یقین
۱۰۹۵ھ

حضرت شاہ ابوالمعالی چشتی صابری قدس سرہٗ: آپ ہندوستان کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور شیخ داؤد چشتی کے خلیفہ تھے۔ اگرچہ آپ کو شیخ محمد صادق گنگوہی سے تربیت ملی تھی۔ مگر آپ نے شیخ داؤد سے تکمیل پائی۔ اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ کے والد سیّد محمد اشرف سہارنپور کے قریب قصبہ امٹھ میں رہتے تھے جب اُن کی وفات ہوئی تو شاہ ابوالمعالی ابھی چھوٹے تھے۔ آپ کی والدہ آپ کو شیخ محمد صادق گنگوہی کی خدمت میں لے گئیں اور التجا کی

کہ آپ اس کی تربیت کریں۔ آپ نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا۔ اور ظاہری علوم مکمل کروائے۔ وفات کے وقت اُنہیں شیخ داؤد کے حوالے کر دیا۔ حضرت شیخ داؤد نے آپ کی تربیت بھی کی اور خرقۂ خلافت بھی دی۔

شاہ ابوالمعالی کا ایک ہمسایہ بھی تھا جو بڑا بد طینت اور بد خُو تھا۔ آپ سے حسد کرتا اور ہر وقت آپ کے خلاف ہی سوچتا رہتا۔ آپ کا نام حقارت سے لیتا اور طرح طرح کے دل آزار قدام کرتا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی کے مریدوں نے کئی بار آپ سے اجازت لی کہ اسے درست کریں مگر آپ نے کبھی اجازت نہ دی اور اُس سے بدلا لینے کی کبھی خواہش نہ کی۔ اتفاقاً وہ ہمسایہ مر گیا۔ آپ کو خود بڑا صدمہ ہوا کئی روز آپ ماتم اور گریہ کرتے رہے۔ کھانا بھی نہ کھاتے آپ کے خادم اور مریدوں نے اِس غم کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ عالم ناسوت میں انبیاء اور اولیاء کے اکثر دامن دنیا کے غبار سے ملوث ہوں گے اور یہ غبار بدگو اور بد خواہوں کی گالیوں کی وجہ سے دُور ہو گا۔ اب وہ شخص فوت ہو گیا ہے میرے دامن کے غبار کو رب تو دُور کرے گا۔ مجھے اسی بات کا غم اور صدمہ ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی جوانی میں اکثر یاد الٰہی میں غرق اور محو رہتے تھے۔ آپ کو دنیا اور مافیہا کی خبر نہ تھی۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ تین ماہ تک آپ نے کچھ نہ کھایا پیا۔ نماز کا وقت ہوتا تو آپ کے خادم آپ کو بڑی مشکل سے آگاہ کرتے وضو کرواتے اور مصلے پر کھڑا کر دیتے۔ یہ کیفیت آپ پر تین سال تک رہی۔ پھر جا کر دینی اور دنیاوی امور سے واقف ہوئے۔ مریدوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا اب فرض اور سُنتیں خود مثالی شکل میں میرے سامنے آ کر مجھے آگاہ ترتیب میں ادائیگی پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اب مجھے تمہاری طرف سے کسی آگاہی کی ضرورت نہیں۔

حضرت شاہ ابوالمعلی کے گھر میں اس قدر تنگ دستی اور بے سرو سامانی کا

دور دورہ تھا کہ کئی کئی دن فقر و فاقہ میں گزار دیتے۔ بعض خاص لوگوں میں آپ کے خلیفہ سید میران بھیکہ تک پہنچائی۔ انہوں نے یہ بات سن کر شاہ صاحب کے گھر گئے اور آپ کے غلہ دان میں ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ اس میں غلہ موجود ہے آپ نے فرمایا یہ غلہ قیامت تک کم نہیں ہو گا۔ اِسے نکالتے جاؤ اور پکاتے جاؤ حضرت شاہ ابوالمعالی نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ دو مہینے گزر گئے۔ گھر میں غلّے کی کمی کی شکایت آئی اس کی کیا وجہ ہے۔ گھر والوں نے صورتِ حال سنائی تو آپ نے غلہ دان منگوا کر اُسے اُلٹا کر دیا اور فرمایا کہ سید میران بھیکہ ہمارے توکل میں خلل ڈال دیتے ہیں۔

ایک دن قصبہ تھانیسر میں مشائخ کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ اس میں حضرت شاہ ابوالمعالی میران سید بھیکہ شیخ ابوالفتح۔ شیخ تو ندھا بوہری۔ شیخ بلاکی۔ شیخ محمد شاہ محمد شاہ۔ محمد یوسف۔ شیخ عبدالقدر ستوری۔ شاہ نصیرالدین کھڑی والا۔ اور سید عزیب کیرانوی جیسے بزرگ موجود تھے۔ اس مجلس میں کلمہ طیبہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی نے فرمایا کہ جن لوگوں نے اِس کلمے کو دل کی گہرائیوں سے پڑھا ہے اگر وہ لفظ لا پڑھ کر کسی جاندار کے کان میں پھونک دیں تو وہ مر جائے گا۔ اور اگر اِلا اللہ پڑھ کر پھونک ماریں تو وہ پھر زندہ ہو جائے گا۔ حاضرین مجلس میں اِس بات کا امتحان لینے کے لئے حضرت شاہ کی خدمت میں التماس کی کہ ہمیں آپ ایسا کر دکھائیے۔ آپ اٹھے تو اپنے گھر کے صحن میں جو گائے کھڑی تھی اس کے کان میں لا، کا لفظ کہا وہ اُسی وقت گر پڑی اور تڑپ کر مر گئی۔ جب سب لوگوں نے دیکھا کہ وہ ٹھنڈی ہو گئی ہے تو آپ نے اُس کے دوسرے کان میں اِلا اللہ کہا تو وہ زندہ ہو کر اٹھی اور سب کے سامنے گھاس چرنا شروع کر دیا۔

شاہ ابوالمعالی کی وفات ۱۱۸۶ھ میں ہوئی صاحبِ شجرہ چشتیہ نے آپ کا سالِ

وفات شہنشاہ مجتبیٰ سے نکالا ہے۔

رفت از دنیا چو درخلد بریں
پیر رہبر ابو المعالی اہل فیض
سال وصل اوست تاج الیتا رکین
بار دیگر بو المعالی اہل فیض ۱۱۱۶ھ

۱۱۱۶ھ

شیخ عبدالرشید جالندھری قدس سرہ: آپ جالندھر شہر کے سادات میں سے تھے۔ والد کا نام سید اشرف تھا۔ آپ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کو تلاشِ حق کی لگن لگ گئی۔ ظاہری علوم پڑھنے کے بعد اپنے وطن سے نکلے اور مختلف شہروں کی سیر کرتے حضرت شاہ ابو المعالی کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت حضرت شاہ ابو المعالی کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ آپ نے شیخ عبدالرشید کو سید میراں بھیکہ کے حوالے کر دیا جنہوں نے آپ کی تربیت بھی کی اور خرقۂ خلافت بھی دیا۔

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف لکھتے ہیں ایک دن حضرت میراں بھیکہ نے سید علیم اللہ جالندھری کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے پاس جو مرید بھی آتا ہے میں چھ سال تک اس کا امتحان لیتا ہوں۔ اگر اس کا اعتقاد درست ہو تو میں اُسے اپنے خادموں میں شمار کرتا ہوں۔ لیکن سید عبدالرشید جالندھری ایک ایسے شخص ہیں۔ جنہیں میں نے پہلے دن سے ہی پکے اعتقاد کا پایا اور اپنا خادم بنا لیا۔

آپ یکم ماہ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۱۲۱ھ اپنے مرشد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے۔ جالندھر میں ہی آپ کا مزار بنایا گیا۔ آپ کے وصال کے بعد سید میراں

بھیکہ نے آپ کے بیٹے سید غلام محی الدین کو بیعت کیا اور انہیں کمال تک تربیت دی

حضرت عبدالرشید آں میر دین
چو ز دنیا رفت و در جنت رسید
سال وصال اوست عارف حق پرست
بار دیگر سرور عالم رشید

۱۱۲۱ھ

شیخ سوندھا ولد شیخ المومن چشتی صابری قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ داؤد چشتی گنگوہی کے مرید خلیفہ اور جانشین تھے۔ آپ نے مریدوں کی تربیت اور تکمیل میں بڑا اہم کردار ادا کیا آپ جس پر نگاہ ڈالتے وہ اس کے قریب ہو جاتا اگر وجد اور سماع کی حالت میں کسی پر نظر پڑ جاتی تو وہ بے خود اور مست ہو کر گر پڑتا آپ کے آباؤ اجداد کی نسبت حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اعظم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ عبدالمومن دہلی کے بادشاہ کے جاگیر دار بھی تھے اور دربار کے امیر بھی تھے ان کی جاگیر سفیدون قصبہ میں تھی اور آپ وہیں رہتے تھے۔ وہ فوت ہوئے تو شیخ سوندھا ابھی بچے تھے۔ چونکہ بچپن سے ہی آپ کی پیشانی پر بزرگی کے آثار نمایاں نظر آتے تھے وہ اللہ والوں سے سخت اعتقاد رکھتے تھے ایک وقت آیا کہ حضرت شیخ داؤد رحمۃ اللہ سے بیعت ہوئے تو کمالات کی منزل پر پہنچے اور صاحب کرامت اور خوارق ہو گئے۔

سواطع الانوار کے مؤلف لکھتے ہیں[1] کہ آپ کی زندگی کا ابھی ابتدائی زمانہ تھا

---

[1] سواطع الانوار کے مصنف علام حضرت شیخ محمد اکرم قدوسی رحمۃ اللہ علیہ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

کہ آپ قصبہ بوہر سے روانہ ہو کر خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کے عرس پہ جا رہے تھے اتفاقاً اسی دن بوہر کا امیر جو آپ کا عقیدت مند تھا کا اکلوتا بیٹا مر گیا۔ باپ بیٹے کی نعش اٹھا کر آپ کی خدمت میں جا پہنچا۔ اس مجلس میں بہت سے مشائخ اور صوفیا موجود تھے۔ غمزدہ باپ نے جاتے ہی حضرت کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

مردان خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

آج آپ براہ کرم میرے بیٹے کو زندہ کر دیں۔ حضرت کو ان کے حال زار پر بڑا ترس آیا اپنی نشست سے اٹھ کر مردہ لڑکے کے سرہانے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا

(بقیہ حاشیہ) حضرت شیخ سوندھا قدس سرہٗ کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنی اس کتاب میں حضرت شیخ سوندہا قدس سرہٗ کے مفصل حالات و مقامات لکھے ہیں۔ یہ کتاب ۱۴۰۹ھ ذوالحجہ میں کیپٹن واحد بخش سیال چشتی صابری کے ترجمہ اُردو میں بزم اتحاد بین المسلمین لاہور کینٹ نے اقتباس الانوار کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں حضرت شیخ سوندھا کی کرامات مقامات سلوک۔ ریاضت و مجاہدے۔ اعیان الملک کی حاضری علماء و مشائخ کی روحانی تربیت پھر سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ کے مشاغل اور خصوصی اوراد کو تفصیل سے لکھا ہے۔ آپ نے آپ کی اولاد کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ آپ کا ایک بیٹا شیخ محمد اپنی والدہ کے ساتھ ۱۱۳۰ھ (زمانہ تالیف کتاب) کو زندہ ہے ان کے تین بیٹے شیخ راجو۔ شیخ پیر محمد اور شیخ حامد آپ کے مزار کے جوار میں سکونت پذیر ہیں۔ اس کتاب میں آپ کے خلفائے گرامی شیخ عثمان کرنالوی۔ شیخ پیر محمد۔ شیخ محمد صدیق کھتیلی شیخ اللہ بخش براسوی قدس سرہم کے احوال و مقامات پر بھی مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

اندر رہگذر خاک سر کوئے شما بود
ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد

کہ بیٹا اس حیّ القیوم کے حکم سے اٹھو! مردہ لڑکے نے آنکھیں کھولیں اور زندہ ہو گیا۔

ایک بار حضرت شیخ سوندہا اینٹوں کے بھٹے کی ایک بھٹی میں گر پڑے آپ اس وقت جذب و مستی کی حالت میں تھے۔ پورا ایک پہر اس آگ کی بھٹی میں رہے مگر جب باہر آئے تو بدن کے ایک بال تک کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔

ایک بار قصبہ کیتھلی میں محفل سماع منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ بھی ان میں موجود تھے مجلس میں ایک درویش نے وجد میں آکر کہہ دیا۔ لوگو! سن لو۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ہندوستان کے پیغمبر ہیں چونکہ ایک ولی کو نبی کہنا خلاف شرع ہے شہر کے قاضی نے حکم دیا کہ ایسے زندیق کو گرفتار کر لیا جائے اور اسے قتل کر دیا جائے حضرت شیخ سوندہا بذات خود قاضی کے پاس گئے اور استدعا کی کہ العاشق والمجنون معذور ''عاشق۔ دیوانے معذور ہوتے ہیں۔ اس درویش کو بھی چھوڑ دیں۔ مگر قاضی نے آپ کی اس بات کو نہ مانا آپ کو قاضی پر سخت غصہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم عاشقوں کے قتل پہ کمرہ بستہ ہو۔ انشاء اللہ تمہاری موت کتے کی طرح عو عو کرتے آئے گی۔ قاضی کو دوسرے دن ہی سخت بخار نے آلیا اور چند روز میں ہانپتے ہانپتے مر گیا۔

ایک بار آپ شاہ جلال الدین تھانیسری کے عرس سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف آرہے تھے۔ راستہ میں ایک گاؤں سے ڈاکو نکلے انہوں نے شیخ کو اور اُنکے ساتھیوں کو لوٹنا چاہا۔ حضرت شیخ کے چہرے کے رعب سے مرعوب ہو کر حملہ نہ کر سکے۔ مگر آپ کے قافلے کا ایک درویش جو پیچھے رہ گیا تھا۔ ان کے قابو میں آ گیا۔ اس کے کپڑے اتار لئے اور سامان چھین لیا۔ درویش ننگا روتا ہوا آپ کے پاس پہنچا۔ اور صورت حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا۔ میں حیران ہوں کہ اس گاؤں کو آگ کیوں نہیں لگ جاتی۔ آپ ادھر بات کر رہے تھے کہ وہ سارا گاؤں آگ کی لپیٹ

میں آگیا شعلے نمودار ہونے لگے۔ گاؤں والے جان بچاکر جنگل کی طرف بھاگے۔ کچھ آپ کی خدمت میں آئے۔ اور اپنے کئیے پہ نادم ہوکر معافی کے خواستگار ہوئے آپ نے معاف کیا اور گاؤں کی آگ بجھ گئی۔

آپ ایک مجلس سماع میں تشریف فرما تھے وجد و مستی میں آئے تو پہلے آپ کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ پھر تن بھی غائب ہوگیا۔ چند لمحوں تک مفقود رہے پھر واپس مجلس میں آگئے اور اپنی حالت میں تشریف فرما نظر آئے مجلس ختم ہوئی تو ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ فرمایا معشوق کا نور عاشق کے نور پہ غالب آگیا تھا اس نے عاشق کے نور کو اپنے انوار میں چھپا لیا تھا۔

وفات کا وقت آیا۔ آپ نے قوالوں کو بلایا اور فرمایا حافظ شیرازی کا یہ شعر پڑھا ہو

صحبت غیر نخواہم کہ بود عین حضور

باخیال تو چرا یاد گراں پردازم

قوالوں نے اس بیت کو شروع کیا۔ تو شیخ وجد میں آگئے۔ اسی حالت میں ۴ ۲ ماہ جمادی الاوّل ۱۱۲۹ھ کو واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار پُر انوار قصبہ سفیدون میں بنایا گیا۔ شیخ محمد اکرم براسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب سواطع الانوار (اقتباس الانوار) میں آپ کے خلفائے کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جن میں شیخ محمد علی بن شیخ اللہ بخش براسوی شیخ پیر محمد تھانوی۔ شیخ عثمان کرنالی۔ شیخ محمد صدیق کیتھلی۔ اور شیخ محمد اکرم براسوی قدس سرہم تو خصوصی طور پہ مشہور ہوئے۔

شیخ سوندھا چوں زد بیا رخت بست

سال وصلش سرور از روئے یقین

گفت سوندھا متقی رہبر ولی

محرم مشتاق ۱۱۲۹ھ - فخر المحسنین ۱۱۲۹ھ

۱۱۲۹ھ

آپ حضرت شاہ

سیّد محمد سعید المعروف بہ سید میران بھیکھ چشتی صابری قدس سرہٗ:- ابو المعالی چشتی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اعظم اور جانشین تھے بڑے صاحب مقامات اور مدارج تھے۔ ذوق شوق وجد و سماع۔ استغراق و عشق و محبت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ متاخرین میں آپ کے مقابلے میں کوئی دوسرا ولی اللہ نہیں تھا۔ آپ کے اکثر مرید قطب۔ ابدال اور اوتاد کے مراتب تک پہنچے تھے۔ آپ ہندی زبان میں شعر اور دوہڑے کہا کرتے تھے ان اشعار میں تو صید و عرفات کے مضامین ہوتے تھے۔ ان کے کلام کو کئی قوال مجالس سماع میں پڑھا کرتے تھے جس سے صوفیا اور درویشوں کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا تھا۔

آپ صحیح النسب حسینی سید تھے۔ اور ترمذی سادات کی شاخ سے تھے آپ کا شجرہ نسب چند واسطوں سے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ محمد سعید میراں بھیکہ بن سید محمد یوسف سوانیہ بن سید قطب شاہ بن سید عبد الواحد بن سید احمد بن سید امیر سعید بن سید نظام الدین سیّد عزیز الدین بن سید شاہ تاج الدین بن عز الدین نوبہار بن سید عثمان بن سید شاہ سلمان کفار شکن بن شاہ زید سالار لشکر بن سید امیر احمد زاہد بن سید امیر حمزہ بن سید ابا بکر علی بن سید عمر علی بن سید محمد تختہ بن سید علی شاہ رہبر کا کی۔ بن سید حسین ثانی الملقب بہ حمیص بن سید محمد مدنی لقب حمیص بن سید حسن شاہ ناصر ناصر ترمذی بن سید موسیٰ حمیص بن سید علی حسن حمیص بن سید حسین علی اصغر بن زین العابدین بن سید الثقلین امام حسین رضی اللہ عنہ۔

حضرت میراں شاہ بھیکھ کی والدہ ماجدہ بی بی ملکہ بھی سادات سے تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے شاہ زید سالار لشکر سے جا ملتا ہے حضرت میراں بھیکھ کے آباؤ اجداد سے شاہ زید سالار لشکر پہلے شخص ہیں جو ترمذ سے ایک زور دار لشکر لے کر ہندوستان میں جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور یہاں آکر سیوانہ میں قیام کیا وہاں کا

راجہ سیوانہ بڑے حاسد اور غصیل تھے اس نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔ آپ کے صاحبزادگان نے جنگ شروع کی اور راجہ سیوانہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ ان سادات کرام نے سیوانہ میں قیام کیا حضرت سلطان شمس الدین التمش شہنشاہ دہلی آپ کی کرامات سے متاثر ہو کر تو اپنی بیٹی سید شہاب الدین کے نکاح میں دے دی سید شہاب الدین سید زید شہید کے بیٹے تھے۔ یہ خاندان دولت اور ثروت کا مالک بن گیا۔

ثمرۃ الفواد کے موئف نے لکھا ہے کہ حضرت سید میراں بھیکھ نو سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش میں بڑا گہرا حصہ لیا۔ اور اخوند فرید کی خدمت میں لے گئیں جہاں آپ کو ظاہری اور باطنی تعلیم ملی تحصیل علوم کے بعد آپ سید شاہ ابو المعالی چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور آپ درجۂ کمالات کو پہنچے۔

حضرت شاہ بھیکھ کا ایک مرید موضع نوندھن میں رہا کرتا تھا۔ اتفاقاً اس کا دس سالہ بچہ فوت ہو گیا۔ اسی وقت حضرت شاہ اس کے گھر تشریف لائے اس نے مردہ بچے کو ایک علیحدہ کمرے میں بند کر دیا۔ اور خود اور اس کی اہلیہ حضرت کی خدمت میں سرو قد کھڑے ہو گئے۔ جب تک حضرت پیرو مرشد اور ان کے ساتھ مہمان کھانے کے دستر خوان پر نہ بیٹھے۔ کسی نے بچے کی موت کی اطلاع نہ دی کھانا کھانے سے پہلے حضرت سید میراں بھیکھ نے اپنے مرید کو کہا کہ اپنے بیٹے کو لاؤ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائے اس نے بتایا وہ گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے گیا اس وقت اس کا حاضر ہونا ناممکن ہے۔ مگر آپ نے اصرار فرمایا وہ جہاں ہو اسے تلاش کر کے لایا جائے۔ ہم اس کے بغیر کھانا نہیں کھائیں گے چنانچہ میزبان نے ساری صورت حال بیان کر دی۔ اور زار زار رونے لگا۔ آپ نے فرمایا تمہارا بیٹا مرا نہیں سویا ہوا ہے۔ اسے اٹھا کر لاؤ وہ اندر گیا۔ بیٹے کو اٹھایا وہ اُٹھ کر باہر آ گیا۔ اور حضرت سید کے قدموں میں آ گرا۔ حاضرین میں ایک نعرہ بلند ہو

گیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ہزاروں لوگ آپ کے مرید بن گئے۔ ایک ہندو جس کا نام بیر بہ تھا۔ وہ موضع بی بی پور رہتا تھا۔ اُسے مسلمانوں سے بہت دشمنی تھی وہ صبح سویرے کسی مسلمان کا منہ دیکھنا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ کسی لڑائی اور سرکاری حکام سے مقابلہ کرنے کے جرم میں گرفتار ہو گیا۔ صوبہ سرحد کے حاکم نے اُسے موت کی سزا دی۔ چنانچہ دوسرے دن سرہند کے بازار میں اُس کے پھانسی لگانے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ اُسے جیل سے باہر لاکر بازار کے چوک میں پھانسی لگانے کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت شاہ میراں بھیکھ کی سواری آرہی تھی اُس نے آپ کو دیکھا تو سپاہیوں سے بھاگ کر آپ کے پاؤں میں جا گرا۔ اور رو رو کر کہنے لگا مجھے زندگی کی اُمید ختم ہو چکی ہے کوتوال میرے قتل کے لئے انتظار کر رہا ہے۔ جلاد ہاتھ میں تلوار پکڑے لہرا رہا ہے اور لوگ میرے قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہیں۔ اس مشکل وقت میں اگر آپ میری مدد کریں تو میں کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کرو تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ آپ یہ کہہ کر اپنی سواری کو آگے لے گئے سپاہیوں نے بیر بہ کو قتل گاہ پہنچا دیا۔ ابھی اس کو قتل نہ کیا گیا تھا تو کوتوال کو نیا حکم پہنچا کہ بی بی پور کے زمیندار کو ہمارے دربار میں حاضر کیا جائے وہ دربار میں لایا گیا تو حاکم وقت نے اس کی سزائے موت معاف کر دی اس کو آزاد کر دیا گیا اور نیا لباس پہنا کر اُسے رخصت کر دیا گیا وہ اُسی وقت حضرت شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کلمہ پڑھا اور مرید ہو گیا۔ آپ نے اُس کا نام بیر شاہ رکھا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ مرید بن سکے لیکن دل میں یہ خیال کیا کہ اگر یہ پیر کامل ہے تو مجھے ایک خربوزہ دیں گے۔ حالانکہ یہ خربوزوں کا موسم نہیں تھا حضرت شاہ نے اس کے دل کی بات نور باطن سے جان لی اور ایک خادم کو کہا کہ آج میں نے حجرے کے تاک میں نصف خربوزہ اس شخص کے لئے رکھا تھا وہاں سے اُٹھا لاؤ۔ اور اُسے کھلا دو۔ سائل نے خربوزہ لے لیا اور سچے دل سے مرید ہو گیا۔ ایک دن ایک

ہزار چار سو سنیاسی فقیر جو ہندو تھے حضرت میراں کی خانقاہ میں مہمان بن کر آگئے کیونکہ آپ کا لنگر ہندو مسلمان سکھ عیسائی سب کے لئے عام تھا۔ لنگر کے ملازموں نے حضرت کی خدمت میں گزارش کی کہ آج ہمارے پاس صرف ایک سیر آٹا ہے اور چند من غلہ موجود ہے اب کیا حکم ہے آپ نے فرمایا آٹا اور چینی اور دوسری چیزیں میرے پاس لے آؤ اور ایک بڑے برتن میں ڈال لو۔ آپ نے اس برتن میں ہاتھ ڈالا اور فرمایا اب ہر ایک فقیر کو دو دو روٹیاں ایک ایک پاؤ شکر اور ایک پاؤ گھی دیتے جاؤ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر دیتے جاؤ۔ اللہ برکت دے گا۔ خادموں نے تقسیم شروع کر دی اور ایک ہزار چار سو فقیر پیٹ بھر کر اٹھے۔ ابھی آٹا اور شکر باقی بچے ہوئے تھے کہ وہ کھا کر چلے گئے

ایک بار حضرت شاہ میراں بھیکھ دہلی شہر میں نواب تہوار زمان کے گھر تشریف فرما تھے۔ ایک خادم چند پان لے کر اور اسے تشتری میں رکھ کر آپ کی خدمت میں لایا آپ نے یہ پان حاضرینِ مجلس کو تقسیم کئے۔ مگر تہوار خان کو پان نہ دیا۔ تہوار خان کے دل میں خیال گزرا کہ خدا معلوم مجھے کیوں نظر انداز کیا گیا ہے یہ خیال آتے ہی تشتری سے ایک پان خود بخود اڑا اور تہوار خان کے ہاتھ میں چلا گیا۔ آپ نے فرمایا تہوار خان تمہاری مراد پوری ہو گئی وہ اُٹھا سر جھکا کر آپ کے قدم چومنے لگا۔

آپ نو ماہ رجب بروز اتوار ۱۰۴۶ھ ہجری کو پیدا ہوئے تھے اور پانچ رمضان ۱۱۳۱ھ ہجری کو فوت ہوئے آپ کی عمر چوراسی سال تھی جب آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو قصبہ کہڑام میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مرید نواب روشن الدولا نے آپ کا روضۂ مبارک تعمیر کروایا۔ ثمرۃ الفواد کے مصنف نے آپ کی تاریخ وفات شاہ بھیکھ مقبول خدا کے لفظوں سے نکالا ہے۔ ۱۱۳۱ھ

ہم یہاں وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ شاہ میراں بھیکھ کے بے شمار خلفاء تھے۔ یہاں ان بزرگان دین کا تذکرہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم چند خلفاء کے اسمائے

گرامی مجملاً بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

اوّل:۔ شاہ محمد باقر قدس سرہٗ جو شاہ ابو المعالی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔

دوم:۔ شاہ امام الدین جو حضرت شاہ محمد باقر کے بیٹے تھے۔

سوم:۔ شاہ نظام الدین جو حضرت شاہ محمد باقر کے دوسرے بیٹے تھے۔

چہارم:۔ شاہ محمد جنہوں نے حضرت پیرو مرشد کی موجودگی میں ایک مجلس سماع میں جان دے دی۔

پنجم:۔ شاہ عابد کوٹلہ والا۔ قدس سرہٗ۔

ششم:۔ سید عبد المومن جنہیں ارادت تو شاہ ابو المعالی سے تھی مگر خرقۂ خلافت آپ سے حاصل کیا تھا۔

ہفتم:۔ شاہ نعمت اللہ آپ بھی شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے مگر خلافت شاہ بھیکھ سے ملی۔

ہشتم:۔ شاہ نورنگ قدس سرہٗ۔

نہم:۔ خواجہ مظفر نواب روشن الدّولہ (ظفر خان بہادر)

دہم:۔ نواب بکھاری خان ولد روشن الدّولہ جنہوں نے لاہور کی سنہری مسجد بنائی تھی

یازدہم:۔ شیخ امان اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

دوازدہم:۔ سید محمد جواد رحمۃ اللہ علیہ آپ شاہ زبیر شہید کی اولاد سے تھے۔

سیزدہم:۔ میاں اللہ بندہ رحمۃ اللہ علیہ۔

چہاردہم:۔ سید محمد نعیم رحمۃ اللہ علیہ

پانزدہم:۔ مرتضیٰ گردیزی قدس سرہٗ

شانزدہم:۔ سید غلام اللہ آپ حافظ قرآن کریم تھے۔

ہفتدہم:۔ میاں محمد شاہد رحمۃ اللہ علیہ آپ پہلے مغلیہ فوج میں سہ ہزاری منصب پر

فائز تھے۔ پھر ترک دنیا کر کے آپ کی خدمت میں آ گئے۔

ہژدہم :۔ شاہ سجاول قدس سرہٗ

نوزدہم :۔ حاجی بیت اللہ صاحب حال و قال تھے آپ نے حضرت بھیکھ قدس سرہٗ کے احوال و آثار پر بہت بڑی کتاب لکھی تھی۔

بستم :۔ میاں کرم علی جو آپ کے محرم راز اور یاران پاک باز میں سے تھے تمام مرید آپ کی وساطت سے باریابی پاتے۔ آپ کا مزار کم عقلہ میں ہے۔

بست و یکم :۔ شیخ محمد حیات مدفون سارنگ متصل انبالہ

بست و دوم :۔ خواجہ عبداللہ میر شاہ جو پی پور کا متعصب ہندو تھا۔ مگر آپ کی نگاہ سے مسلمان ہوا اور صاحب کمال ہوا۔

بست و سوم :۔ شاہ عبدالرحمٰن بہلول پور

بست و چہارم :۔ شاہ عنائیت مدفون بہلول پور

بست و پنجم :۔ میاں غلام محمد بیس سال تک معتکف رہے۔

بست و ششم :۔ شیخ موسیٰ خان مدفون گم تھلہ۔

بست و ہفتم :۔ مولوی غلام حسین مدفون محلی نزد سہارنپور

بست و ہشتم :۔ شیخ محمد قدس سرہٗ۔

بست و نہم :۔ محمد افضل سامانہ آپ دریائے جمنا کو کشتی کے بغیر عبور کرتے۔ اور آپ کا پاؤں بھی تر نہ ہوتا۔

سی ستیم :۔ میاں محمد اعظم جو لنگر اور وظائف کی تقسیم پر مقرر تھے

سی و یکم :۔ شیخ چھجو جن کا مزار حضرت کے دائرے میں ہے۔

سی و دوم :۔ میاں محمد طاہر قدس سرہٗ

سی و سوم :۔ میاں محمد افضل خان آپ کا مزار حضرت کے دائرے میں ہے۔

سی و چہارم :- شیخ محمد منیر شاہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ۔

سی و پنجم :- جعفر علی خان ولد مرزا یار بیگ آپ پہلے مغلیہ افواج میں ہفت ہزاری منصب پہ فائز تھے۔

سی و ششم :- میاں اللہ بخش قدس سرہٗ۔

سی و ہفتم :- سید علیم اللہ جالندھری قدس سرہٗ

سی و ہشتم :- صوفی محمد صدیق قدس سرہٗ

سی و نہم :- میاں محمد مراد قدس سرہٗ

سی چہلم :- شیخ جیوں قدس سرہٗ

یہ چالیس خلفائے نادر روزگار تھے جن سے سلسلہ چشتیہ کو بڑا فروغ ملا۔ ان دنوں (موئلف مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ کے زمانۂ تصنیف میں) آپ کے سجادہ نشین حضرت سید بہادر علی شاہ ہیں جو جامع صفات اور صاحب اخلاق حمیدہ اور پسندیدہ ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

آپ جالندھر کے صحیح النسب سادات سے

سید عتیق اللہ چشتی قدس سرہٗ :- تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات کے مالک تھے شاہ ابوالمعالی چشتی کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ ساری عمر عبادت و ریاضت میں گزار دی۔ آپ کی وفات ماہ شعبان ۱۱۳۱ھ میں ہوئی تھی۔

زدنیائے دوں چو لقبر دوس رفت
زدنیائے دوں پیر پیران عتیق
شہنشاہ عشق است تاریخ او
دوبارہ بگو میر میراں عتیق

۱۱۳۱ھ

شیخ یحییٰ مدنی چشتی قدس سرہٗ: آپ شیخ اعظم چشتی قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت شیخ اعظم قدس سرہٗ کے مرید ہوئے وہاں ہی طالبان حق کو بیعت کر کے مقاصد اعلیٰ تک پہنچا دیتے۔ آپ کے بے شمار مرید اہل کمال میں شمار ہوتے تھے۔

آپ ستائیس ماہ صفر ۱۱۴۱ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار مدینہ طیبہ میں ہے آپ ایک سو تینتیس سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔

باز یحییٰ زندہ دل شب زندہ دار
گشت چوں زندہ بجنات النعیم
کن رقم عاشق سخی تاریخ او
نیز یحییٰ حنیتی مستقیم

۱۱۴۱ھ

شیخ حکیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہٗ: آپ حضرات چشت میں سے سربرآوردہ شخصیت تھے خانوادہ چشتیہ نظامیہ کو آپ نے ہی فروغ دیا حضرت شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ انہوں نے اعظم چشتی انہوں نے خواجہ حسن چشتی اور انہوں نے جمال الدین شیخ جمن سے انہوں نے محمود شیخ راجن سے انہوں نے شیخ علم الدین انہوں نے شیخ سراج الدین انہوں نے شیخ کمال الدین علامہ سے انہوں نے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے انہوں نے سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء اللہ سے قدس سرہم خرقہ خلافت پایا تھا حضرت حکیم اللہ دہلی میں ظاہری علوم میں مصروف رہے اور دستار فضیلت لے کر مدینہ منورہ گئے وہاں جا کر شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہٗ کے مرید

ہوئے اور انہیں کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی۔ واپس شاہجہان آباد آئے اور قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان ایک عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مخلوق خدا کی تلقین میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے علوم حقائق و معارف میں کئی بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں۔ سواء السبیل کشکول حکیمی۔ تلک عشرۃ کاملہ۔ مرقع کلیمی جیسی بلند پایہ تصانیف آج تک موجود ہیں۔ آپ کے مرید صاحب حال وقال ہوئے ہیں آپ کی نگاہ فیض جس پر پڑتی اُسے مست و بے خود بنا دیتی آپ چار ربیع الاول ۱۱۴۲ھ میں فوت ہوئے[1]

کلیم اللہ جو از فضل الٰہی
زدنیا شد بخلد جاودانی
یکے موسیٰ ثانی کاشف دیں
دگر عرفان و دین موسیٰ ثانی

۱۱۴۲ھ

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہٗ آپ متاخرین مشائخ چشت میں بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اور جنوبی ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ کسی دوسرے چشتی بزرگ کے لئے اپنے بزرگان دین کی فتوحات و برکات کے دروازے نہیں کھلے تھے۔ آپ کے آبائے کرام سلسلہ سہروردیہ کے پیروکار تھے جن کی نسبت شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی سے ملتی ہے۔ آپ حضرت

---

[1] شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی قدس سرہٗ کے مفصل حالات کے لئے تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی اور دیباچہ کشکول کلیمی مطبوعہ مکتبہ نبویہ۔ لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ کلیم اللہ جہانبادی کے مرید خاص اور خلیفۂ اکمل تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ ان میں اکثر صاحب قال و حال تھے۔ ان میں ظاہری و باطنی حسن و جمال کی دولت تھی آپ کی کرامات اور خوارق کا ایک زمانہ معترف ہے۔ کئی بار مردے زندہ کرنے کا واقعہ بھی آیا۔ آپ کا اصلی وطن مشرقی ہندوستان کے قصبۂ قصبات پورہ ہے۔ آپ وہاں سے تحصیل علوم ظاہری کے لئے دہلی آئے۔ لوگوں کی زبان سے شیخ کلیم اللہ جہاں آباد کی تعریف سُنی۔ تو آپ کے ہی درس میں داخلہ لے لیا

مناقب فخریہ کے مولّف لکھتے ہیں کہ پہلے دن شیخ اورنگ آبادی حضرت شاہ کلیم اللہ کی خدمت میں حاضری کے لئے گئے تو مجلس سماع بپا تھی۔ حضرت پر حالت وجد طاری تھی۔ اغیار کے لئے یہ دروازہ بند تھا۔ شیخ اورنگ آبادی بھی حضرت کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دستک دی۔ حضرت نے اندر سے کسی خادم کو حکم دیا۔ دیکھو کون ہے؟ مرید نے دروازے سے دیکھ کر واپس آ کر عرض کیا حضور کوئی اجنبی آدمی ہے۔ اپنا نام نظام الدین بتاتا ہے فقیرانہ لباس ہے اور عامیانہ چہرہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے اندر لے آؤ حاضرین مجلس نے عرض کی حضور اس بیگانے شخص کے آنے سے مجلس سماع کا لطف جاتا رہے گا۔ ایسے حالات میں جب صوفیاء ایک خاص مجلس میں محو وجد و رقص ہوں بیگانے لوگوں کا آنا مجلس کو مکدر کر دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یارو! مجھے اس نام سے محبت ہے اور یہ شخص بیگانہ نہیں لگتا۔ اس سے اپنائیت کی خوشبو آ رہی ہے اسے اندر لے آؤ۔ آپ کو اندر لایا گیا۔ حضور نے اپنے پاس بٹھا کر احوال پوچھا تو اسی دن سے نظام الدین کو مجلس خاص کا جلیس اور سماع و وجد کا انیس بنا لیا۔ وہ صبح و شام آپ کی مجالس میں رہنے لگے۔ کبھی کبھی کتابیں بھی پڑھ لیتے مگر زیادہ تر سلوک چشتیہ کی منازل طے کرتے نظر آتے حضرت شیخ نظام الدین ابتدائے کار میں حضرت کلیم اللہ

کے مریدوں میں ذوق شوق - آہ وزاری سکر وشورش. وجد وبے قراری کی کیفیات دیکھتے تو بڑے حیران ہوتے اور دل میں کہتے کہ ان لوگوں کو کس چیز نے اس طرح بنا رکھا ہے کون سی چیز انہیں مدہوش و بے خود بنا دیتی ہے - ایک روز حضرت حکیم اللہ کی خدمت میں مدینہ پاک سے ایک ایسا شخص آیا جو حضرت یحیٰی مدنی (جو آپ کے پیرو مرشد تھے) کا مرید تھا - اس کی نگاہیں حضرت کے چہرے پر پڑی ہی تھیں - کہ بے خود و بے ہوش ہو گیا - حضرت نظام الدین یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے. حاضرین سے پوچھنے لگے . یہ کیا معاملہ ہے ؟ انہوں نے تفصیلی طور پر آپ کو ان ہستیوں سے آگاہ کیا تو آپ کے دل میں بھی آگ سُلگنے لگی - اس دن سے آپ کی عقیدت و ارادت میں اضافہ ہو گیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت شاہ حکیم الدین مجلس سے اُٹھ کر گھر جانے لگے - تو نظام الدین اورنگ آبادی اٹھے اور آپ کے جوتے لے کر دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے اور آپ کے پاؤں کے سامنے رکھ دیئے آپ نے نہایت محبت کی نگاہ سے آپ کو دیکھا - اور فرمایا. نظام الدین ہمارے پاس علوم ظاہری حاصل کرنے آئے ہو یا باطنی - نظام الدین نے کچھ کہنے کی بجائے سعدی شیرازی کا یہ شعر پڑھا -

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را

(میں نے اپنا سب کچھ آپ کے سپرد کر دیا ہے - آپ ہمارے کم وبیش کے حالات کو جانتے ہیں) چونکہ حضرت شیخ یحیٰی مدنی قدس سرہ نے حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو مدینہ پاک ارشاد فرمایا تھا . کہ تمہارے سلسلہ میں ایک شخص نظام الدین داخل ہو گا - اور اسے بڑا فروغ دے گا - اور یہ شعر پڑھے گا - حضرت کلیم اللہ نے شعر سنتے ہی اپنے پیر کا فرمان سامنے رکھا اور اٹھا کر گلے لگا لیا اور دوسرے روز

بیعت کر لیا۔ شب و روز روحانی تربیت دی۔ تکمیل تک پہنچا دیا۔ آپ خرقہ خلافت دے کر ملکِ دکن کی طرف بھیج دیا۔ جہاں آپ کو بڑی قبولیت ملی۔ جوق در جوق طالبانِ حق پہنچنا شروع ہو گئے اور بے پناہ مخلوق آپ کے حلقۂ ارادت میں آئی نواب نظام الملک آصف جاہ جو نواب غازی الدین مصنف مناقب فخریہ کے دادا تھے سب سے پہلے آپ کے مرید ہوئے۔ اور انہوں نے المہر اللساکین کے نام سے کتاب لکھی۔ اس میں شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے تفصیلی حالات تھے۔

آپ ۱۱۴۲ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
نظام الدین ولی پاک محبوب
وصالش طرفہ شیخ العالمین است
دیگر فرما نظام الدین مطلوب

۱۱۴۲ھ

شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوری قدس سرہٗ: آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بہت بڑے مشائخ میں سے تھے۔ شیخ محمد صدیق لاہوری سے خلافت پائی۔ بے پناہ مخلوقِ خدا کو بیعت کیا اور اپنی مجالس کو سماع سے رونق بخشی۔ محمد شاہ کے عہد اقتدار میں لاہور کے علماء آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کو کسی مقدمے میں پھنسانے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر لاہور کا صوبیدار آپ کا مرید ہو گیا اور مخالفین دب گئے۔

آپ تین ذی الحج ۱۱۵۱ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے

چون سلیم از قضای ربانے
شد ز دنیا دون بباغ جنان

سال وصلش سلیم اعظم گو
بار دیگر سلیم شیخ کلاں

۱۱۵۱ھ

شاہ بہلول برکی چشتی صابری قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت شاہ بھیکھ چشتی کے خادم تھے افغان قوم سے تعلق رکھتے تھے اور جالندھر میں رہائش تھی۔ آپ نے ظاہری علوم سید عبدالرشید سید کبیر اور سید عتیق اللہ جالندھری سے حاصل کئے۔ آپ کا لباس قلندرانہ تھا حضرت شاہ بھیکھ کی وفات کے بعد آپ لاہور آگئے۔ اور شیخ شاہ بلاق قدوری لاہوری سے فیض کامل حاصل کیا۔ آپ نے اپنی عمر میں نوے جلدیں تصنیف کیں۔ ان میں فوائد آثار شرح دیوان خواجہ حافظ بڑی مشہور ہوئیں۔ آپ کا اپنا بھی ایک دیوان ہے جو بہت اعلیٰ شعروں پر مشتمل ہے۔ آپ مولوی جان محمد ترکی جو بڑے عالم اجل تھے علمی وعظ کرتے رہتے تھے انہوں نے اپنی کتاب میں اُن کی فضیلت اور کرامات کا ذکر کیا ہے آپ کے شاگردوں میں سا چندلادر اور عظمت خان برکی صاحبِ دیوان ہوئے ہیں سید علیم اللہ جالندھری بھی ظاہری علوم میں آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کی وفات ۱۱۷۰ھ ہجری میں ہوئی اور آپ کا مزار پرانوارہ جالندھر کی عیدگاہ کے پاس ہے۔

چو از حکم قضا رخت سفر بست
ز دنیا شاہ عالی شاہ بہلول
مشور تاج عشق آمد وصالش
دگر مخدوم نامی شاہ بہلول

۱۱۷۰ھ

شاہ لطف اللہ چشتی قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت بھیکھ چشتی کے مرید اور خادم تھے۔ انبالہ میں رہتے تھے ابھی بچے ہی تھے تو حضرت شاہ بھیکھ چشتی نے آپ کو اپنی پرورش میں لے لیا دین اور دنیوی علوم سکھائے آپ نے ایک کتاب ثمرۃ الفواد کے نام پر لکھی۔ جس میں شاہ بھیکھ کی کرامات اور مقامات کا ذکر ہے۔

آپ بروز ہفتہ بیس (۲۰) ذیقعد ۱۱۸۶ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار جالندھر سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

شد چو لطف اللہ بالطاف آلہ
بعد فوت خود بقرب حق قبول
کن رقم اہل نظر تاریخ او
بار دیگر کن بیان فیض رسول

۱۱۸۶ھ

مولانا فخر الدین فخر جہاں شاہ جہاں آبادی چشتی رحمۃ اللہ علیہ: آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین تھے۔ اور چشتیہ سلسلہ کے بہت بڑے شیخ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء اللہ کے خلیفہ بھی تھے اور بیٹے بھی تھے شریعت کے علوم اور طریقت کے رموز سے واقف تھے ظاہری اور باطنی کمالات میں بے مثال تھے۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملتا تھا۔ اور والدہ کی طرف سے بندہ نواز سید محمد گیسو دراز سے نسبت تھی آپ پانچ بھائی تھے۔ محمد عماد الدین۔ غلام معین الدین۔ غلام بہاء الدین۔ غلام حکیم اللہ اور پانچواں خود محمد فخر الدین فخر جہاں تھے۔ نواب نظام الملک غازی الدین خان مناقب فخریہ میں لکھتے ہیں۔ کہ مولانا فخر الدین احمد آباد

میں پیدا ہوئے۔ شیخ نظام الدین انہیں شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی خدمت میں لے گئے آپ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنے سلسلۂ عالیہ کا ایک خرقہ تیار کیا اور وہ مولانا فخر الدین کے نام مخصوص کر دیا۔ جس شخص نے سب سے پہلے فخر الدین کے حق میں لفظ مولانا کا استعمال کیا وہ شیخ کلیم اللہ تھے۔ آپ کی عمر ساٹھ سال ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر قہوہ کے پانچ دانے عطا فرمائے۔ آپ بیدار ہوئے تو وہ دانے آپ کے ہاتھ میں موجود تھے۔ آپ کے والد شیخ نظام الدین صبح آپ کے پاس تشریف لائے اور رات کی خواب سے پہلے واقف تھے فرمانے لگے برخوردار سید کونین کی عطا کردہ چیزیں اکیلے نہیں کھانی چاہئیں۔

ع :۔ روزی کمان یہ کہ نہ تنہا خوری

چنانچہ مولانا نے ان پانچ دانوں میں سے دو دانے تو خود کھالئے اور باقی اپنے والد کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضرت نظام الدین اورنگ آبادی جب فوت ہوئے تو مولانا کی عمر آٹھ سال تھی آپ نے زہد و عبادت میں وقت گزارنا شروع کر دیا پچیس سال کی عمر میں دہلی تشریف لائے۔ ظاہری اور باطنی علوم پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ پھر دہلی سے پیدل چل کر اجمیر شریف حاضر ہوئے وہاں سے پاک پتن پہنچے۔ اس سفر میں شیخ نور محمد بہبل ملتانی دچشتیاں ہیر کلو اور خوشحال آپ کے ہمراہ تھے وہاں سے پانی پت پہنچے اور بو علی قلندر شمس الدین ترک اور سید جلال الدین کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے لاہور آئے میر محرم اللہ نقشبندی سے ملاقات کی۔ کچھ عرصہ حضرت مخدوم علی گنج بخش ہجویری کے مزار پر اعتکاف کیا۔ اور بڑا ہی فیض حاصل کیا۔ لاہور کے بزرگانِ دین کے دوسرے مزارات کی بھی زیارت کی اور وہاں سے دہلی واپس چلے گئے۔

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ مولانا کو حضرت خواجہ نور بہبل ملتانی دچشتیاں

مہار شریف) کے علاوہ سینکڑوں خلفاء ہیں۔ چنانچہ شاہ عبد اللہ۔ شاہ ظہور اللہ مولوی روح اللہ۔ سید احمد۔ شمس الدین۔ بدیع الدین۔ مولوی فرید۔ مولوی سلیم مولوی مکرم مولوی فرید الدین ثانی۔ مولوی روشن علی۔ مولوی حسن محمد۔ مولوی فتح اللہ صوفی یار محمد۔ شاہ محمد بیدار۔ حاجی محمد واصل۔ سیّد محمد۔ مولانا میر ضیاء الدین۔ سیّد فخر الدین مست۔ شیخ گل محمد۔ حافظ سعد اللہ۔ شاہ مراد۔ شیخ محمد مراد۔ شیخ محمد امان مولوی علاؤ الدین۔ شیخ ضیاء الدین۔ مولوی محمد صالح۔ عبد الوہاب بیکانیری محمد قطب الدین۔ حاجی خدا بخش اور محمد غوث کورت پوری۔ محمد غوث صاحبزادی اور دوسرے کئی علماء و مشائخ آپ سے ظاہری اور باطنی خلافت سے سرفراز ہوئے تھے اِن خلفاء میں حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی بڑے ہی محبوب اور مرغوب خلیفہ تھے۔

صوفی یار محمد ایک مغل تھا وہ حضرت سلطان مشائخ نظام الدین قدس سرہٗ کے مزار پر ہی رہتا تھا۔ ایک بار وہ اتنا بیمار ہوا کہ جینے کی اُمید نہ رہی ایک دن کہنے لگا کاش مجھ میں اتنی ہمت ہوتی تو میں مولانا فخر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی صحت کے لئے دعا کراتا۔ رات ہوتی تو اُس نے خواب میں دیکھا کہ مولانا فخر الدین خود تشریف لے آئے ہیں آپ نے فرمایا یار محمد تمہیں آنے کی طاقت نہ تھی ہم خود آ گئے۔ جاؤ صبح سے تندرست ہو جاؤ گے۔ صبح اٹھا تو وہ تندرست تھا۔ چند دن بعد شکریہ ادا کرنے کے لئے وہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ ساری بات کہنا چاہتا تھا کہ مولانا نے اشارہ کر کے اُسے منع کر دیا۔ ایک پیرزادہ گنگا جمنا کے درمیان ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ یہ گاؤں دہلی سے چالیس میل کے فاصلے پر تھا۔ ایک دن دل میں سوچنے لگا اگر مجھے کاموں سے فرصت ہوتی تو میں دہلی جا کر حضرت مولانا فخر الدین سے بیعت کرتا۔ کیا ہی اچھی بات ہو کہ مولانا کبھی ہمارے گاؤں تشریف لے آئیں۔ اتفاق کی بات ایسی ہوئی کہ مولانا اُسی دن اُس

کے گاؤں پہنچے۔ پیرزادے نے دیکھا تو آپ کے قدم چوم لئے اور مرید ہو گیا۔ بعد میں اُس نے لوگوں سے سُنا کہ حضرت مولانا نے دہلی سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا یہ محض ان کی کرامت تھی۔

قاضی ابو رضا سوہن پت میں رہتے تھے۔ انہیں تپ دق ہو گیا جب یہ بخار نو ماہ تک نہ اُترا تو اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ انہوں نے کسی طرح اپنے آپ کو حضرت مولانا فخرالدین تک پہنچایا۔ آپ نے قاضی صاحب کو اس حال میں دیکھا تو بڑی محبت کے ساتھ اُن کو گلے لگایا وہ اُسی وقت صحت یاب ہو گئے۔

پٹھانوں میں سے دس آدمی ایسے تھے جو اُس کے دشمن تھے۔ اور وہ اعلانیہ کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ جب یہ خبر مولانا کو پہنچی تو آپ نے کبھی پرواہ نہ کی ایک دن آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عرس پر تشریف لے گئے۔ مجلسِ سماع گرم تھی وہ دس آدمی قاضی حمیدالدین ناگوری کی دیوار پر جو قدِ آدم کے برابر بلند تھی۔ چھریاں لے کر بیٹھ گئے اور بلند آواز سے گالیاں دینا شروع کر دیں حضرت مولانا کے ایک خادم بدیع الدین اٹھے اور آپ کی خدمت میں عرض کی یا حضرت آپ کب تک انہیں نظر انداز کرتے رہیں گے۔ اِن بدبختوں کی باتوں سے ہمارے ذوقِ سماع میں خلل آتا ہے۔ حضرت مولانا نے یہ بات سن کر اُن کی طرف ایک تیز نظر ڈالی وہ بے ہوش ہو کر دیوار سے زمین پر آپڑے۔ اور مجلس میں آکر وجد کرنے لگے آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور آپ کے مرید ہو گئے۔ مناقب فخریہ کے مصنف نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد یہ شعر لکھا ہے۔

نگاہت دشمنان را دوست کردہ
اثرہا در رگ و در پوست کردہ

ایک دن مولانا کے مرید رقص و وجد میں مصروف تھے۔ شہر کے دو بدمعاش

مجلس میں آپہنچے اور کہنے لگے ان بدعتی لچوں کو دیکھو کہ کس طرح ناچ رہے ہیں یہ بات حضرت مولانا نے سن لی۔ایک تیز نظر سے اُنہیں دیکھا تو دونوں مجلس میں ناچنے لگے اپنا اسلحہ اور کپڑے اتار کر قوالوں کو انعام دے دیا اور حضرت مولانا کے پاؤں کو چوم کر مرید بنانے کی درخواست کی۔آپ نے فرمایا ہم جیسے لچوں کے ساتھ رقص و سرود کرنا اور مرید ہونا اچھا نہیں۔انہوں نے رونا شروع کر دیا گستاخی کی معافی مانگی اور مرید ہو گئے۔مولانا فخرالدین نے اپنی جیب سے قوالوں کو دس دینار دیئے اور ان کے کپڑے اور اسلحہ واپس لیا۔

ایک دن مولانا اپنی خانقاہ کے چبوترے پر بیٹھے پڑھا رہے تھے ایک پٹھان ہاتھ میں چھری لئے آیا اور سلام علیکم کہنے کے بعد کہنے لگا۔مولوی صاحب آپ اتنے عالم فاضل ہوتے ہوئے بھی سماع سنتے ہیں یہ کس طرح مناسب ہے آپ نے فرمایا میں قصوروار ہوں آپ میرے لئے دعائے خیر کریں۔یہ بات سنتے ہی اُس پٹھان نے آپ پر چھُری سے حملہ کر دیا مگر آپ زخمی نہ ہو سکے۔وہ دوسری بار بڑھا مگر مولانا کے ایک خادم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔مولانا نے اپنے خادم کو جھڑک کر کہا اس کا ہاتھ چھوڑ دو اور اپنا سر مبارک اُس کے آگے جھکا کر فرمایا کہ حاضر ہوں میرا یہ بے کار سر کسی کام کا نہیں اِس کو چھُری سے کاٹ دو۔وہ شخص شرمندہ ہو گیا اور چلا گیا۔
دوسرے دن حضرت مولانا ابھی اپنے گھر ہی تشریف فرما تھے۔اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی کہ اُسی بدبخت نے دروازہ کھٹکھٹایا اُس کے ساتھ دو اور ساتھی بھی تھے انہوں نے دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا تو مولانا نے فرمایا جو لوگ دروازے کے باہر ہیں انہیں اندر آنے دو دروازہ کھلا تو وہ شخص اپنے ساتھیوں سمیت آپ کے سامنے کھڑا ہوا۔مولانا اپنی عادت کے مطابق اُس کی تعظیم کو اٹھے آپ کے پاس جتنے چھوٹے بڑے تھے وہ بھی تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوئے آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہی دشمن اپنے ساتھیوں کے ساتھ

مجھے قتل کرنے آیا ہے آپ نے ان پر ایک تیز نگاہ ڈالی یونہی تینوں پہ نظریں پڑیں وہ زمین پر گر پڑے اور تڑپنے لگے۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہے تھے اُن کے سر فرش کی اینٹوں سے لگ کر لہولہان ہو چکے تھے۔ کچھ وقت گزرا تو ہوش میں آئے۔ بیعت ہونے کی درخواست کی زار زار رونے لگے۔ مولانا نے انہیں معاف تو کر دیا لیکن بیعت نہ کیا اور کچھ نقدی دے کر انہیں رخصت کر دیا۔

مناقب فخریہ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک دن حضرت سلطان مشائخ نظام الدین اولیاء کے مقبرے پہ مجلس سماع گرم تھی۔ مولانا فخر الدین بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اُس مجلس میں ایک ایسا نوجوان تھا جس کی داڑھی اور مونچھیں نہ تھیں وہ حالتِ وجد میں تڑپ رہا تھا اچانک قوالوں نے کسی ضرورت کی بنا پر گانا موقوف کر دیا اور سماع کی مجلس ختم ہو گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان مردہ پڑا ہے اور ٹھنڈا ہو گیا ہے تمام اہل مجلس اس کے گرد جمع ہو گئے دیکھا کہ اُس میں کوئی حرکت یا گرمی نہیں ہے اس کا والد روتا ہوا اور گریبان پھاڑتا ہوا حضرت مولانا کے قدموں میں گر پڑا کہنے لگا میرا تو یہی ایک بیٹا ہے اُس نے اِس حالت میں جان دے دی ہے اب میں بھی جینا نہیں چاہتا۔ مولانا کو اس کی حالت زار پر رحم آ گیا آپ نے فرمایا اس نوجوان نے ابھی اپنی جان عزیز اللہ کے حوالے نہیں کی تم تسلی رکھو اور پھر آپ نے قوالوں کو فرمایا کہ یہ شعر پڑھو۔

یک لب لعل تو صد جان میدہد
خضر آسا آب حیوان میدہد
مردہ گر باشم بحالم باک نیست
جان بوصل خویش جانان میدہد

جب قوالوں نے یہ اشعار پڑھے تو اہل مجلس جوش و خروش میں آ گئے چند

لمحوں بعد اُس نوجوان میں حرکت پیدا ہوئی اور اُس نے وجد کی حالت میں زمین پہ لیٹنا شروع کر دیا کچھ دیر بعد ہوش میں آگیا۔

ایک شخص مولوی مکرم نامی سماع کے معاملے میں مولانا کو روکا کرتا تھا ایک دن عین مجلسِ سماع میں مولانا سے بحث کرنے کے لئے آگیا۔ مولانا نے ایک تیز نگاہ سے اُسے دیکھا یہ نگاہ نہ تھی گویا ایک تیر تھا جو مولوی مکرم کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ بے اختیار وجد میں آگیا۔ اور پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر بیعت ہو گیا اور دل و جان سے طریقت میں مصروف ہو گیا۔ ایک دن وہ حضرت کے سامنے عاشقانہ نعرے مارتا تھا اور کہہ رہا تھا لوگو دیکھو مولوی کی ایک نگاہ تیر نے محتسب کو شہید کر دیا ہے مولانا فخرالدین نے اس کی مستانہ باتیں سُنیں اور مسکراتے رہے۔ ایک دن حضرت مولانا نے ابتدائی کتابیں پڑھنے والے ایک بچے کو مولوی مکرم کے حوالے کر دیا اور ارشاد فرمایا اس بچے کو علم صرف پڑھائیں اور کتابیں میزان الصرف یاد کرا دیں چونکہ مولوی مکرم عشق اور محبت کی وجہ سے سبق پڑھانے سے عجز ہو چکے تھے آپ کے اس حکم سے بڑے حیران ہوئے بادلِ نخواستہ دو تین دن تک اس طالب علم کو پڑھایا۔ تیسرے دن اُس لڑکے نے ضرَبَ ۔ زیدٌ ۔ عمراً پڑھا۔ اُس نے استاد سے پوچھا کہ زید نے عمر کو کس گناہ پہ مارا تھا۔ مولوی مکرم نے کہا کہ بابا دین کے معشوق بے گناہ عاشقوں کو مارتے ہی رہتے ہیں یہ کہہ کر کتاب کنواں میں پھینک دی اور پگڑی سر سے اُتار کر ناچنا شروع کر دیا اور بے ہوش ہو کر زمین پہ گر پڑا۔ جب یہ خبر مولانا فخرالدین کو پہنچی تو آپ نے فرمایا مولوی مکرم کو کھینچ کر میرے پاس لاؤ جب وہ ہوش میں آئے تو مولانا فخرالدین نے فرمایا کہ مولوی صاحب ضرَبَ ۔ زیدٌ ۔ عمراً کے لفظ سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ مولوی مکرم نے عرض کی حضرت ایس لیس میں نے بچے کو دو دن سبق پڑھایا تو میری یہ حالت ہو گئی ہے اب مجھے معاف فرمائیں۔ اگر مجھے قتل بھی

کردیں تو میں صرف و نحو نہیں پڑھاؤں گا۔ مولوی مکرم چند دن حضرت مولانا فخر الدین کے زیر تربیت رہا تو کامل وقت سے ہو گیا۔

ایک بار مولوی مکرم الہ آباد کے داروغہ سید محمد خان کو ملنے کے لئے الہ آباد گئے ایک دن الہ آباد میں مجلسِ سماع گرم تھی مولوی مکرم وجد کر رہے تھے کہ اچانک الہ آباد کے قاضی کا وہاں سے گزر ہوا۔ مولوی مکرم کو اِس حالت میں دیکھ کر کہنے لگا۔ مولوی مکرم کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح ہل رہا ہے اُسی رات قاضی اپنے گھر میں سویا تو حضرت مولانا فخر الدین کی مثالی صورت اُس کے سامنے آئی آپ نے قاضی کو بستر سے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اور فرمایا اے نابکار قاضی تم میرے مریدوں کو ایسے لفظوں میں یاد کرتے ہو جس سے بے ادبی ہوتی ہے۔ قاضی صبح کے وقت اٹھا تو اُس کے پچھلی طرف پھوڑا نکلا ہوا تھا۔ وہ اُس کے درد سے دن رات تڑپتا جب اس کا کوئی علاج نہ ہو سکا تو مولوی مکرم کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی مانگی پھر مولوی مکرم کی دعا سے اُسے شفا ملی۔

مولانا فخر الدین کے خلیفہ حاجی احمد مدینہ منورہ میں رہتے تھے ایک رات خواب میں حضرت مولانا کو حضورؐ کی بارگاہ میں دیکھا آپ نے حاجی احمد کو حکم دیا کہ وہ مولانا فخر الدین سے بیعت کرے۔ حاجی احمد مدینہ منورہ سے پیادہ چل کر دہلی پہنچے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کئے۔

مناقب فخریہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا میں نے حضرت مولانا فخر الدین کی خدمت میں خط لکھا اور بیٹے کا نام رکھنے کی التجا کی آپ نے جواب میں مجھے مبارک لکھی اور نام نہ بتایا میں سمجھ گیا کہ یہ میرا بیٹا زندہ نہ رہے گا۔ چنانچہ وہ ایک مہینے بعد فوت ہو گیا۔ اسی کتاب کے مصنف لکھتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا حمد اللہ نامی تھا وہ بھی تین سال کا تھا کہ سماع کی حالت میں وجد کرنے لگتا۔ وہ بیمار ہوا تو میں نے حضرت مولانا سے اُس کی صحت کے لئے دعا منگوائی۔ آپ نے فرمایا۔

اِس دفعہ شفا پائے گا۔ وہ تندرست ہو گیا۔ مگر ایک سال بعد چیچک کی بیماری سے فوت ہو گیا۔

ایک عرس پر دہلی کے روساء جمع تھے۔ حضرت مولانا فخرالدین نے مجلس سماع موقوف کر کے حافظ عبدالقادر قادری کو فرمایا کہ مجھے قصیدہ بردہ کے چند اشعار سناؤ اُس نے چند اشعار پڑھے وقت اچھا تھا ساری مجلس میں جوش و خروش برپا ہو گیا اور ہر شخص وجد کرنے لگا کئی لوگ دہاڑیں مار کر روتے تھے اور کئی زمین پر روتے تھے بہت سے لوگ اپنے حال سے بے حال تھے۔ اتفاقاً میر برسی جو سخت بیمار تھا روتا روتا حضرت کے سامنے آ گیا اور حال بیان کیا آپ نے اُس پر توجہ فرمائی تو اُسی وقت تندرست ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی اُس کو بیماری تھی ہی نہیں مولوی محمد روشن علی اور سید محمد مرزا جو نواب روشن الدولہ کے عزیز تھے اُسی دن آپ کے مرید ہوئے۔

حضرت مولانا فخرالدین کی ولادت ۱۱۲۶ھ ہجری میں ہوئی اور ان کی وفات ۷ رجادی الثانی ۱۱۹۹ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ کا مزار پُر انوار دہلی میں ہے۔ مولوی محمد صالح دہلوی نے آپ کی تاریخ وفات لفظ غلام حسین سے نکالی ہے [۱]

۱۱۲۶ھ

شہ کونین فخر الدین اسلام

کہ ذاتش ہادی راہ یقین بود

چو جستم سال ترحیلش خرد گفت

بگو مقبول دنیا فخر دین بود

۱۱۹۹ھ

---

[۱]۔ حضرت شاہ فخر نے اپنی گراں قدر تصانیف نظام العقائد، رسالہ مرجیہ اور فخرالحسن میں علم عقائد حضرت غوث الاعظم کی کتاب غنیۃ الطالبین کے بعض مقامات کی تشریح۔ اور سلسلہ چشتیہ کی نسبت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ثابت کی ہے۔ حضرت مولانا فخرالدین کی ان تصانیف کے علاوہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

سیّد علیم اللہ بن سیّد عتیق اللہ چشتی جالندھری قدس سرہٗ:۔ آپ قصبہ جالندھر کے سادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا شجرہ نسب زید بن حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ شاہ ابوالمعالی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ ظاہری علوم میں کمال حاصل کیا۔ اور علماء وقت میں ممتاز ہوئے آپ کی تصانیف میں انہار الاسرار شرح بوستان سعدی نزہتہ السالکین شرح اخلاق ناصری۔ زبدۃ الروایات نثر الجواہر جو اندر مرجان کا فارسی ترجمہ ہے۔ جس میں بلند پایا کتابیں یادگار زمانہ ہیں۔ بچپن میں ہی حضرت شاہ ابوالمعالی چشتی کی خدمت

(بقیہ حاشیہ) آپ کے احوال و مقامات پر مشائخ اور دانشوران تصوّف نے بہت کچھ لکھا ہے مولانا احسن الزمان حیدر آبادی نے قول المستحسن فی شرح فخر الحسن لکھی۔ مناقب فخریہ۔ شجرۃ الانوار۔ مناقب المحبوبین فخر الطالبین اور تاریخ مشائخ چشت (خلیق احمد نظامی) ہیں آپ کی زندگی پر بڑی اہم اور بلند پایہ کتابیں ہیں۔ آپ کی زندگی میں شاہ ولی اللہ کا مدرسہ رحیمیہ تھا۔ آپ نے اپنا دار العلوم دہلی میں اس شان سے قائم کیا کہ تشنگانِ علوم اسلامیہ سیراب ہوتے گئے۔ حضرت شاہ فخر الدین خود اتنے ہلم عالم اجل تھے کہ بڑے سے بڑے ارباب علم آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ آپ نے خود وقت کے گراں مرتبہ اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ میاں محمد جاں سے فصوص الحکم۔ شمس بازغہ۔ صدرا اور شیخ اکبر ابن عربی کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا ہدایہ مولانا عبد الحکیم سے پڑھا۔ حدیث حافظ اسعد اللہ انصاری محدث حیدر آبادی سے پڑھی تھی۔ آپ نے اپنے والد ماجد شیخ نظام الدین اورنگ آبادی سے شرح وقایہ۔ مشارق الانوار نفحات الانس جیسی کتابیں پڑھی تھیں۔

شاہ فخر الدین کا زمانہ سکھوں کی بربریت کا زمانہ تھا پنجاب کے مسلمان سکھوں کی تلواروں کا چارہ بن چکے تھے۔ آپ کو اس بات کا بے حد صدمہ تھا۔ آپ نے کئی بار مغل دربار کو ان مظالم کی طرف توجہ دلائی مگر مغل فرمانرواؤں کی عیاشی۔ نااتفاقی اور نااہلی کی وجہ سے حالات کو درست نہ کیا جا سکا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں رہنے لگے تھے مگر بڑے ہوئے تو آپ کو سید میراں بھیکھ سے خرقۂ خلافت ملا۔ آپ کی ساری عمر طلبا کی تعلیم اور خدا بین کی تلقین میں گزری۔ آپ کا شعری مذاق بڑا بلند تھا اور شعر خاص انداز میں کہتے تھے ہم آپ کی ایک غزل کا مطلع و مقطع دیتے ہیں۔

یار از خلوت گہہ قدسی عیاں تاختہ
تیغ استغنا بگردن ہائے اعتباد آختہ

مقطع :۔ از نلو نہائے تو شکر لیاں گا علیم
ہیچو سیخ افسردہ گاہے چوں نمک بگداختہ

آپ کی کرامات اسرار تعلیم مؤلفہ شیخ عبداللہ قدس سرہٗ میں کثرت سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم یہاں آپ کے تصرفات کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ آدینہ بیگ فوجدار دوآبہ جالندھر کے زمانہ میں ایک شخص صدیق بیگ کو قصبہ نور محل کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس نے نور محل پہنچتے ہی سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ ایک سید جو جالندھر کے سادات میں سے تھا کی تمام جائیداد ضبط کر لی۔ اور ساتھ ہی تیس روپے جرمانہ بھی طلب کر لیا اس سید نے حضرت شاہ علیم اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کی استدعا کی آپ نے حاکم نور محل کے نام ایک سفارشی رقعہ لکھا۔ مگر حاکم نے قبول نہ کیا اور بڑی بے ہودہ باتیں کیں۔ دوسرے ہی دن آدینہ بیگ نے اس حاکم کو کسی پرانے جرم میں طلب کر کے قید کر دیا اور تیس ہزار تاوان بھی مقرر کر دیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ) آپ نے معاشرے کی اصلاح کی بے حد کوششیں کیں اور ان کے ثمرات بھی بر آمد ہوئے۔ آپ نے ارباب علم کی ایک زبردست ٹیم تیار کی جس نے سلسلہ چشتیہ فخریہ کو ملک بھر میں پھیلا دیا۔

آپ بائیس جمادی الاوّل ۱۱۰۹ھ کو پیدا ہوئے اور سولہ صفر ۱۲۰۲ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کا مزار جالندھر شہر میں ہے۔ آپ کے مزار پر آفتاب چشتیہ ۱۲۰۲ھ سے تاریخ نکال کر پتھر پر لکھی ہوئی ہے۔

حضرت سید علیم اللہ پیر
صاحب صدق و صفا خیر الانام
فیض دیدار است تولیدش عیاں
سال ترحیلش بگو شیخ الکرام

۱۲۰۲ھ

شیخ نور محمد چشتی پنجابی (چشتیاں شریف) قدس سرہٗ:- آپ حضرت مولانا فخر الدین فخر عالم کے خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت مولانا نے جو انعامات اور الطاف آپ کو عنایت فرمائیں اپنے کسی دوسرے خلیفہ کو نہیں دے سکے مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ نور محمد حضرت شاہ فخر عالم کے شب و روز کے جلیس مجلس اور خادم خدمت تھے۔ ابتدائی دور میں آپ نے ایک دن حضرت خواجہ نور محمد کو فرمایا تھا کہ نور محمد- اللہ کی مخلوق ایک دن تجھ سے بہت کچھ حاصل کرے گی- آپ کو دل ہی دل میں خیال آیا- کہ میں تو ایک مسکین اور کمترین درویش ہوں خطۂ پنجاب کا رہنے والا ہوں جس مقام کا حضرت اشارہ کر رہے ہیں مجھے کب نصیب ہو سکتا ہے لیکن ایک وقت آیا کہ ہزاروں طالبان حق آپ کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے اور سینکڑوں انسان آپ کی وساطت سے خدا رسیدہ ہو گئے آپ کی کرامات کا حدو شمار نہیں آپ کے پاس جو شخص جاتا اس کے دل میں جو کچھ ہوتا آپ خود بیان فرما دیا کرتے تھے پھر اس کا جواب بھی عنایت کرتے تھے آپ کے ارادت مندوں سے ایک شخص مولوی غلام حسین تھے جو آپ کے گھر

سے ایک سو میل دُور رہتے تھے۔ فوت ہو گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ نورُ محمد ان کے جنازے میں شریک ہیں۔

ایک شخص دہلی کا بہت بڑا سردار تھا۔ وہ دل سے مخالف تھا۔ مگر ایک دن وہ مولانا فخر جہاں کی مجلس میں چلا گیا اور مجلس سماع میں شریک ہو گیا اور آہستہ آہستہ آپ سے بیعت بھی کر لی۔ وہ منافقانہ آپ کی مجالس میں چلا آتا تھا۔ جس وقت حضرت فخر الدین کی مجالس میں لوگ وجد و رقت میں آکر تڑپتے اور بے خود ہوتے تو یہ دل ہی دل میں مذاق کرتا اور ہنستا اس کی اس حرکت سے لوگ واقف ہوئے تو انہوں نے حضرت فخر جہاں سے شکایت کی۔ مگر آپ ہمیشہ نظر انداز فرمائے اور فقراء کی اس عادت کا ثبوت دیتے جو ان کے ہاں صبر و تحمل نے پیدا کر دی ہوئی ہے ایک دن حضرت سلطان المشائخ کے عرس پر مجلس سماع برپا تھی۔ میر سید بدیع الدین جو آپ کے اخص الخاص غلام تھے۔ اس کی اس عادتِ بد سے آگاہ ہوئے۔ آپ نے حضرت فخر جہاں کی خدمت میں گذارش کی حضور ایک بے کار آدمی کی وجہ سے تمام اہل دل کا کام خراب ہوتا ہے اسے نکال دیں یا اس بد مزاج کا علاج کرنا چاہیئے یہ بات سنتے ہی حضرت مولانا فخر الدین مجلس سے اُٹھے۔ اور باہر وضو کرنے تشریف لے گئے۔ اور حضرت خواجہ نور محمد پنجابی کو حکم دیا کہ آپ اس نادان کی خبر گیری کریں۔ تاکہ پھر اس کا دل منافقت سے دُور ہو جائے حضرت شیخ نور محمد پوشیدہ نگاہی سے دو تین بار اس نابکار کی حرکات کو دیکھتے رہے مگر ایک بار تیز نگاہ سے دیکھا وہ بے ہوش ہو کر مجلس میں ہی گر پڑا کپڑے پھاڑنے لگا۔ رقص کرنے لگا۔ اور زمین پر لیٹنے لگا۔ تمام اہل مجلس کے دل اس کی حرکات سے زخمی تھے۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ وہ تڑپتا رہا۔ اور فرش کی اینٹوں سے سر پھوڑتا رہا وہ اس قدر زخمی ہوا۔ کہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ سانس رک گئی۔ حکیم میر حسین مجلس میں ہی تھے نبض دیکھ کر کہنے

لگے۔ یہ شخص تو مر گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی لوگ باہر حضرت فخر جہاں کی خدمت میں گئے اور آپ کو بتایا کہ وہ شخص جو مذاق کیا کرتا تھا تڑپ تڑپ کر مر گیا ہے آپ اندر آئے۔ اس کے چہرے پر پانی چھڑکا۔ عرق گلاب منہ میں ڈالا بید مشک کا عرق چھڑکا۔ وہ ہوش میں آیا۔ عرض کرنے لگے۔ حضور آپ نے یہ کیا کر دیا۔ مجھے آپ نے مہلت نہ دی کہ میں شہید عشق ہو جاتا۔ بدیع الدین نے فرمایا۔ تم اپنے اعمال بد اور حرکات شنیعہ کی وجہ سے اس لائق نہیں تھے۔ کہ اس دولت سرمدی سے بہرہ ور ہوتے القصہ اس دن کے بعد وہ صدق دل اور نیت سے حلقۂ احباب میں شامل ہو گیا اور اپنی حرکات سے رک گیا۔

شجرۃ الانوار کے مولف نے لکھا ہے۔ کہ خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ پنجاب سے چل کر دہلی پہنچے۔ ان کی خواہش تھی کہ قرآن پاک حفظ کر لوں۔ وہ دہلی کے مختلف علماء کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے قرآن پڑھا کتابیں پڑھیں۔ مگر ایک وقت آیا کہ حضرت مولانا فخر الدین کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور تمام علوم مروجہ میں تکمیل کی۔ آپ نے اس عالم دین کو ۱۱۵۰ھ میں اپنا مرید بنا لیا۔ اور کچھ باطنی اسرار سے بھی نوازا پھر پوری روحانی تربیت کر کے خرقۂ خلافت عطا فرمایا آپ حضرت فخر جہان قدس سرہٗ کے ارشاد پر اپنے وطن مالوف پنجاب آئے۔ اور ریاست بہاول پور میں قصبہ مہاراں میں فروکش ہوئے۔ یہ مقام پاک پتن سے چالیس میل دُور مغرب کی طرف ہے۔ آپ کے ارد گرد مریدوں کی ایک خاصی تعداد جمع ہو گئی جنہیں آپ نے قلبی طور پر مطمئن کر دیا۔ اس سے آپ کی شہرت دُور دور تک پھیل گئی آپ نے بڑے بڑے جلیل القدر صوفیاء کو تربیت دی ان میں سے بعض اتنے معروف مشائخ ہوئے جنہوں نے مخلوق خدا کی ہدایت پر بڑا کام کیا آپ کے خلفاء میں سے خواجہ نور محمد ثانی۔ بڑے عالم فاضل تھے آپ کو خلیفہ کا خصوصی لقب دیا گیا تھا۔ آپ حضرت خواجہ مہاروی کی خاص توجہ کے

مالک تھے آپ کا مزار حاجی پورہ میں ہے مولانا قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ آپ کے خاص مرید تھے آپ کوٹ مٹھن میں آرام فرما ہیں۔ آپ کے علم وفضل سے پنجاب بھر کے طلباء مستفیض ہوئے خواجہ محمد جمال قدس سرہٗ جن کا مزار ملتان میں ہے بھی آپ کے خاص شاگرد تھے۔ خواجہ محمد جمال کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ پنجاب میں پھیلا ہوا تھا حضرت خواجہ سلیمان تونسوی بھی آپ کے سر برآوادہ خلفاء میں سے تھے۔ خانوادہ چشتیہ کا فیضان آپ کی وساطت سے دُور دُور تک پھیلا۔ اور آپ کا لقب خاتم الخلفاء تھا[۱] شیخ نور محمد مہاروی چشتی قدس سرہٗ کا وصال تاج سرور (مہاراں سے تین کوس

۱:۔

کے فاصلہ پر) ۱۲۰۵ھ میں ہوا تھا۔ وہاں ہی آپ کا مزار پُر انوار ہے۔

شیخ دین نُورِ محمد مقتدا
گشت زورِ روشن جہاں نزدیک و دور
نورِ حق مشتاق گو تر حیل او
۱۲۰۵ھ
ہم ولی مجتبیٰ مہتاب نور
۱۲۰۵ھ

سیّد علی شاہ چشتی قدس سرہٗ: آپ سید علیم اللہ جالندھری کے خلیفہ تھے حضرت پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور بے پناہ مخلوق کو راہِ ہدایت سکھائی۔ آپ ۱۲۱۳ھ میں فوت ہوئے مزار پُر انوار جالندھر میں ہے میاں غلام رسول ساکن ٹانڈہ نے آپ کا سال وصال رضی اللہ عنہ ۱۲۱۳ھ سے لیا ہے۔

شیخ محمد سعید چشتی لاہوری شرقپوری قدس سرہٗ: آپ جامع کرامات تھے لاہور سے بیس میل کے فاصلہ پر قصبہ شرقپور میں رہتے تھے چونکہ آپ خواجہ تھے ابتدائی زندگی میں عام نومسلم افراد کی طرح تجارت کرتے تھے۔ غلہ سبزی لے کر فروخت کرتے تھے۔ بعض اوقات گندم اور چنے خرید کر مختلف علاقوں میں فروخت کرتے تھے۔ بعض اوقات شرقپور سے غلہ لے کر بیلوں پر لاد کر لاہور لاتے تھے اور اسی کاروبار میں گزر اوقات کرتے تھے۔ ایک بار دوسرے بیوپاریوں کے ساتھ شرقپور سے لاہور آرہے تھے۔ نیاز بیگ کے قدیمی مدرسہ گنبد والا کے نزدیک پہنچے تو آپ کے بیل کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اور غلہ زمین پر آگرا آپ نے اپنے ہمرائی تاجروں کو کہا کہ میرا غلہ تھوڑا تھوڑا تقسیم کر کے لاہور لے چلو۔ مگر کسی نے پرواہ نہ کی اور سکھوں کے ڈر سے قافلہ چلتا گیا۔ ان دنوں مغل سلطنت کمزور

ہو چکی تھی۔ اور اس علاقہ میں سکھوں کے جتھے لوگوں کو لوٹ لیتے تھے۔ شیخ محمد سعید اسی حالت میں بے یار و مددگار رہے۔ اور اس ویرانے میں پڑے رہے رات ہو ئی۔ آپ بڑے پریشان تھے۔ ناچار رات کے وقت وہیں لیٹ رہے۔ دعا کی۔ رو رو کر زاری کرتے رہے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ ایک گھوڑا سوار دور سے آپہنچا۔ نزدیک آیا۔ تو زور سے آواز دی۔ کہ اس اندھیری رات میں تم کون ہو۔ اس ویرانے میں کیا کر رہے ہو۔ تمہارا کیا نام ہے۔ کیا کرتے ہو یہ غلہ میرے پاس لاؤ۔ محمد سعید نے سمجھ لیا یہ کوئی راہزن ہے جس کے ہاتھوں آج خیر نہیں۔ آپ نے بہر حال جواب دیا۔ میں ایک غریب آدمی ہوں جو شرقپور سے غلہ لے کر لاہور جا رہا تھا کہ میرے بیل کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اب میں بے یار و مددگار پڑا ہوں اس شخص نے کہا۔ غلہ میرے پاس لاؤ۔ اور تمہارا بیل تندرست ہے اس پر غلہ لاد دو آپ نے بتایا کہ سارا غلہ مجھ اکیلے سے اٹھایا نہیں جاتا۔ اس شخص نے کہا۔ اپنے بیل کو اٹھاؤ دیکھو کہ اس کا پاؤں درست ہو گیا ہے۔ شیخ محمد سعید نے دیکھا تو بیل واقعی تندرست تھا۔ انہوں نے خیال کیا یہ کوئی غیبی امداد ہے یہ شخص راہزن نہیں راہنما ہے اب سوار نے غلّے کی بوری کے پاس کھڑے ہو کر نیزے کی انی سے اٹھا کر بیل کی پشت پر رکھ دیا اور وہ نوجوان باد صبا کی تیزی کے ساتھ وہاں سے چل دیا۔ شیخ محمد سعید نے کہا آپ میرے محسن ہیں مددگار ہیں۔ میں آپ کا نام اور مقام پوچھے بغیر جانے نہیں دوں گا۔ شیخ محمد سعید نے بڑا اصرار کیا۔ اور قدموں سے چمٹ گیا۔ سوار نے بتایا کہ میں اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب ہوں۔ میں اللہ کے حکم سے تمہاری امداد کو آیا ہوں۔ جاؤ اللہ کے حوالے یہ کہہ کر آپ غائب ہو گئے۔

شیخ محمد سعید شرقپور آئے۔ اپنا مال و متاع اللہ کے راہ میں لٹا دیا عبادت خداوندی میں مشغول ہو گئے۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہو گئے اور مقبولان خدا سے ہو گئے اگرچہ آپ سے ہزاروں کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ اور ان صفحات میں ان کی تحریر کی گنجائش

بھی نہیں۔ صرف ایک دو باتیں مشتے نمونہ از خروارے بیاں کی جاتی ہیں۔

خربوزوں کا موسم تھا۔ آپ خربوزے لادکر شرقپور پہنچے۔ ایک نیل گر کی دکان کے چبوترے پہ بیٹھ کر خربوزے فروخت کرنے لگے۔ لوگ خربوزہ کھاتے اور اس کے چھلکے رنگریز کے برتن میں پھینک دیتے۔ جس سے برتن میں خربوزوں کے بیج اور چھلکے جمع ہو گئے۔ رنگریز یہ صورتِ حال دیکھ کر گھبرا گیا۔ ابھی وہ سوچ رہا تھا کہ شیخ سعید قدس سرہٗ کو کہوں کہ یہاں سے اُٹھ کر چلے جائیں میرا بہت نقصان ہو چکا ہے۔ آپ نے اس کے دل کے خطرے کو خود ہی بھانپ لیا۔ اور جس قدر خربوزے باقی بچے تھے۔ چیر کر ان کے بیج اور کاشیں خم میں پھینک کر فرمایا لو تمہارا نیل ٹھیک کر دیا ہے اب اس میں تازہ نیل ڈالنے کی ضرورت نہیں آئے گی۔ اسے عمر بھر استعمال کرتے جاؤ۔ کپڑے ڈبوتے جاؤ اور رنگ کرتے رہو۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ رنگریز جب تک زندہ رہا۔ نیا نیل ڈالے بغیر کپڑے رنگتا رہا۔

حضرت شیخ محمد سعید شرقپوری کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے شیخ جلال الدین چشتی تھانیسری سے ملتا ہے آپ کے عظیم خلیفہ شیخ شمس الدین بن محمد حسین لاہوری تھے آپ وجد و تواجد میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

شیخ محمد سعید ۱۲۱۴ھ میں فوت ہوئے لفظ دریغ سے آپ کی تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے یہ تاریخ آپ کے مزار پر کندہ ہے۔ آپ کا مزار قصبہ شرقپور میں ہے۔

شیخ محمد سعید چشتی قدس سرہٗ: آپ سید علیم اللہ جالندھری قدس سرہٗ کے مرید خاص اور خلیفہ اکمل تھے دوآبہ جالندھر میں قصبہ راؤں میں رہتے تھے ظاہری اور باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ ساری زندگی تعلیم و تربیت میں گزار دی۔

آپ ۱۹ ذوالحجہ ۱۲۲۰ھ میں فوت ہوئے آپ کی تاریخ وفات ہے۔

بُدمحمد سعید شیخ زمان

۱۲۲۰ھ

شیخ خیر الدین المعروف بہ خیر شاہ چشتی لاہوری قدس سرہٗ: آپ لاہور کے عظیم خلفائے چشتیہ میں سے ہیں شیخ سلیم چشتی لاہوری کے خلیفہ تھے۔ سماع اور وجد میں بے مثال تھے۔ آپ کا لنگر عام و خاص کے لئے کھلا تھا آپ انیس[19] ذوالحجہ ۱۲۲۸ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔

سیّد اعظم چشتی روپڑی قدس سرہٗ: آپ سلسلہ میران بھیکھ کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ جسے دیکھتے محبت خداوندی کا خوگر بنا دیتے تھے۔ ایک رات سید اعظم اپنی گھوڑی پر سوار اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں میں جا رہے تھے۔ راستہ میں راہزنوں نے آگھیرا۔ آپ کی گھوڑی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے بڑے حوصلے سے سمجھایا کہ جس گھوڑی پر میں سوار ہوں۔ نہایت کمزور اور لاغر ہے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ ہاں میرے گھر ایک اور گھوڑی ہے وہ میں دے سکتا ہوں اگر آپ لوگ تھوڑا سا وقت یہاں ٹھہریں تو میں ابھی لا کر دے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ اپنے گھر آئے اور اچھی گھوڑی لے جا کر راہزنوں کے حوالے کر دی۔ راہزن گھوڑی لے کر چل دیئے۔ دوسرے دن تمام ڈاکو اپنے اہل و عیال کو ساتھ لئے آپ کے گھر پہنچے۔ توبہ کی۔ آپ کی گھوڑی کے ساتھ نذرانے پیش کر کے معافی کے خواستگار ہوئے۔

آپ ۱۲۲۷ھ کو فوت ہوئے آپ کا مزار روپڑ میں ہے۔

حافظ موسیٰ چشتی مانک پوری قدس سرہٗ: آپ اعظم روپڑی کے خلیفہ تھے ابتدائی زندگی میں قلعی گری کیا کرتے تھے۔ دو بیویاں تھیں۔ جب اللہ سے لگن لگی تو دونوں کو طلاق دے دی۔ ایک عرصہ تک ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول رہے اور آپ اس عرصہ بہلول پور روپڑ میں

قیام پذیر رہے زندگی کے آخری حصہ میں روپڑ سے چل کر مانک پور رہنے لگے۔ یہاں بے پناہ مخلوق آپ کے دروازے پر آنے لگی۔ حالت جذب و مستی یہاں تک پہنچی کہ جو شخص بھی آپ کے دروازے پر آتا جذب و مستی کا حصہ پاتا تھا۔ آپ اس میں جس پر نگاہ ڈالتے اسے اپنا منظور نظر بنا لیتے تھے بعض حضرات تو آپ کی ایک نگاہ سے مجذوب بن جاتے تھے۔ چنانچہ کریم شاہ اور محمد شاہ اسی علاقہ کے مشہور مجذوب آپ کی ایک نگاہ کی زد میں آئے اور مجذوب بھی تھے۔

آپ سولہ[۱۶] ماہ رمضان المبارک بروز ہفتہ ۱۲۴۷ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار مانک پور میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے آپ کے باکمال خلفاء میں سے مولوی امانت علی امروہوی۔ غلام معین الدین المعروف شاہ خاموش دکنی۔ خواجہ عبداللہ امروہی امیر امانت علی ثانی محمد بخش سہگا والہ اور پیر شاہ سجادہ نشین جیسے کئی بزرگ اس سلسلہ پر کاربند رہے۔

بہر دیدار حق چو از دُنیا
رفت در ملک جاوداں موسیٰ
کن رقم سال رحلتش سرور
زیب دین حفظ مار جہاں موسیٰ

۱۲۴۷ھ

سیّد شاہ نیاز احمد مولوی چشتی قدس سرہٗ: آپ حضرت شاہ مولانا فخر جہاں فخر الدین کے اعلیٰ اور اعظم خلیفہ تھے بڑے صاحب راز و نیاز اور مالک سوز و گداز تھے عشق و محبت میں اپنی مثال آپ تھے علوم ظاہر و باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔ طالبان حق کو اللہ تک رسائی کرانا ان کے کمالات میں شامل تھا۔ شوق و ذوق کا گھوڑا میدان عشق میں دوڑاتے رہتے تھے آپ

کی خانقاہ فیوض ربانی کا خزینۃ الانوار سبحانی کا مطلع تھا۔ ہزاروں سحرزدہ دل آپ کی دل جوئی سے فنا رسیدہ بن گئے اور سیکڑوں بے خبر اللہ کی معرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید حاجی حکیم شاہ رحمت سرہندی قدس سرہٗ تھا۔ اسی طرح مولانا شریف بھی آپ کے ہم شرب تھے۔ جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو آپ ابھی بچے ہی تھے آپ کی والدہ ماجدہ جو رابعۂ عصر تھیں نے اپنی نظروں میں بٹھایا اور اپنی زیر نگاہ تربیت دی پھر ظاہری و باطنی علوم کے لئے حضرت شاہ فخرالدین کی خدمت میں پیش کیا حضرت مولانا فخر قدس سرہٗ نے بھی شاہ نیاز کو بڑی توجہ اور شفقت سے زیور تعلیم سے آراستہ کیا۔ آپ سترہ سال تک ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل میں مصروف رہے آپ کو معقول منقول فروغ و اصول حدیث و تفسیر فقہ و منطق جیسے علوم مروجہ میں درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ دستار فضیلت حاصل کرنے کے بعد انیس سال کی عمر میں بیعت کی۔ چند برسوں میں باطنی علوم میں کمال حاصل کرنے کے بعد خرقۂ خلافت پایا۔ پھر حضرت پیرو مرشد کے حکم سے بانس بریلی کے خطہ میں روحانی تربیت کے لئے مامور ہوئے آپ نے وہاں پہنچ کر خلق خدائی کی بڑی راہنمائی کی بے پناہ لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے دور دراز کے علاقوں سے آکر لوگ آپ سے بیعت ہوتے اسی طرح آپ کے خلفاء بھی ملک کے مختلف علاقوں میں پھیلنے لگے۔ ایک وقت آیا کہ آپ رام پور چلے گئے اور وہاں حضرت شاہ عبداللہ قادری سے بیعت ہوکر سلسلہ قادریہ میں داخل ہوئے سید شاہ عبداللہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ انہیں حضرت نیاز بریلوی کے اشعار سے بھی بڑا لگاؤ تھا حضرت شاہ نیاز کی شاعری کی دھوم سارے برصغیر میں مچی ہوئی تھی اور آپ ہر زبان میں شعر کہتے تھے آپ کا دیوان بڑی عمدہ شاعری کا نمونہ ہے۔ اسے صوفیاء اپنی مجالس میں بڑے شوق ذوق سے سنتے ہیں

حضرت شاہ نیاز بریلوی قدس سرہٗ ۱۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور بریلی میں ششم ماہ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ میں فوت ہوئے آپ ستتر سال کی عمر میں دنیا سے تشریف لے گئے آپ کا مزار پرانوار بریلی میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

فضل ربانی بگو تولید او
رحلتش دیندار شیخ بے نیاز
۱۱۷۳ھ
باز سال ارتحالش شد عیاں
باصفا مخدوم شاہ بے نیاز
۱۲۵۰ھ

خواجہ محمد سلیمان چشتی تونسوی قدس سرہٗ: آپ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی چشتی کے خلفا اور احباب میں سے تھے کشف و کرامات میں بے مثال تھے۔ آپ کی ریاضت اور عبادت مشرق و مغرب میں مشہور ہوئی۔ آپ کا اصل وطن گرجی کوہستان تھا ابتدائے کار میں کوٹ مٹھن آئے قاضی محمد عاقل کے مدرسہ میں زیر تعلیم رہے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ذاتِ حق کی تلاش کا شوق دامن گیر ہوا۔ انہیں دنوں خواجہ نور محمد مہاروی چشتیاں سے ایک قافلہ علماء طلباء کے ساتھ کوٹ مٹھن آئے اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ کی خانقاہ پر قیام کیا۔ خواجہ محمد سلیمان نے بھی آپ سے یہاں ہی بیعت کر لی۔ چند سال زیر تربیت رہے تکمیل سلوک چشتیہ کے بعد خرقہ خلافت حاصل کر لیا اپنے پیر و مرشد کے حکم پر اپنے گھر گرجی سے تیس کوس کے فاصلہ پر تونسہ کے مقام پر سکونت پذیر ہوئے۔ ہدایت خلق کا دروازہ کھلا تو بے شمار لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے چنانچہ ایک لاکھ انسان جن میں کفار۔ فجار اور فساق ہر قسم کے لوگ شامل تھے آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر راہِ ہدایت پانے میں کامیاب ہوئے

آپ کے مریدوں میں ہزاروں کو صاحب سجادہ بنا دیا گیا اور دور دراز علاقوں میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت ہونے لگی۔ مگر آپ کے خلفا میں سے تین اشخاص ایسے نکلے جنہوں نے مستقبل میں بڑی شہرت پائی۔ اور عرب وعجم میں مشہور ہوئے۔ ان میں سے شیخ محمد یار قدس سرہٗ جنہوں نے ریاضت اور مجاہدات میں کمال کر دیا وہ فرید العصر اور وحید الدھر ہوئے۔ حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہٗ آپ کے حلقہ ارادت میں دکن اور عربستان کے لوگ جمع ہو گئے تیسرے مولوی محمد علی مکھڈی قدس سرہٗ جنہوں نے پنجاب اور شمالی علاقوں میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا[1]۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی قدس سرہٗ ہفتم صفر بروز جمعرات ۱۲۶۷ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار پرانوار تونسہ شریف میں ہے آپ کی عمر ایک سو سال کے قریب تھی۔ ان دنوں (مفتی غلام سرور کے زمانہ میں) آپ کے پوتے خواجہ اللہ بخش تونسوی مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہیں۔

گشت از دل سال ترحیلش عیاں
قطب حق مرشد سلیمان بادشاہ
راغب دیں شد ہم از سرور رقم
رحلت آں بادشاہ اہل جاہ
۱۲۶۷ھ

---

[1] اور خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب تاریخ مشائخ چشت اور مولوی احمد علی چشتی نے اپنی کتاب تصر عارفاں میں حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے احوال ومقامات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آپ کی روحانی خدمات سلسلہ چشتیہ کے فروغ واشاعت علمی اور عرفانی سرگرمیاں۔ پھر آپ کے خلفاء کی شہرت اور ان کی تعلیمات کے اثرات پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے یہ دونوں کتابیں ان دنوں کتابی دنیا میں مشہور ہیں۔ قارئین تفصیلی حالات کے لئے ان کتابوں کو ضرور سامنے رکھیں۔

مولوی غلام مصطفےٰ چشتی وزیرآبادی قدس سرہٗ: آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ میں سے تھے بڑے صاحبِ دل اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ آپ شیخ اللہ دتا کے مرید تھے وہ شیخ کریم الدین کے وہ شیخ محمد غوث کے وہ شیخ قادر بخش کے وہ حامد شاہ کے اور محمد صدیق لاہوری قدس سرہم کے مرید تھے۔ آپ ۱۲۶۷ھ میں فوت ہوئے۔ بہادر شاہ لاہوری نے آپ کی تاریخ وفات لفظ خداپرست ۱۲۶۷ھ نکال کی ہے۔ آپ کے خلفاء میں سے سید چراغ شاہ سبزواری جو آپ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے بڑے معروف ہوئے اور وہی آپ کے سجادہ نشین بنے

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
غلام مصطفےٰ ہادی عالم
وصالش مخزن شرع است سرور ۱۲۶۷
دوبارہ جلوہ گر شد نور اعظم

۱۲۶۷ھ

مولوی امانت علی چشتی قدس سرہٗ: آپ شیخ محمد موسیٰ مانک پوری کے خلیفہ تھے بڑے صاحب ریاضت اور عبادت بزرگ تھے دنیا اور اہل دنیا سے انہیں کوئی کام نہ تھا۔ پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد آپ کشمیر چلے گئے تھے کشمیر میں شیر احمد شاہ ایک کامل بزرگ تھے۔ ان سے مرید ہوئے واپس آکر امروہہ میں قیام فرما ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات انیس ۱۹ ذیقعد ۱۲۸۰ھ دہتر ۷۲ سال کی عمر میں) ہے۔ آپ کے تینوں بیٹے امروہہ میں رہتے ہیں آپ کے مریدوں میں شیخ عبدالرحیم۔ شیخ عبدالرحمان اور شیخ سمیع اللہ پٹیالوی بڑے مشہور بزرگ ہیں

چوں امانت علی امین نبی !!
رفت آخر بعزت از دنیا
سال وصلش تو خوش بگو سرور
رفت اہل امانت از دنیا

۱۲۸۰ھ

شیخ حاجی رمضان چشتی لاہوری قدس سرہٗ:- آپ خواجہ سلیمان تونسوی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ بڑے زاہد و عابد صائم الدھر اور قائم اللیل ہیں۔ مخلوق سے دور اور اللہ کے قریب ہیں۔ ہمیشہ خانہ خدا میں قیام ہے اور عبادت میں مشغول ہیں۔ مجالس سماع میں پوری ذمہ داری سے شریک ہوتے ہیں اور وجد و اضطراب میں رہتے ہیں آپ حج بیت اللہ پر بھی گئے تھے۔ خلق خدا سے نیک خلقی اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ جو ضرورت در پیش ہو اللہ سے دُعا کرتے ہیں جو قبول ہو جاتی ہے غرض کہ اِس زمانہ میں وہ مشہور صوفیاء میں ہیں لیکن گم نام رہنے کے لئے گوشہ نشین رہتے ہیں۔

آپ رمضان المبارک ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور تین رمضان ۱۲۸۲ھ میں اسّی سال کی عمر میں فوت ہوئے آپ کا مزار لاہور قبرستان میانی صاحب میں شیخ محمد طاہر لاہوری کے مزار کے قریب ہے۔

حضرتِ رمضان کہ نام نامیش
بود متبرک چو رمضان برزبان
آمد اندر ماہ رمضان بر زمین
ہم برمضان شد براوج آسمان
گو چراغ حلم سالِ رحلتش ۱۲۸۲ھ
نیز کامل زندہ دل رمضان بخواں ۱۲۸۲ھ

شیخ فیض بخش لاہوری قدس سرہٗ: آپ لاہور کے صاحب حال اور صاحب وجد صوفیا میں سے تھے۔ آپ سید حیدر علی شاہ کے مرید تھے اور وہ شیر شاہ لاہوری کے خلیفہ تھے آپ ریشم کے کپڑے بنا کر گزر اوقات کرتے تھے اور ہر سال میں آپ سترہ عرس سالانہ کیا کرتے تھے جن میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت علی مرتضیٰ۔ عاشورہ مبارک۔ عرس حضرت غوثِ اعظم۔ عرس حضرت خواجہ معین الدین اجمیری۔ عرس حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اور عرس حضرت خواجہ علی احمد صابر منایا کرتے تھے۔ ان عرسوں پر بڑا پیسہ خرچ کرتے اور سماع کی مجالس قائم کرتے تھے۔ جس پر خصوصی توجہ دیتے وہ مست اور بے ہوش ہو جاتا۔ آپ کے مریدوں میں آپ کی کرامات بڑی مشہور ہیں ہم اس مختصر سی کتاب میں وہ کرامات نہیں لکھ سکتے۔ ہر رات تین بار غسل کرتے اور اللہ کی عبادت میں ساری رات گزار دیتے۔ دنیا کی لذیذ چیزوں سے پرہیز کرتے۔ بعض اوقات حلوے میں مرچیں ڈال دیتے اور زردے میں نمک ملا لیتے۔ موت قریب آئی تو محرقہ بخار میں مبتلا ہوئے اور چند دن بیمار رہ کر رجب کی نو ۱۲۸۶ھ کو فوت ہو گئے۔ آپ نے مرنے سے چند لمحے پہلے حافظ قادر بخش نعت خواں کو بلایا اور کہا کہ مجھے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت سنائیں۔ اُس نے یہ نعت شروع کی۔

منم خاکِ در کوئے محمدؐ
اسیر حلقۂ موئے محمدؐ
قتیل نوک شمشیر نگاہش
شہید تیغ ابروئے محمدؐ

یہ نعت سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہوا۔ تڑپنے لگے۔ جسم پسینہ سے شرابور ہو گیا اور اسی حالت میں جان قربان کر دی۔

زدار الفنا سوی فردوس رفت
چو آن فیض بخش صفا اہل فیض
بگو محرم فیضِ حق سال او
۱۲۸۶ھ
دگر مرز اہل عطا اہل فیض

۱۲۸۶ھ

الحمدُ للہ۔ خزینۃ الاصفیاء کے سلسلۂ چشتیہ کے حصے کا ترجمہ مکمل ہو گیا ہے۔ دوسرے سلاسل تصوّف میں سے سلسلہ قادریہ اور متفرق سلاسل۔ مجازیب۔ اور صالحاتِ امت کے تراجم زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آچکے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ سہروردیہ زیرِ ترجمہ ہیں جو انشاء اللہ جلد ہی قارئین کرام تک پہنچیں گے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
(مترجم خزینۃ الاصفیاء)